سلام ہو ابراہیم پر!

نام کتاب: سلام ہو ابراہیم پر

مصنف: ابراہیم ہادی ثقافتی مرکز

مترجم: محمد اشرف متو

تصحیح: سید ابرار جعفری

ناشر: مطہریؒ فکری و ثقافتی مرکز۔ کشمیر

تعداد: ۱۰۰۰

سال طباعت: ۲۰۱۶ء

انتساب

فخرِ نبیین، خاتمِ مرسلین،

ابو زہراء سلام اللہ علیہا،

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام!

فہرست

مقدمہ

ایران کے اسلامی انقلاب کی برکتوں میں سے ایک ایسے ہمہ گیر چہروں کا ظہور ہے جو پوری ایک مملکت کو بیدار کرنے اور اسے نئی زندگی عطا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

یہ وہ تابناک چہرے ہیں جو ایک طرف بلند اسلامی افکار سے آشنا ہیں اور دوسری طرف میدان عمل میں بھی شریعت کی پیروی میں پیشگام ہیں، دشمنان دین کے مکر وحیلوں کو بھی جانتے ہیں اور ساتھ ہی محاذ کفر کے ساتھ بر سرپیکار رہنے پر بھی اعتقاد رکھتے ہیں اور شاید پوری تاریخ میں کبھی بھی امت مسلمہ آج کی طرح بڑی شدت کے ساتھ ایسے چہروں کے انتظار میں نہیں تھی۔

اس قسم کے مفکرین ایک خاص قوم وسرزمین سے بالاتر ہیں اور چونکہ یہ لوگ خالص اسلامی فکر کے پرورش یافتہ ہیں لہٰذا ہر مسلمان کے لئے، چاہے وہ کسی بھی زبان یا قوم سے وابستہ ہو، ایک نمونۂ عمل اور آئیڈیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس قسم کے تابناک چہروں کو پہچاننے کا ایک طریقہ انکی زندگی کے ایسے مختلف حالات و

واقعات کا مطالعہ کرنا ہے جن سے انکے بلند افکار، دینی بصیرت اور سماجی کردار کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

ہمیں بہت فخر ہے کہ ہم ایسے چند ایک اسلامی مفکرین کے حالات زندگی پر مبنی اردو مواد پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جنہوں نے اسلامی انقلاب کی کامیابی میں ایک اہم رول نبھایا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ مسلمان جوان، ان عظیم ہستیوں کو اپنا آئیڈیل قرار دے کر اسلامی سرحدوں کے اندر، اسلامی فکر کی تقویت اور مذہبی اقدار کی بالادستی کیلئے کوشاں رہیں گے۔

اس مجموعہ کے لئے جن دوستوں نے تعاون کیا ہے ہم ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں خاص کر جناب محمد اشرف متو صاحب کا کہ جنہوں نے شہید براہیم ہادی کے زندگی نامہ کو ترجمہ کرنے کی زحمت اٹھائی ہے۔

مطہریؒ فکری و ثقافتی مرکز

امام خمینیؒ نے فرمایا

مستقبل میں کچھ لوگ جان بوجھ کر یا نا سمجھی میں عوام میں یہ موضوع اٹھا سکتے ہیں کہ اتنی قربانیوں کا نتیجہ کیا نکلا!؟

انہیں یقیناً عوالم غیب اور فلسفۂ شہادت کا کوئی علم نہیں ہو گا، وہ یہ نہیں جانتے ہوں گے کہ جو شخص محض خوشنودی خدا کی خاطر محاذ جنگ پر جاتا اور خلوص کی تشتری میں سر رکھے حاضر ہوتا ہے، گذر زمان نہ تو اس کی بقاء اور جاودانی پر اثر انداز ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے بلند مرتبہ میں کسی طرح کی کوئی کمی آتی ہے۔

ہمیں شہداء کی قدر و منزلت اور ان کے قائم کردہ نقوش کے مکمل ادراک کے لئے ایک طولانی سفر کرنا ہو گا اور گذر زمان کے ساتھ انقلاب کی تاریخ اور مستقبل کی خاک چھاننا ہو گی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خون شہداء، انقلاب اور اسلام کا بیمۂ حیات ہے۔

خون شہداء نے رہتی دنیا تک کے انسانوں کو استقامت اور پائداری کا درس دیا ہے اور خدا جانتا ہے کہ راہ شہادت کبھی مسدود ہونے والی نہیں ہے۔

مستقبل کی اقوام شہداء کے نقش قدم پر چلیں گی، ان کی پاک تربتیں قیامت تک دردمندوں اور عاشقان و عارفان الٰہی کی زیارت گاہ اور حریت و آزادی کے دلدادوں کے لئے دارالشفاء رہیں گی۔

***

ابراہیم ہادی ہی کیوں؟

۲۰۰۷ء کی گرمیوں کی بات ہے جب میں تہران کی امین الدولہ نامی مسجد میں مغربین کی نماز جماعت میں مشغول تھا، مجھ پر عجیب و غریب حالت طاری تھی، سارے کے سارے نماز گذار علماء اور مجتہد تھے، میں جماعت کی دوسری صف کے دائیں طرف ایک کونے میں کھڑا تھا۔ نماز مغرب ختم ہو جانے کے بعد میں نے اپنے اطراف میں نظر ڈالی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی، مسجد چاروں طرف سے پانی سے گھری ہوئی تھی، ایسالگ رہا تھا جیسے سمندر کے بیچوں بیچ یہ ایک جزیرہ ہو!

امام جماعت، سفید عمامہ لگائے ایک معمّر نورانی شخص تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور لوگوں کی طرف رخ کر کے اپنی گفتگو شروع کی، میں نے اپنے بغل میں بیٹھے ایک سن رسیدہ شخص سے پوچھا: "کیا آپ امام جماعت کو پہچانتے ہیں؟"

اس نے جواب دیا: "یہ آیت اللہ شیخ محمد حسین زاہد صاحب ہیں جو آیت اللہ حق شناس صاحب اور آیت اللہ مجتہدی صاحب کے استاد ہیں۔

چونکہ میں نے پہلے ہی آیت اللہ شیخ حسین زاہد صاحب کی روحانی عظمت اور برجستہ شخصیت کے بارے میں کافی کچھ سنا تھا لہٰذا ان کی تمام باتوں کو بڑے غور سے سننے لگا۔ عجیب و غریب خاموشی چھائی ہوئی تھی، سبھی لوگ ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

آپ نے اخلاق اور عرفان کے سلسلہ میں کچھ مطالب بیان کرتے ہوئے فرمایا: دوستو اور عزیزو! لوگ ہمیں اخلاق اور عرفان کی ہستیاں سمجھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔۔۔ لیکن

عزیزو! عملی اخلاق اور عرفان کی ہستیاں درواقع یہ لوگ ہیں، یہ کہتے ہوئے انہوں نے ایک بڑی تصویر ہاتھ میں اٹھائی۔ میں اپنی جگہ پر گھٹنوں کے بل کھڑا ہواتاکہ اچھی طرح اس فوٹو کو دیکھ سکوں۔ یہ لمبی داڑھی والے ایک جوان کی تصویر تھی جو بھورے رنگ کی ایک قمیض پہنے ہوئے تھا، میں نے غور سے فوٹو دیکھنا شروع کیا، جی ہاں! میں اسے اچھی طرح پہچانتا تھا،اس کا چہرہ میں نے کئی بار دیکھا ہوا تھااور اس بارے میں مجھے ذرّہ برابر شک نہیں تھا، یہ ابراہیم تھا،ابراہیم ہادی!

اس کی باتیں میرے لئے کافی حیرت انگیز تھیں کیونکہ یہ باتیں عرفان اور اخلاق کا برجستہ استاد شیخ زاہد حسین کر رہا تھا کہ جس کے سامنے بہت سارے علماء نے زانوئے ادب تہ کیا تھا!

اس نے ابراہیم کا تعارف اخلاق عملی کے ایک استاد کے عنوان سے کرایا!؟ میں نے من ہی میں اپنے آپ سے کہا: یہ شیخ حسین زاہد کون ہے؟! وہ تو کب کے رحلت کر چکے ہیں!!

ہیجان زدہ ہو کر میں نیند سے جاگا تو ۱۰ اگست ۲۰۰۷ء کی رات کے تین بج رہے تھے جو حُسنِ اتفاق سے ۲۷ رجب المرجب یعنی عید مبعثِ پیغمبر اکرمؐ کا دن تھا۔

یہ خواب وہ رویائے صادقہ تھا جس سے میرے بدن پر لرزہ طاری ہوا، میں نے کاغذ اور قلم اٹھایااور جو کچھ سنااور دیکھا تھا، اسے بڑی تیزی سے لکھ ڈالا۔ اب میری آنکھوں سے نیند اڑ چکی تھی، میں نے اپنے دل ودماغ میں ابراہیم ہادی کی ان یادوں کو دہرانا شروع کیا جو میں نے ان کے بارے میں سنی تھیں۔

یہ بات مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ فروری ۱۹۹۴ء کے ماہ رمضان کی آخری شب، میں مسجد الشہداء میں تھا تو ہم سب قدیمی فوجی ساتھی مل کر شہید ابراہیم ہادی کے گھر چلے گئے،

یہاں شہید ابراہیم کی والدہ کے انتقال پر مجلس برپا تھی، مسجد کے پیچھے والے "شہید موافق" نامی کوچے میں ان کا گھر واقع تھا۔

حسین اللہ کرم صاحب نے شہید ہادی کے بارے میں اپنی گفتگو شروع کی، ان کے واقعات بڑے عجیب تھے، اس وقت تک میں نے کسی سے بھی اس طرح کی باتیں نہیں سنی تھیں۔

اس رات خدا کا لطف و کرم میرے شامل حال ہوا، کیونکہ جنگ تو میں نے دیکھی ہی نہیں تھی، اس وقت تو میری عمر صرف سات سال کی تھی، لیکن خدا نے مجھے اس جلسہ میں حاضر ہونے کی توفیق دی تاکہ میں اس کے ایک مخلص بندے کو اچھی طرح پہچان سکوں!

ان باتوں نے برسوں تک میرے ذہن کو مصروف رکھا۔ یقین نہیں آرہا تھا کہ ایک مجاہد نے اس قدر معرکہ آرائی دکھائی ہو اور پھر بھی وہ اتنا گمنام ہو! سب سے بڑی عجیب بات یہ ہے کہ اس نے خود ہی خدا سے گمنام رہنے کی دعاء کی تھی! برسوں گذرنے کے بعد بھی ابھی اس کا جنازہ نہیں مل پایا تھا اور نہ ہی کوئی بات اس کے حوالے سے بیان ہوئی تھی! اور میں اپنی ساری کلاسوں اور سارے بچوں کو اس کے بارے میں بتاتا رہتا تھا۔

ابھی اذان صبح تک کافی وقت بچا تھا، میری آنکھوں سے نیند اڑ چکی تھی اور میں یہ جاننے کی سخت کوشش کر رہا تھا کہ شیخ زاہد صاحب نے ابراہیم کو اخلاق عملی کا مثالی نمونہ کیوں قرار دیا!

دوسرے دن صبح کو شہر قم کے قبرستانِ ابن بابویہ میں موجود شیخ حسین زاہد کی قبر پر چلا گیا، قبر پر لگے فوٹو کا چہرہ دیکھ کر اپنے خواب کے سچے ہونے پر پورا اطمینان حاصل ہو گیا۔

اب مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ عارفوں کو پہاڑوں اور بیابانوں یا خانقاہی کوٹھریوں میں نہیں بلکہ اپنے ہی اِرد گرد ڈھونڈنا چاہئے کیونکہ یہ لوگ ہمارے ہی پاس اور ہم ہی میں سے ہیں۔

میں اسی دن شہید ہادی کے ایک دوست کے پاس چلا گیا اور اس سے شہید کے تمام قریبی دوستوں کا ٹیلیفون نمبر اور ایڈریس مانگا، کیونکہ میں فیصلہ کرچکا تھا کہ مجھے ابراہیم کو پہلے سے بہتر اور مکمل طور پر پہچاننا ہے اور اس سلسلہ میں، میں نے خدا سے بھی توفیق طلب کی۔

شاید یہ وہ رسالت اور ذمہ داری ہے جو حضرت حق تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کو پہچاننے کے لئے ہمارے کندھوں پر ڈال دی ہے۔

***

مختصر سوانح حیات

ابراہیم نے ۲۱ اپریل ۱۹۵۷ء کو تہران کے خراسان چوک کے نزدیک "شہید سعیدی" نامی محلہ میں آنکھیں کھولیں۔ یہ اپنے والدین کی چوتھی اولاد تھے لیکن پھر بھی ان کے والد مشہدی محمد حسین انہیں کچھ زیادہ ہی چاہتے تھے۔ البتہ یہ بھی اپنے والد کے قدر شناس تھے کیونکہ اس باپ نے ایک معمولی سی دکان چلا کر اپنے اولاد کی بہترین تربیت کر رکھی تھی۔

ابراہیم ابھی نوجوان ہی تھا کہ اسے یتیمی کا تلخ تجربہ کرنا پڑا اور یہیں سے اس نے عظیم لوگوں کی طرح زندگی جینا شروع کر دی۔ پرائمری اسکول کا زمانہ "مدرسۂ طالقانی" میں اور ہائی اسکول کا زمانہ "ابوریحان اور کریم خان زند" میں گذارا۔ ۱۹۷۶ء میں لٹریچر میں انٹرمیڈیٹ کا سرٹیفیکٹ حاصل کیا اور یہی وہ دن تھے جب اس نے غیر درسی (سیلبس سے ہٹ کر) مطالعات کا سلسلہ شروع کیا۔ "وحدت اسلامی" نامی جوانوں کی تنظیم میں شمولیت اور علامہ محمد تقی جعفری جیسے بے مثال استاد کی شاگردی اور ہمراہی نے ابراہیم کی شخصیت کو نکھارنے میں کافی مؤثر کردار ادا کیا۔ اس نے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے دوران اپنی شجاعت کے کافی نقوش چھوڑے۔

حصولِ علم کے ساتھ ساتھ وہ بازار تہران میں کام کاج میں بھی مشغول تھا۔ انقلاب کے بعد پہلے، یہ محکمۂ کھیل اور ورزش اور پھر ایجوکیشنل بورڈ میں مصروف کار رہا۔ ابراہیم ایک فداکار استاد کی طرح ملک کے نونہالوں کی تربیت میں مصروف ہو گیا۔

ابراہیم ایک ورزش کار جوان تھا۔اس نے روایتی ورزش یعنی پہلوانی میں اپنے جوہر دکھانے شروع کردئے۔ یہ والیبال اور کشتی میں بے مثال شخص تھا۔ یہ کسی بھی میدان میں پیچھے نہیں ہٹااور مرد کی طرح ڈٹا رہا۔

اس کی مردانگی کے جوہر "بازی دراز اور گیلان غرب" کی فلک بوس چوٹیوں سے لے کر جنوب کے تپتے اور جلتے ہوئے صحراؤں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ان علاقوں میں ان کی معرکہ آرائی کی داستانیں ابھی بھی اس کے فوجی ساتھیوں کے ذہنوں میں موجیں مار رہی ہیں۔

"والفجر مقدماتی" نامی آپریشن میں "کمیل اور حنظلہ" بٹالین کے فوجی جوانوں کے ہمراہ "فکہ" کی کھائیوں میں پانچ دن تک ڈٹے رہے لیکن ہتھیار نہیں ڈالے!

اورآخر کار ۱۱/فروری ۱۹۸۳ء کواس نے باقی زندہ بچ جانے والے سارے فوجیوں کو پیچھے والے مورچوں کی طرف بھیج دیااور خود، یکہ و تنہااپنے خدا کے ہمراہ ہو لیااور پھر اس کے بعد سے اسے کسی نے نہیں دیکھا۔

وہ ہمیشہ خدا سے یہ دعاء کرتا تھا کہ وہ گمنام ہی رہے، کیونکہ گمنامی یارانِ الٰہی کی صفت ہے،اور خدانے بھی اس کی یہ دعاء مستجاب کر دی۔

ابراہیم برسوں تک "فکہ" میں غریب اور گمنام رہاتا کہ راہیان نور کے لئے ایک سورج کی طرح چمکتا رہے۔

* * *

باپ کی محبّت

رضاہادی(بھائی)

ہم لوگ تہران کے خراسان چوک کے نزدیک کرایہ کے ایک چھوٹے سے گھر میں رہتے تھے۔ اپریل ۱۹۵۷ء کے آخری ایام تھے، ہمارے والد پچھلے چند روز سے کافی خوشحال تھے کیونکہ خدا نے کچھ ہی دن پہلے انہیں ایک چاند سا بیٹا عطا کیا تھا جس پر وہ مسلسل خدا کا شکر ادا کر رہے تھے۔ اگرچہ اب گھر میں ایک بیٹی اور تین بیٹے تھے لیکن ہمارے والد اس نوزائیدہ بچے کی ولادت پر زبردست خوش تھے اور کیوں نہ ہوتے جو یہ بچہ بڑا پیارااور خوبصورت تھا،انہوں نے بچے کا نام "ابراہیم" رکھا۔

ہمارے والد نے اس کے لئے ہمارے اس پیغمبر کا نام انتخاب کیا جو صبر و تحمل اور توحید و توکل کا سرچشمہ اور سورما تھااور یہ نام حقیقت میں اس کے قابل تھا۔

دوست واحباب اور رشتہ دار جب اسے اس طرح دیکھتے تو تعجب سے کہتے: تمہارے تواور بھی تین اولاد ہیں تو پھر اس بچے کے وجود پر تم اتنا خوش کیوں ہو؟!

نہایت پر سکون انداز میں ہمارے والد جواب دیتے: "میرے اس بیٹے میں ایک عجیب کشش ہے۔ مجھے اس بات پر پورا یقین ہے کہ میرا ابراہیم خدا کا بہترین بندہ بن جائے گا، یہ میرا نام بھی روشن کردے گا!

وہ سچ کہہ رہے تھے۔ ابراہیم کے ساتھ ہمارے والد کی محبت ایک عجیب محبت تھی، اگرچہ اس کے بعد خدا نے ہمارے گھر کو ایک اور لڑکا اور لڑکی عطا کی لیکن یہ بات ابراہیم کے ساتھ ہمارے والد کی محبت پر کوئی اثر نہ ڈال سکی۔

ابراہیم پرائمری اسکول کی پڑھائی کے لئے زیبا روڈ پر واقع مدرسہ طالقانی چلا گیا۔ وہ ایک اچھے اخلاق کا مالک تھا۔ پرائمری اسکول کے دوران بھی اس کی نماز نہیں چھوٹتی تھی، ایک دوست سے اس نے ان ہی دنوں کہا تھا کہ :

"میرے والد بہت اچھے انسان ہیں، اس نے آج تک کئی مرتبہ امام زمان (عج) کو خواب میں دیکھا ہے، اور جب وہ کربلا جانے کی بہت زیادہ آرزو کر رہے تھے تو پھر حضرت عباسؑ کو خواب میں دیکھا جو ان سے ملنے آئے تھے اور ان کے ساتھ باتیں کیں۔"

جب پانچویں کلاس میں پڑھ رہے تھے تو اپنے دوستوں سے کہا تھا: میرے والد کہتے ہیں کہ : "خمینی صاحب بہت اچھے انسان ہیں جنہیں شاہِ ایران نے کئی سال سے جلاوطن کر رکھا ہے"، یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں: "ہم سب کو آقا کے دستورات پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ ان کا حکم امام زمانہ (عج) کے حکم کے برابر ہے۔"

دوستوں نے بھی اس سے کہا تھا کہ : ابراہیم دوبارہ ایسی باتیں نہ کرنا ورنہ پرنسپل صاحب تمہیں اسکول سے نکال دیں گے۔

شاید ابراہیم کے دوستوں کے لئے یہ باتیں عجیب و غریب تھیں لیکن اسے اپنے باپ کی باتوں پر پورا یقین تھا۔

***

حلال کمائی

(بہن)

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "اچھے انسان بننے میں اپنے بچوں کی مدد کرو، کیونکہ کوئی بھی شخص اپنے بچے کے وجود سے نافرمانی کا عنصر نکال باہر کر سکتا ہے۔" [1]

لہٰذا ہمارے والد نے بھی ابراہیم اور دوسرے بچوں کی اچھی اور صحیح تربیت کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں برتی۔ وہ ایک نہایت پرہیزگار انسان تھے، اہل مسجد اور عزادار تھے اور حلال کمائی کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ وہ پیغمبر اکرمؐ کی اس فرمائش سے بخوبی آگاہ تھے کہ: "عبادت کے دس حصّے ہیں جس میں سے نو حصّے حلال کمائی میں ہیں۔" [2]

یہی وجہ ہے کہ جب بعض غنڈوں اور بدمعاشوں نے محلہٗ امیریہ میں ان کو ستانا شروع کیا اور حلال کمائی کرنے میں ان کی رکاوٹ بننے لگے تو مجبور ہو کر باپ کی میراث میں ملی دکان کو بیچ ڈالا اور شکر فیکٹری میں کام کرنے لگے۔ صبح سے شام تک فیکٹری کی جلتی بھٹی پر کھڑے رہنا پڑتا تھا تب جا کر ایک عرصہ بعد ایک چھوٹا سا گھر خرید سکے۔

ابراہیم بار بار یہ بات دہراتا تھا کہ: اگر ہمارے والد نے بچوں کی اچھی تربیت کی تو یہ ان سختیوں کا صلہ ہے جو وہ حلال کمائی کے لئے اٹھاتے تھے۔ جب وہ اپنا بچپن یاد کرتا تو کہتا تھا: میرے والد مجھے حفظ قرآن کراتے تھے اور ہمیشہ مجھے اپنے ساتھ مسجد لے جاتے تھے۔ ہم لوگ زیادہ تر مسجد آیت اللہ نوری جاتے تھے جو سرچشمہ چوراہے پر واقع ہے، اس مسجد میں ''علی اصغرؑ'' نامی انجمن بنی تھی جس کی خدمت کا افتخار میرے والد کو بھی ملا تھا۔

* * *

1. نہج الفصاحۃ، حدیث ۳۷۰

2. بحار الانوار، جلد ۱۰۳، صفحہ ۷

ابراہیم پرائمری اسکول میں پڑھتا تھا، ایک دن اس نے کوئی شرارت کی تو والد صاحب نے غصہ میں اسے ڈانٹتے ہوئے کہا: ابراہیم، نکل جاؤ گھر سے اور رات تک واپس نہ آنا!

ابراہیم رات تک واپس نہیں آیا، سارے گھر والے پریشان تھے کہ دن میں اس نے کیا کھایا پیا ہوگا لیکن والد صاحب کے سامنے کسی کو بات کرنے کی جرأت نہیں تھی۔

رات کو ابراہیم واپس آیا اور ادب واحترام کے ساتھ سب کو سلام کیا تو میں نے فوراً پوچھا: دن کا کھانا کہاں کھایا بھائی؟! والد صاحب جو کہ ابھی اپنی ناراضگی کا اظہار برقرار رکھے ہوئے تھے، ابراہیم کے جواب کا انتظار کر رہے تھے۔

ابراہیم نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کر دیا: میں اپنے کوچے میں ٹہل رہا تھا کہ دیکھا ایک بوڑھی عورت نے کافی سامان خریدا ہے لیکن وہ اسے اٹھا نہیں پا رہی ہے اور کافی پریشان نظر آرہی ہے، میں اس کی مدد کو دوڑا اور اس کا سامان اس کے گھر تک پہونچا دیا۔ اس بات پر اس نے میرا بڑا شکریہ ادا کیا اور شکریہ کے طور پر پانچ ریال کا ایک سکہ مجھے تھما دیا۔ میں نے نہیں لینا چاہا لیکن اس نے بہت اصرار کیا اور ادھر سے مجھے پورا یقین تھا کہ یہ حلال کا پیسہ ہے کیونکہ بہر حال میں نے اس کے لئے زحمت اور تکلیف اٹھائی تھی، لہٰذا دن میں، میں نے اسی پیسے سے روٹی خریدی اور کھالی۔

باپ نے یہ داستان سنی تو رضایت کی مسکراہٹ ہونٹوں پر نمودار ہوئی، بہت خوش تھے کہ بیٹے نے باپ کا دیا ہوا سبق اچھی طرح سیکھا ہے اور یہ حلال کمائی کو اہمیت دیتا ہے۔

ابراہیم کے ساتھ والد صاحب کی دوستی ایک عام باپ بیٹے کے تعلقات سے کہیں زیادہ بڑھ کر تھی، ان دونوں کے درمیان ایک عجیب وغریب محبت برقرار تھی کہ جس کا پھل اس بیٹے کی مایہ ناز شخصیت کی صورت میں صاف دکھائی دے رہا تھا، لیکن افسوس کہ دوستی کے یہ روابط زیادہ دیر پا ثابت نہ ہو سکے۔

ابراہیم نے نوجوانی ہی میں اپنے باپ کی شفقت و محبت کھو دی اور اسے ایک غم انگیز غروب میں یتیمی کا سنگین بوجھ اپنے سر اٹھانا پڑا اور پھر اس کے بعد اس نے عظیم لوگوں کی طرح زندگی جینا شروع کر دی۔

اس کے اکثر دوستوں اور رشتہ داروں نے اسے ورزش کی طرف جانے کا مشورہ دیا اور اس نے بھی یہ بات قبول کر لی۔

* * *

روایتی ورزش

(شہید کے دوست)

ہائی اسکول میں پڑھائی شروع کرتے ہی ابراہیم نے روایتی ورزش شروع کر دی اور رات کو وہ "حاجی حسن" پہلوان کلب میں جانے لگا۔

حاجی حسن توکل المعروف حاجی حسن نجّار ایک برجستہ عارف تھے جن کا پہلوان کلب، ابوریحان ہائر سکینڈری کے پاس واقع تھا۔ ابراہیم بھی اس روحانی اور ورزشی ماحول کے ایک ورزشکار اور کھلاڑی بن گئے۔

حاجی حسن، ورزش کا آغاز قرآن مجید کی چند آیتوں کی تلاوت سے کرتے تھے اور پھر ایک حدیث بیان کرتے اور اس کا ترجمہ کرتے تھے۔ اکثر اوقات وہ ابراہیم کو ہی رِنگ (Ring) میں بھیجتے اور وہ بھی وارم اپ (Warm up) کے دوران قرآن کے ایک سورے ، دعائے توسل کی تلاوت یا اہل بیتؑ کی مدح میں چند اشعار پڑھ کر اس عارف و مرشد کی مدد کرتے تھے۔

اس کلب کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ جب کبھی ورزش کے دوران مغرب کی اذان ہو جاتی تو سب لوگ ورزش کو چھوڑ کر کلب کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر حاجی حسن کی امامت میں نماز جماعت قائم کرتے اور اس طرح انقلاب سے پہلے کے اس آشفتہ ماحول میں حاجی حسن جوانوں کو ورزش کے ساتھ ساتھ ایمان اور اخلاق کا سبق بھی سکھایا کرتے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار ہم سب لوگ ورزش ختم کر کے اپنا لباس وغیرہ بدلنے اور ایک دوسرے کی خداحافظی میں مصروف تھے کہ اتنے میں ایک پریشان حال اور

گھبرایاہوآآدمی کہ جس کے بغل میں ایک چھوٹاسابچہ بھی تھاداخل ہوا اور تھرتھراتی آواز میں بولا: حاجی حسن صاحب! میری مدد کیجئے، میرا بچہ بیمار ہے، ڈاکٹروں نے بھی اسے جواب کر دیاہے، یہ مر رہاہے، تجھے خدا کا واسطہ اس کے لئے دعاء کیجئے، خدارا... اور اس کے بعد زاروقطار روناشروع کر دیا۔

ابراہیم نے سب دوستوں کو مخاطب کر کے کہا:

اپنالباس بدلواور رِنگ میں اتر ہو جاؤ!

اور خود بھی رِنگ کے بیچوں بیچ آکر دعائے توسل شروع کر دی۔ابراہیم نے ورزش کے ایک پورے راؤنڈ میں دوسرے دوستوں کے ہمراہ دعاءپڑھی اور پھر صمیم دل سے گڑگڑاکر اس بچے کے لئے دعاء کی۔ وہ شخص بھی اپنے بچے کے ساتھ ایک کونے میں بیٹھا ہوا رورہا تھا۔

اس واقعہ کے دو ہفتے بعد حاجی حسن نے ورزش کے بعد کہا: دوستو! جمعہ کے دن دوپہر کو سب لوگوں کی دعوت ہے! ہم نے بڑے تعجب سے پوچھا: کہاں؟

کہنے لگے: یہ دعوت اسی شخص کی طرف سے ہے جو کچھ دن پہلے اپنے بیمار بچے کے ساتھ یہاں آیا تھا، اس کا بچہ الحمدللہ ٹھیک ہو گیاہے اور ڈاکٹر نے بھی کہاہے کہ یہ بچہ اب صحیح وسالم ہے، اسی خوشی میں اس نے ہم لوگوں کی دوپہر میں دعوت کی ہے۔

میں نے پلٹ کر ابراہیم کی طرف دیکھا، ایسالگ رہا تھا جیسے اس نے کچھ سناہی نہ ہو اور وہ باہر نکل رہا تھا۔ لیکن مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ یہ اس دعائے توسل کا اثر ہے جو ابراہیم نے بڑے جوش وولولے اور پُر خلوص انداز میں پڑھی تھی۔

* * *

میں اکثر ابراہیم کو ایسے جوانوں کے ساتھ دیکھتا تھا جن کی نہ ظاہری شکل وصورت مذہبی ہوتی تھی اور نہ ہی وہ لوگ دینی مسائل کی تلاش میں رہتے تھے، وہ انہیں پہلے

ورزش کی طرف کھینچ لاتااور پھر آہستہ آہستہ مسجد اور عزاداری کمیٹی کی طرف بھی جذب کر دیتا تھا۔

ان میں سے ایک جوان سب سے بُرا تھا جو ہمیشہ اپنے شراب پینےاور بُرے کاموں کی داستانیں سناتا رہتا تھا، اسے نہ دین کی کوئی خبر تھی اور نہ ہی نماز و روزے کی، اس کے نزدیک کسی بھی چیز کی کوئی اہمیت نہیں تھی، یہاں تک کہ وہ کہتا تھا کہ : زندگی میں آج تک میں کسی بھی مذہبی اجتماع یا عزاداری میں نہیں گیا ہوں!

ایک دن میں نے ابراہیم سے کہا: ابراہیم صاحب! یہ تم کن لوگوں کے ساتھ دوستی کئے ہوئے ہو؟! اس نے بڑے تعجب سے پوچھا: کیوں؟ کیا ہوا؟!

میں نے کہا: کل رات کو یہ لڑکا آپ کے پیچھے پیچھے مجلس عزاداری میں داخل ہوا اور آکر میرے پاس بیٹھ گیا، مولانا صاحب مجلس پڑھ رہے تھے اور امام حسینؑ کی مظلومیت اور یزید کے بُرے کرتوت کے بارے میں بول رہے تھے۔ یہ لڑکا بھی گھور گھور کے بڑے غصے میں سن رہا تھا، جب لائٹیں بجھائی گئیں تو آنسو کے بجائے مسلسل طور پر یہ یزید کو گالیاں دے رہا تھا!!

ابراہیم غور سے میری باتیں سن رہا تھا اور اچانک زور زور سے ہنسنے لگا اور پھر کہنے لگا: کوئی بات نہیں، یہ لڑکا آج تک کسی مجلس میں گیا ہی نہیں ہے اور کبھی رویا بھی نہیں ہے، تم مطمئن رہو جونہی یہ امام حسینؑ کو چاہنے لگے گا تو ضرور بدل جائے گا۔ ہم لوگ بھی اگر ایسے لڑکوں کو مذہبی بنا سکے تو گویا بہت بڑا ہنر کیا۔

ابراہیم کے ساتھ اس لڑکے کی دوستی اتنی گہری ہوئی کہ اس نے سارے بُرے کاموں کو چھوڑ دیا اور وہ ایک اچھا ورزشکار بن گیا۔

اس کے کچھ مہینے بعد نوروز کے ایام میں اس لڑکے نے مٹھائی خریدی اور دوستوں میں بانٹنے کے بعد کہنے لگا:

دوستو! میں آپ سبھی لوگوں کا مقروض ہوں اور خاص طور پر ابراہیم صاحب کا! میں خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ جس نے مجھے تم لوگوں سے آشنا کرایا۔ اگر مجھے تم لوگ نہ ملتے تو آج نہیں معلوم میں کہاں کہاں پہونچ گیا ہوتا وغیرہ وغیرہ۔

ہم لوگ بھی بڑی تعجب خیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے اور پھر سب لوگ یکے بعد دیگرے باہر آ گئے، لیکن میں ابراہیم کے کاموں کے بارے میں راستے میں سوچ رہا تھا کہ کتنی خوبصورتی سے وہ ایک ایک کر کے جوانوں کو ورزش کی طرف کھینچ لاتا اور پھر مسجد اور عزاداری کمیٹی کا بھی راستہ دکھلاتا تھا اور خود اسی کے قول کے مطابق: وہ انہیں لا کر امام حسینؑ کے دامن میں ڈال دیتا تھا۔

مجھے پیغمبر اکرمؐ کی وہ حدیث یاد آئی جس میں آپؐ نے امیر المومنینؑ سے فرمایا:

"یا علی! اگر تیرے ذریعہ ایک آدمی کو بھی ہدایت ملی تو جان لو کہ یہ اس پوری دنیا سے بھی بڑھ کر ہے جس پر سورج کی روشنی چمکتی ہے!"[1]

اس روایتی ورزش کلب کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہاں کے لڑکے مل جل کر کسی دن دوسرے پہلوان کلبوں میں جا کر ورزش کرتے تھے اور اسی عادت کے مطابق ماہ رمضان کی ایک رات کو ہم لوگ کرج[2] کے ایک پہلوان کلب میں گئے۔

وہ رات میں نہیں بھولوں گا جب ابراہیم شعر پڑھتا جا رہا تھا اور ورزش کرتا جا رہا تھا، کافی طویل مدت سے وہ رِنگ کے کنارے پہلوانی ڈنڈ کرنے میں مشغول تھا۔ رِنگ میں موجود کھلاڑی اور ورزشکار، یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کی جگہ بدلتے رہتے لیکن ابراہیم اپنی جگہ اسی طرح ڈنڈ کرنے میں مشغول تھا اور کسی کی طرف دھیان بھی نہیں دے رہا تھا۔

1۔ بحار الانوار، جلد ۵، ص ۲۸

2۔ تہران کا ایک نزدیکی شہر

ایک بوڑھا شخص (ظاہر آگلب کا مالک) چبوترے کی اونچائی پر بیٹھا جوانوں کا تماشا دیکھ رہا تھا، میرے پاس آکر ابراہیم کی طرف اشارہ کرکے بڑے غصے میں کہا: جناب! یہ جوان کون ہے؟! میں نے تعجب سے کہا: کیوں، کیا بات ہے؟!

اس نے کہا: جب میں کلب میں داخل ہوا تو یہ اس وقت بھی ڈنڈ کر رہا تھا اور میں نے تسبیح سے اس کے ڈنڈ گننے شروع کئے، ابھی تک اس نے پورے سات تسبیح ڈنڈ کئے ہیں یعنی سات سو مرتبہ! تجھے خدا کا واسطہ، اسے روکو ورنہ ابھی اس کی حالت خراب ہو جائے گی۔

ورزش ختم ہوئی تو ابراہیم کو تھکن کا ذرّہ برابر احساس نہیں تھا، جیسے کہ وہ چار گھنٹے سے ڈنڈ کر ہی نہیں رہا تھا۔

* * *

البتہ ابراہیم یہ سب کام اپنے روحانی اور جسمانی طور پر مضبوط بننے کے لئے کر رہا تھا اور ہمیشہ یہ کہتا تھا کہ خدا اور اس کے بندوں کی خدمت کے لئے ایک مضبوط جسم کی ضرورت ہے، وہ مسلسل یہ دعاء کرتا رہتا تھا کہ:

" قَوِّ علیٰ خِدمَتِکَ جَوَارِحِی"

خدایا میرے جسم کو اپنی خدمت کے لئے قوی بنا دے!

ابراہیم نے انہی دنوں ایک نہایت سنگین گرز [1] اپنے لئے خریدا تھا جس کے چرچے ہر طرف ہو رہے تھے اور اب وہ بدنام ہو چکا تھا لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد پھر اس نے جوانوں کے سامنے ایسا کام کرنا چھوڑ دیا۔

کہتا تھا کہ اس طرح کے کام انسان کی غفلت اور غرور کا باعث بنتے ہیں اور لوگ صرف اس بات کی تلاش میں ہوتے ہیں کہ دیکھیں کون سب سے زیادہ طاقتور ہے۔

---

[1]. فارسی میں اس کو ''میل و سنگ'' کہا جاتا ہے جو عام طور پر کشتی جیسی روایتی روزشوں میں پریکٹس کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

میں اگر دوسروں کے سامنے بھاری ورزش کے جوہر دکھاؤں تو اس سے میرے ورزشکار ساتھیوں کی حوصلہ شکنی ہوگی گویا میں نے اپنے آپ کو مشہور کرنا چاہا اور یہ بہت غلط بات ہے۔

اس کے بعد جب بھی ابراہیم ورزش میں لیڈ کرتا اور اسے یہ لگتا کہ کوئی ورزشکار تھک گیا ہے تو فوراً ورزش کا انداز بدل دیتا۔ لیکن ابراہیم کے مضبوط بدن نے ایک بار اپنی طاقت کے جوہر دکھائے، یہ وہ وقت تھا جب عالمی کُشتی چمپئن سید حسین طحامی، جو حاجی حسین صاحب کے عقید تمند بھی تھے، پہلوان کلب میں آئے اور جوانوں کے ساتھ ورزش کرنے لگے۔

* * *

پہلوان

(حسین اللہ کرم)

سید حسین طحامی ہمارے پہلوان کلب میں آئے ہوئے تھے اور جوانوں کے ساتھ ورزش کر رہے تھے، اگرچہ اب سید، کافی دنوں سے عالمی چمپئن شپ مقابلوں میں شرکت نہیں کر رہے تھے، لیکن پھر بھی جسمانی اعتبار سے وہ کافی مستعد تھے۔ ورزش ختم ہونے کے بعد انہوں نے حاجی حسن صاحب کی طرف رُخ کر کے کہا: حاجی صاحب! کیا کوئی میرے ساتھ کُشتی لڑنے کے لئے تیار ہے؟

حاجی حسن صاحب نے جوانوں پر ایک نظر ڈالی اور کہا: ابراہیم، اور پھر ابراہیم کو رِنگ میں اترنے کا اشارہ کیا۔ عام طور پر پہلوانی کُشتی میں جو بھی حریف زمین پر چِت ہو جائے تو وہ ہار جاتا ہے۔

کُشتی شروع ہو گئی اور ہم سب لوگ تماشا دیکھنے لگے، ایک طویل مدت تک دونوں کُشتی گیر ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش میں تھے لیکن دونوں میں سے کوئی بھی زمین پر نہیں گرا...!

دونوں لوگ زبردست دباؤ میں تھے لیکن ایک دوسرے کو مغلوب نہ کر سکے اور آخر کار یہ کُشتی مقابلہ برابری پر ختم ہو گیا۔ کشتی کے بعد سید حسین صاحب چلا چلا کر کہنے لگا: واہ! بارک اللہ، بارک اللہ، کیا بہادر جوان ہے! ماشاءاللہ پہلوان!

ورزش اب ختم ہو چکی تھی اور حاجی حسن صاحب مسلسل طور پر ابراہیم کے چہرے کو ٹک لگائے دیکھ رہے تھے۔ ابراہیم سامنے آیا اور بڑے تعجب آمیز لہجہ میں پوچھا: حاجی صاحب، کیا بات ہے! کوئی مسئلہ پیش آیا ہے؟

حاجی حسن صاحب نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا: پرانے زمانے میں اس تہران میں صرف دو ہی لوگ پہلوان تھے؛ ایک کا نام تھا حاجی سید حسن رزّاز اور دوسرا حاجی محمد صادق کریسٹال والا، یہ دونوں آپس میں بڑے گہرے دوست تھے۔ کُشتی میں بھی ان لوگوں کا کوئی حریف اور مقابل نہیں تھا، لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ دونوں لوگ خدا کے نیک اور خالص بندے تھے اور ورزش کو ہمیشہ قرآن کی چند آیات کی تلاوت اور حضرت اباعبد اللہ الحسینؑ کی مصیبتوں کو یاد کر کے اپنی اشک آلود آنکھوں کے ساتھ شروع کرتے تھے۔ حاجی محمد صادق صاحب اور حاجی سید حسن صاحب کی گرم سانسیں مریضوں کو شفا بخشتی تھیں۔

اس کے بعد جاری رکھتے ہوئے کہا: ابراہیم! میں تجھے ان ہی لوگوں کی طرح ایک پہلوان سمجھتا ہوں! ابراہیم نے بھی مسکراتے ہوئے کہا: نہیں حاجی صاحب! میں کہاں اور وہ لوگ کہاں!

حاجی حسن صاحب کی ابراہیم کی اتنی تعریف پر بعض جوان لوگ ناراض بھی ہو گئے۔

اس واقعہ کے دوسرے دن تہران کے ایک پہلوان کے کلب کے پانچ پہلوان ہمارے کلب میں آگئے اور یہ طے پایا کہ ورزش کے بعد یہ لوگ ہمارے جوانوں کے ساتھ کُشتی لڑیں گے، سب لوگوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ حاجی حسن صاحب ریفری بن جائیں گے اور آخر کار ورزش کے بعد کشتی شروع ہو گئی۔

کل ملا کر ابھی تک چار میچ ہوئے جن میں سے دو ہمارے جوانوں نے اور دو انہوں نے جیتے، چونکہ برابر برابر ہوئے تو ساری نظریں اب پانچویں میچ پر ہی ٹکی ہوئی تھیں اور اسی وجہ سے ہلڑ ہنگامہ بھی ہونے لگا، وہ لوگ حاجی حسن صاحب پر چِلا رہے تھے اور حاجی صاحب ان کے اس رویّہ پر کافی رنجیدہ ہو گئے تھے۔

میں نے معلوم کیا تو پتہ چلا آخری کُشتی ابراہیم اور ان کے ایک جوان کے درمیان ہونے والی ہے اور چونکہ وہ لوگ ابراہیم کو خوب اچھی طرح پہچانتے تھے لہٰذا انہیں یقین تھا کہ وہ ہار جائیں گے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہلڑ ہنگامہ شروع کیا تاکہ ہارنے کی صورت میں ساری تقصیر ریفری کے سر تھونپ سکیں!

سب لوگ غصے میں تھے کہ اتنے میں ابراہیم رِنگ میں اترا اور لبوں پر اپنی حسین مسکراہٹ کے ساتھ سارے مہمان جوانوں سے ہاتھ ملایا اور اس طرح پھر سے سکون و اطمینان کا ماحول سارے مجمع پر چھا گیا۔

ابراہیم نے کہا: میں کُشتی نہیں لڑوں گا!

سب نے تعجب سے پوچھا: کیوں؟!

ذرا سا ٹھہر کر نہایت پُرسکون لہجے میں کہا: ہماری دوستی اور رفاقت ان باتوں اور کاموں سے کہیں بڑھ کر اور قیمتی ہے! اس کے بعد حاجی حسن صاحب کے ہاتھ کو چومتے ہوئے ایک نعرہ صلوات دیا اور کُشتی کے اختتام کا اعلان کر دیا۔

شاید اس دن جیتنے اور ہارنے والا کوئی نہ تھا لیکن حقیقی جیت ابراہیم ہی کی تھی اور جب ہم لوگ کپڑے بدل کر نکلنے کی تیاری کر رہے تھے تو حاجی حسن صاحب نے ہم سب لوگوں کو بلایا اور کہا: اب تم لوگ سمجھے کہ میں ابراہیم کو کیوں "پہلوان" مانتا ہوں؟!

ہم سب لوگ خاموشی سے کھڑے سن رہے تھے، انہوں نے مزید کہا:

دیکھو عزیزو! پہلوانی اسی چیز کا نام ہے جو تم لوگوں نے آج اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ابراہیم نے آج اپنے نفس سے کشتی لڑ کر جیت حاصل کی ہے۔آج خدا کی خاطر ابراہیم نے ان کے ساتھ کشتی نہیں لڑی اور اس کام کے ذریعہ اس نے بغض و کینہ اور عداوت و دشمنی کے دروازے بند کر دیئے۔

جوانو! پہلوانی اسی چیز کو کہتے ہیں جس کا تم لوگوں نے آج اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔

* * *

ابھی ابراہیم کی پہلوانی کی داستانیں زبان زد عام تھیں کہ انقلاب اسلامی کی کامیابی کا واقعہ پیش آیا اور اکثر جوان لوگ انقلابی حالات اور اجتماعی مسائل میں مصروف ہو گئے اور اس کے نتیجہ میں روایتی ورزش میں ان کا آنا جانا بھی کم ہو گیا لہذا ابراہیم نے یہ تجویز دی کہ نماز صبح کو ہر روز پہلوان کلب ہی میں جماعت کے ساتھ پڑھا کریں گے اور اس کے بعد وہیں پر ورزش کیا کریں گے اور یہ بات سبھی لوگوں نے قبول کر لی۔

اس کے بعد سے ہم لوگ ہر روز پہلوان کلب میں جمع ہو کر اذان دیتے، نماز جماعت پڑھتے اور پھر ورزش شروع کرتے تھے،اس کے بعد مختصر سا ناشتہ کر کے اپنے اپنے کام پر چلے جاتے تھے۔

ابراہیم اس بات سے کافی خوش تھا کیونکہ اس طرح ایک تو سبھی لوگ ورزش میں آپاتے تھے اور دوسرے یہ کہ نماز صبح بھی جماعت سے پڑھی جارہی تھی اور وہ پیغمبر اسلامؐ کی یہ حدیث روز دہراتا تھا کہ:

"اگر نماز صبح کو جماعت کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ رات بھر کی شب بیداری اور عبادت سے بڑھ کر اور زیادہ محبوب ہے۔"

ایران پر عراقی حملے کے ساتھ ہی پہلوان کلب کی رونق دھیمی پڑ گئی اور اکثر جوان محاذ جنگ پر چلے گئے۔

اب ابراہیم بھی بہت کم تہران آیا کرتا تھااور ایک مرتبہ وہ اپنا سارا ورزشی سامان جمع کر کے اپنے ساتھ لے گیااور اسی جنگ زدہ علاقے میں اس نے اپنی روایتی ورزش کی بساط پھیلادی۔

حاجی حسن صاحب کا پہلوان کلب، حقیقی پہلوانوں کی تربیت کرنے میں مشہور تھا، ابراہیم کے علاوہ اس کلب میں اور بھی کافی سارے جوانوں نے بارگاہ الٰہی میں اپنی پہلوانی کے جوہر دکھادئے تھے،انہوں نے اپنے خون کے ذریعہ اپنے ایمان کی حفاظت کی اور یہی بات حقیقی پہلوان ہونے کی سب سے بڑی علامت ہے۔

حاجی حسن صاحب کے پہلوان کلب کا خوبصورت اور روحانی دور دفاع مقدس کے پہلے ہی چند برسوں میں اپنے اختتام کو پہونچاجب پہلوان کلب کے مرشد و مربی شہید حسن شہابی، بریگیڈیر شہید اصغر رنجبران (عمار بریگیڈ کے کمانڈر ان چیف)، شہید سید صالحہ، شہید محمد شاہرودی، شہید علی خرم خرم دل، شہید حسن زاہدی، شہید سید محمد سبحانی، شہید سید جواد مجد پور، شہید رضاپند، شہید حمد للہ مرادی، شہید رضا ھوریار، شہید مجید فرید وند، شہید قاسم کاظمی، شہید ابراہیم اور اسی طرح بہت سارے شہداء جامِ شہادت نوش کر گئے اور حاجی علی نصراللہ، مصطفی ہرندی اور علی مقدم شدید زخمی ہو گئے اور خود حاجی حسن توکل صاحب بھی انتقال کر گئے اور آخرکار یہ پہلوان کلب مسمار ہو کر رہائشی بنگلے (فلیٹ) میں تبدیل ہو گیااور اس طرح یادوں کے اوراق میں پیوست ہو گیا۔

***

یک نفری والیبال

(شہید کے بعض دوست)

ابراہیم کے مضبوط بازوؤں کو دیکھ کر ہائی اسکول کے شروع سے ہی لگتا تھا کہ وہ اکثر کھیلوں میں چمپئن بن جائے گا۔ ورزش کے پیریئڈوں میں وہ ہمیشہ والیبال کھیلتا رہتا تھا اور کوئی بھی جوان اس کا مقابلہ نہیں کر پاتا تھا۔

ایک مرتبہ اس نے اکیلے ہی ایک چھ نفری ٹیم کے ساتھ میچ کھیلا، اسے صرف تین بار گیند اچھالنے کی اجازت تھی اور ہم سبھی لوگ اپنے ٹیچر کے ساتھ مل کر اس کی جیت کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ اس دن کے بعد سے ابراہیم معمولاً یکنفری والیبال میچ ہی کھیلتا تھا۔ چھٹی کے اکثر دنوں میں ہم لوگ "۱۷ شہریور" نامی سڑک کے فائر اسٹیشن کے پیچھے کھیلا کرتے تھے اور بڑے بڑے دعویدار ابراہیم کا مقابلہ نہیں کر پاتے تھے۔

لیکن ابراہیم کی والیبال کا سب سے بہترین واقعہ گیلان غرب نامی شہر میں جنگ کے دوران کا ہے، جہاں والیبال کا ایک میدان تھا اور جس میں مجاہدین کھیلتے تھے۔ ایک دن کچھ افراد چند مینی بسوں پر سوار ہو کر گیلان غرب کے جنگی علاقوں کے دورے پر آئے جن کے سرپرست محکمۂ کھیل کود کے رئیس جناب داودی صاحب تھے، داوودی صاحب ہائی اسکول میں ابراہیم کے ورزش کے استاد رہ چکے تھے۔ انہوں نے ابراہیم کو کچھ ورزشی سامان دیا اور کہا: جس طرح تم چاہو، استعمال کرو، اور پھر کہا: ہمارے ساتھ آئے ہوئے دوستان مختلف ورزشوں اور کھیلوں سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ لوگ یہاں کے دورے پر آئے ہوئے ہیں۔

ابراہیم نے بھی ورزشکاروں کے ساتھ مختلف باتیں کیں اور شہر کے متعدد علاقوں کا دورہ کرایااور پہونچتے پہونچتے یہ لوگ والیبال کے میدان پر پہونچ گئے۔

داوودی صاحب نے ان سے کہا: تہران کی والیبال ٹیم کے چند جوان بھی ہمارے ساتھ ہیں، کہو تو ایک میچ کھیلا جائے!؟

دن کے تین بجے میچ شروع ہوا۔ایک طرف تہران کی والیبال ٹیم کے پانچ لوگ تھے جن میں تین لوگ ایکسپرٹ تھے اور دوسری طرف ابراہیم اکیلے تھے اور اس کے علاوہ بہت سارے لوگ تماشائی تھے۔

ابراہیم نے اپنے معمول کے مطابق پابرہنہ ہوکر اپنے شلوار کو زانوؤں تک اوپر چڑھایااور بنیان (انڈر شرٹ) پہن کر ان کے مدمقابل آگیااور اتنا اچھا والیبال کھیلا کہ شاید ہی کسی کو اس پر یقین آجائے۔

یہ میچ صرف ایک ہاف پر ہی ختم ہو گیااور دس پوائنٹ سے ابراہیم نے جیت لیا۔اس کے بعد سارے ورزشکاروں نے ابراہیم کے ساتھ فوٹو کھینچے، لیکن ان کو یقین نہیں آرہا تھا کہ ایک سیدھا سادہ مجاہد بھی ماہر ورزشکاروں کی طرح کھیلتا ہوگا۔

میں نے ایک دن ''دوکوہہ'' کے فوجی کیمپ میں مجاہدوں کے سامنے ابراہیم کے والیبال کھیلنے کی داستان سنائی تو ایک دوست جاکر والیبال لائے اور پھر ہم نے دو ٹیمیں تشکیل دیں اور ابراہیم کو بھی بلا لیا۔پہلے تو وہ نہیں مان رہا تھا اور کھیلنے پر تیار نہیں تھا لیکن ہمارے اصرار پر اس نے کہا کہ ایک شرط پر کھیلوں گا، وہ یہ کہ تم سب لوگ ایک طرف اور میں اکیلے ایک طرف کھیلوں گا۔

کھیل ختم ہونے کے بعد کچھ کمانڈروں نے کہا کہ آج تک ہم لوگ اتنا نہیں ہنسے تھے کہ اجتنا آج ہنسے ہیں، ابراہیم جب والیبال پر شارٹ مارتا تھا تو چند لوگ والیبال کی طرف

دوڑتے تھے اور ایک دوسرے سے ٹکرا کر زمین پر گر جاتے تھے اور آخر کار ابراہیم نے کافی پوائنٹ سے یہ میچ جیت لیا۔

* * *

شرط بندی

(مہدی فرید وند، سعید صالح تاش)

یہ تقریباً ۱۹۷۵ ء کی بات ہے، جب ہم لوگ جمعہ کی صبح میں کھیلنے میں مشغول تھے، تین اجنبی لوگ سامنے آئے اور کہنے لگے: ہم لوگ مغربی تہران کے رہنے والے ہیں، تم میں سے ابراہیم کون ہے؟!

اس کے بعد ان لوگوں نے کہا: چلو ۲۰۰ تومان[1] پر میچ کھیلتے ہیں اور چند منٹ بعد میچ شروع ہو گیا۔ ابراہیم اکیلے اور وہ تین لوگ تھے لیکن پھر بھی وہ ہار گئے۔

اسی دن ہم لوگ شہر کے ایک جنوبی محلہ میں گئے اور ۷۰۰ تومان کی شرط پر میچ کھیلا۔ اچھا میچ تھا اور بہت جلد ہم لوگ جیت گئے۔ پیسے دینے کے وقت ابراہیم سمجھ گیا کہ یہ لوگ ہم کو میچ کا پیسہ دینے کے لئے قرض کر رہے ہیں، لہٰذا وہ آگے بڑھا اور اس نے کہا: اے بھائی! تم لوگوں میں سے ایک آدمی آکر میرے ساتھ کھیلو اور اگر وہ جیت گیا تو ہم تم لوگوں سے پیسہ نہیں لیں گے۔ یہ سن کر ان میں سے ایک سامنے آیا اور کھیلنا شروع کر دیا، ابراہیم نے نہایت سُست انداز میں کھیلا، اتنا سُست کہ اس کا حریف جیت گیا!

وہ سب لوگ خوشی خوشی وہاں سے نکل گئے۔ میں بہت غصے میں تھا اور میں نے ابراہیم سے کہا: ابراہیم! تم نے کیوں اس طرح سے کھیلا؟! اس نے تعجب بھری نگاہوں

---

[1]- تومان: ایرانی پیسہ ہے۔

سے میری طرف دیکھ کر کہا: میں نہیں چاہ رہا تھا کہ ان کی بے عزتی ہو جائے! ان سارے لوگوں کے پاس کل ملا کر ایک سو تومان بھی نہیں تھا!

اگلے ہفتے مغربی تہران کے وہی نوجوان لوگ اپنے دو اور ساتھیوں کے ساتھ مل کر آئے اور پنج نفری ٹیم نے ۵۰۰ تومان کی شرط پر ابراہیم سے میچ کھیلا۔ ابراہیم پابرہنہ اور شلوار کو زانوؤں تک اٹھا کر اس طرح گیند پھینکتا تھا کہ کسی کو بھی اسے روکنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اور آخر کار یہ میچ بھی ابراہیم نے اچھے پوائنٹوں سے جیت لیا۔

رات کو ہم لوگ ابراہیم کے ساتھ مسجد چلے گئے اور امام جماعت نے نماز کے بعد مسائل کہنا شروع کر دئے اور حرام پیسہ اور شرط بندی کے بارے میں بھی بولتے ہوئے پیغمبر اکرم ﷺ کی یہ حدیث بیان فرمائی کہ:

"جو شخص ناجائز طور پر کوئی پیسہ کماتا ہے وہ اسے راہ باطل اور ناگوار حادثات میں کھو دیتا ہے" (1)

اور نیز فرمایا:

"جو شخص حرام لقمہ کھائے اس کی چالیس راتوں کی نماز اور چالیس دنوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں" (2)

ابراہیم تعجب خیز نگاہوں سے یہ باتیں سن رہا تھا اور پھر ہم لوگ مولانا صاحب کے پاس گئے اور ان سے کہا: میں آج والیبال کے میچ میں شرط بندی کے ۵۰۰ تومان جیت گیا، اور پھر پوری داستان سنائی اور کہا: لیکن میں نے یہ سب پیسے ایک مستحق خاندان کو دے دئے ہیں!

---

[1]- مواعظ عددیہ، صفحہ ۲۵

[2]- الحکم الظاہرہ، جلد ۱، صفحہ ۳۱۷

مولانا صاحب نے بھی کہا: آج کے بعد سے ہوشیار رہنا، ورزش ضرور کرو لیکن اس میں شرط بندی کرنا گناہ ہے۔

اگلے ہفتے وہ لڑکے دوبارہ آگئے اور اپنے ساتھ چند ماہر دوستوں کو بھی لے آئے اور کہا: اس بار ہم لوگ ۱۰۰۰ تومان کی شرط پر میچ کھیلیں گے! ابراہم نے کہا: آج کے بعد سے میں شرط پر نہیں کھیلوں گا۔ یہ سن کر ان لوگوں نے ہمارا مذاق اڑانا شروع کر دیا اور ابراہیم کو چڑانے لگے کہ یہ ڈر گیا، اسے معلوم ہے کہ آج ہار جائے گا۔ ایک اور نے کہا: ارے اس کے پاس تو پیسہ ہی نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔

ابراہیم نے واپس پلٹ کر کہا: دیکھو بھائیو! شرط بندی حرام ہے، اگر مجھے اس سے پہلے معلوم ہوتا تو میں ہر گز شرط پر تم لوگوں سے میچ نہیں کھیلتا، اور تمہارے سارے پیسے بھی میں نے فقیروں کو دے دئے ہیں، اگر تم لوگ چاہو تو شرط بندی کے بغیر کھیلتے ہیں۔

لیکن آخر کار دونوں طرف سے تو تو میں میں اور مذاق اڑانے کے بعد میچ نہیں ہو پایا۔

* * *

اس کے بعد سے ابراہیم نے ہمیں سختی سے شرط بندی کرنے سے منع کیا، لیکن اس کے باوجود بھی ہم لوگوں نے ایک بار نازی آباد محلہ کے جوانوں سے میچ کھیلا اور کافی بڑی رقم ہار گئے، میچ کے بالکل آخر میں ابراہیم آیا اور ماجرا سن کر ہم پر بہت غصہ ہوا۔

دوسری طرف سے ہمارے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ ہم ان کو دے سکیں۔

جب میچ ختم ہوا تو ابراہیم سامنے آیا اور گیند پکڑ کر کہنے لگا:

کوئی ہے جو میرے ساتھ اکیلے میچ کھیلے؟

ح۔ق، نامی نازی آباد کا ایک جوان جو قومی ٹیم کا کھلاڑی اور "برق" ٹیم کا کیپٹن بھی تھا، بڑے غرور و تکبر کے ساتھ سامنے آیا اور کہنے لگا:

کس چیز پر؟

ابراہیم نے کہا: اگر تم ہار گئے تو ان لوگوں سے پیسے نہیں لینا ہے۔ اس نے یہ بات مان لی۔

ابراہیم نے اتنا اچھا کھیلا کہ ہم سب لوگ حیرت میں پڑ گئے۔ اس نے کافی پوائنٹ سے اپنے حریف کو شکست دیدی۔ لیکن اس کے بعد ہم سب کی خوب کھنچائی کی!

* * *

والیبال کے علاوہ اور بھی دوسری کھیلوں میں ابراہیم کو اچھی مہارت حاصل تھی۔ کوہ پیمائی (Tracking) میں وہ ایک مکمل کھلاڑی تھا۔ تقریباً انقلاب سے تین سال پہلے سے لے کر انقلابی ایام تک ہر جمعہ کی صبح کو یہ پہلوان کلب کے دوسرے جوانوں کے ساتھ "تجریش" جاتا اور صبح کی نماز امامزادہ صالح کے آستان پر پڑھتا تھا اور پھر یہ لوگ دوڑتے دوڑتے ایک نزدیکی پہاڑ پر چڑھتے تھے اور وہاں پر ناشتہ کر کے پھر واپس اترتے تھے۔

مجھے اچھی طرح یہ بات یاد ہے کہ ابراہیم کشتی کی پریکٹس میں مصروف تو اپنے پاؤں کی مظبوطی "دربند" چوک سے ایک دوست کو اپنے کندھے پر بٹھا کر "جڑواں آبشار" تک چڑھا کر لے جاتا تھا۔ کولکچال اور دربند نامی علاقے میں اس کی یہ کوہ پیمائی انقلاب کی کامیابی تک ہر ہفتہ جاری تھی۔

فوٹبال بھی ابراہیم بہت اچھی طرح کھیلتا تھا اور پینگ پونگ میں بھی ماسٹر تھا اور دو ہاتھوں میں دو ریکٹ پکڑ کر کھیلتا تھا اور کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر پاتا تھا۔

* * *

کشتی

(شہید کے بھائی)

روایتی ورزش میں آئے ہوئے ابھی اسے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ دوستوں اور خاص طور پر خود حاجی حسن صاحب کے اصرار پر یہ کشتی لڑنے بھی گیا۔اس نے خراسان چوک پر ابو مسلم کلب میں اپنا نام درج کروایااور ۵۳ کلووزن سے کشتی کی ورزش کا باقاعدہ آغاز کیا۔

ماسٹر گودرزی اور محمدی، ابراہیم کے اس وقت کے بہترین اساتذہ ہیں۔ماسٹر محمدی، ابراہیم کو اس کے اخلاق اور کردار کی بنا پر بہت چاہتے تھے اور ماسٹر گودرزی بھی بہت اچھی طرح سے ابراہیم کو کشتی کے اصول وفنون سکھاتے تھے اور وہ ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ :

یہ جوان کافی نرم طبیعت والا ہے، جب کشتی لڑتا ہے تو چونکہ بلند قامت ہے اور مضبوط اور لمبے ہاتھوں والا ہے لہٰذا ایک شیر کی طرح حملہ کرتا ہے اور جب تک پوائنٹ حاصل نہیں کرتا، چھوڑنے والا نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس نے ابراہیم کا نام "سویا ہوا شیر "رکھا تھا!

وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ : ایک دن تم لوگ اسے عالمی چمپئن شپ میں کشتی لڑتے دیکھوگے اور یہ بات میں یقین سے کہہ رہا ہوں !

۱۹۷۰ء کی دہائی کے شروع میں اس نے تہران کے نوجوان چمپئن شپ میں شرکت کرنا شروع کی۔ ابراہیم نے اپنے سارے حریفوں کو شکست دیدی جبکہ ابھی وہ صرف پندرہ سال کا تھااور قومی چمپئن شپ کے لئے منتخب ہو گیا۔

چمپئن شب اکتوبر کے اواخر میں شروع ہوئی لیکن ابراہیم نے اس چمپئن شپ میں شرکت نہیں کی، اس بات پر ابراہیم کے سارے استاد سخت ناراض ہو گئے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ چمپئن شپ ولی عہد کی موجودگی میں منعقد ہو رہی ہے اور انعامات وغیرہ بھی اسی کے توسط سے پیش کئے جارہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ابراہیم نے اس چمپئن شپ میں شرکت نہیں کی تھی۔

اس کے ایک سال بعد ابراہیم نے آل سپورٹس کلب چمپئن شپ میں شرکت کی اور چمپئن بن گیا۔ اسی سال پھر ۶۲ کلووزن پر تہران سپورٹس کلب چمپئن شپ میں بھی شرکت کی۔

پھر دوسرے سال جب ابراہیم نے اپنے دوست کو آل سپورٹس کلب چمپئن شپ میں ۶۸ کلووزن کے گروپ میں شرکت کرتے دیکھا تو ایک بڑے وزن والے گروپ یعنی ۷۴ کلووزن میں حصہ لیا۔ اس سال ابراہیم کی ترقی حیران کن تھی کیونکہ اٹھارہ سال کا ایک جوان تمام اسپورٹس کلبوں کے ۷۴ کلووزن والے گروپ کا چمپئن بن گیا تھا۔

پیروں کو قفل (Joint Lock) کرنے اور لمبے اور مضبوط ہاتھوں کو صحیح اور بروقت استعمال کرنے میں حیرت انگیز مہارت رکھنے والا ابراہیم اب ایک ''ماہر کشتی باز'' بن چکا تھا۔

* * *

صبح سویرے کا وقت تھا، ابراہیم کشتی کا سامان لے کر گھر سے نکلا، میں اور میرا بھائی بھی چل دئے، جہاں وہ جاتا ہم لوگ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے یہاں تک کہ وہ "ہفت تیر" نامی سپورٹس کلب میں داخل ہوا، ہم لوگ بھی اندر گئے اور تماشائیوں میں بیٹھ گئے، پورا ہال بھرا ہوا تھا اور تھوڑی دیر بعد کشتی کے مقابلے شروع ہو گئے۔

ابراہیم نے اس دن کشتی کے کئی ایک مقابلے لڑے اور سبھی جیتے، یہاں تک کہ اس کی نظر ہم پر پڑی، ہم لوگ تماشائیوں میں بیٹھے اسے شاباشی دے رہے تھے، بڑے غصہ میں ہماری طرف آیا اور کہنے لگا: تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟!

ہم نے کہا: کچھ نہیں، ہم نے تمہارا پیچھا کیا کہ دیکھیں یہ کہاں جا رہا ہے۔

اس نے کہا: کیا مطلب؟! یہ تم لوگوں کی جگہ نہیں ہے، چلو اٹھو گھر چلتے ہیں۔

میں نے بڑے تعجب سے پوچھا: تو کیا ہوا؟!

کہا: تم لوگوں کا یہاں رہنا اچھا نہیں، چلو اٹھو، گھر چلتے ہیں۔

ہم لوگ یہی بات کر رہے تھے کہ لاوڈاسپیکر پر اعلان ہوا:

۷۶ کلو وزن کا سیمی فائنل مقابلہ مسٹر ہادی اور مسٹر تہرانی کے درمیان ہوگا۔

ابراہیم نے ایک نظر ہماری طرف اور ایک نظر کشتی کے فرش(mat) پر ڈالی، چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ فرش(mat) کی طرف چلا گیا۔ ہم لوگ بھی جم کر چیخ رہے اور اسے شاباشی دے رہے تھے۔

ابراہیم کا استاد مسلسل چلاتا اور ابراہم کو گائڈ کر رہا تھا لیکن ابراہیم صرف اپنا دفاع کر رہا تھا، اسی درمیان ایک ترچھی نظر سے ہماری طرف بھی دیکھا، ابراہیم کا استا د سخت غصے میں چلاتے ہوئے بولا:

ابراہیم! تم کشتی کیوں نہیں لڑ رہے ہو؟ فوراً اسے پٹک دو۔

ابراہیم نے ایک نہایت خوبصورت مہارت کے ساتھ اپنے حریف کو زمین سے بلند کر کے ہوا میں نچاتے ہوئے زور سے فرش پر دے مارا۔ ابھی کشتی ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ اٹھا اور ہال سے باہر آیا۔

اس دن ہم لوگوں پر بہت غصہ تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ چونکہ ہم نے اس کا پیچھا کیا لٰہذا یہ اسی وجہ سے ناراض ہے، لیکن گھر واپسی پر اس نے کہا:

انسان کو جسمانی مضبوطی کے لئے ورزش کرنی چاہئے نہ کہ چمپئن بننے کے لئے !

میں بھی اگر ان مقابلوں میں حصہ لیتا ہوں تو صرف مختلف لوگوں کے مختلف فن سیکھنے کے لئے اور بس ! ورنہ میرا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔

میں نے کہا: اگر کوئی چمپئن بھی بن جائے، مشہور بھی ہو جائے اور سب لوگ اسے جان جائیں تو اس میں کیا قباحت ہے ؟ !

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا: ہر کسی کے پاس مشہور ہونے کی ظرفیت نہیں ہوتی، مشہور ہونے سے انسان بننا زیادہ اہم اور بہتر ہے۔

ابراہیم اس دن فائنل تک پہونچا، لیکن فائنل میچ سے پہلے ہمیں گھر پہونچا آیا۔ اس نے عملی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ مقام اور درجہ اس کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

ابراہیم ہمیشہ امام خمینیؒ کا یہ معروف و مشہور جملہ دہراتا تھا کہ:

"ورزش کو زندگی کا مقصد نہیں بننا چاہئے"

* * *

چمپئن

(حسین اللہ کرم)

۴۷ کلووزن کا سپورٹس کلب چمپئن شپ کا مقابلہ تھا۔ ابراہیم نے یکے بعد دیگرے سارے حریفوں کو شکست دیدی اور سیمی فائنل میں پہونچ گیا، اس سال ابراہیم نے خوب اچھی طرح پریکٹس کی ہوئی تھی اسی وجہ سے اس نے اکثر حریفوں کو بڑی آسانی سے ہرادیا اور اگروہ یہ سیمی فائنل بھی جیت جاتا تو ضرور چمپئن بن جاتا، لیکن سیمی فائنل کا میچ اس نے بری طرح کھیلا اور آخر کار ایک پوائنٹ سے ہار گیا! لہٰذا اس چمپئن شپ میں اسے تیسری پوزیشن ملی۔

کئی برس گذرنے کے بعد میں نے اسی جوان کو دیکھا جس نے ابراہیم کے ساتھ سیمی فائنل کھیلا تھا، وہ ابراہیم سے ملنے آیا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں وہ ابراہیم کے ساتھ اپنی یادوں کے بارے میں بول رہا تھا اور ہم سب لوگ سن رہے تھے، یہاں تک کہ وہ ابراہیم کے ساتھ اپنی دوستی کی شروعات کے بارے میں بولتے ہوئے کہنے لگا:

ہماری دوستی کی شروعات اسی وقت ہوئی جب چند برس پہلے ۴۷ کلووزن پر سپورٹس کلب چمپئن شپ کے مقابلے ہو رہے تھے اور مجھے ابراہیم کے مقابلے میں سیمی فائنل کھیلنا تھا...

لیکن بار بار ابراہیم نے بات بدلتے ہوئے اسے یہ داستان سنانے سے روک دیا اور ہم لوگ بھی اسے سننے سے تشنہ رہ گئے۔

اس جوان کو میں نے دوسرے ہی دن دوبارہ دیکھااور اس سے وہ قضیہ بیان کرنے کی گذارش کی۔اس نے میری طرف دیکھ کرایک لمبی سانس لی اور کہا:

اُس سال میں سیمی فائنل میں ابراہیم کے مقابلے میں آگیا، لیکن میرے ایک پیر میں سخت چوٹ لگی تھی۔ میں نے ابراہیم سے کہ جواس وقت تک میرے لئے ایک انجان آدمی تھا، کہا: دوست! میرے اس پیر میں سخت چوٹ لگی ہوئی ہے، ذرااس کا خیال رکھنا۔

ابراہیم نے کہا: ٹھیک ہے بھائی صاحب! آپ پریشان نہ ہوں۔

میں نے اس کے کئی ایک مقابلے دیکھے ہوئے تھے، کشتی میں وہ استاد تھا۔ باوجوداس کے کہ ابراہیم کی اصلی مہارت پیروں سے ہی حریف کو گرانے کی تھی لیکن اس نے بڑی بہادری اور جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میرے پیر کو ہاتھ تک نہیں لگایا، اور اس کے برخلاف میں نے بڑی بزدلی سے اس کی اس بہادری کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے زمین پر دے مارااور نہایت خوشی سے فائنل میں پہونچ گیا۔

ابراہیم بڑی آسانی سے مجھے شکست دے کر چمپئن بن سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔

اس نے مزید کہا: البتہ میری نظر میں اس نے جان بوجھ کر میرے ساتھ ایسا میچ کھیلا تاکہ میں جیت جاؤں، وہ اپنی ہار پر غمگیں بھی نہیں تھا کیونکہ اس کی نظر میں ہیرو اور چمپئن کی تعریف کچھ الگ ہی تھی۔

لیکن میں بہت خوش تھااور میری خوشحالی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فائنل میچ میں میرا حریف میرے محلے کا ہی ایک جوان تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ سبھی لوگ ابراہیم جیسی انسانیت اور معرفت کے مالک ہیں اور فائنل میچ میں اگرچہ میں نے اپنے دوست سے بھی یہ بات کہہ دی کہ میرے پیر میں چوٹ لگی ہے لیکن اس نے ٹھیک اسی جگہ پر میرے

پیر کو قفل (Lock) کر دیا اور میرے پورے وجود سے درد کی شدت سے ایک آہ نکلی اور اس نے اٹھا کے مجھے زمین پر پٹک دیا۔

اس سال میں دوسری اور ابراہیم تیسری پوزیشن پر آیا لیکن اس بات میں مجھے ذرہ برابر بھی شک نہیں تھا کہ چمپئن شپ کا اصل حقدار ابراہیم ہی تھا۔ اس دن سے لے کر آج تک میں ابراہیم کا دوست ہوں اور میں نے عجیب و غریب چیزیں اس میں دیکھی ہیں اور میں اس بات پر خدا کا شکر گذار ہوں کہ اس نے مجھے ایسا دوست عطا کر دیا۔

باتیں ختم ہونے کے بعد میں نے اس سے خدا حافظی کی اور وہ چلا گیا اور میں بھی واپس گھر لوٹا اور راستے بھر میں، میں اس کی باتوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ گیلان غرب میں سپاہ پاسداران کے فوجی کیمپ کے ایک دیوار پر سارے مجاہدین کے سلسلہ میں ایک ایک جملہ لکھا ہوا تھا۔ ابراہیم کے سلسلہ میں یہ جملہ لکھا ہوا تھا:

"ابراہیم ہادی، پوریای ولی جیسی خصلتوں والا مجاہد" (1)

* * *

---

[1]- پوریای ولی: ایک دیندار اور مذہبی ایرانی شاعر اور صوفی پہلوان جو پہلوانی ورزشوں میں کافی مہارت رکھتا تھا اور ساتھ ساتھ ایرانی کھلاڑیوں میں بہترین اخلاق و کردار کے پیکر اور شجاعت و جوانمردی میں روحانی آئیڈئل مانا جاتا ہے۔

پوریای ولی

(ایرج گرائی)

یہ ۱۹۷٦ء کی بات ہےاور سپورٹس کلب چمپئن شپ کے مقابلے ہو رہے تھے۔ پہلی پوزیشن لانے والے کو نقد انعامات کے علاوہ قومی ٹیم میں شمولیت حاصل ہوتی تھی۔ ابراہیم کی تیاری اپنے اوج پر تھی، اس کا میچ دیکھنے والا فوراًاس بات کی تائید کر دیتا تھا۔ سارے کوچ کہہ رہے تھے کہ اس سال ۴۷ کلووزن کے گروپ میں ابراہیم کا کوئی حریف نہیں ہے۔

مقابلے شروع ہو گئے اور یکے بعد دیگرے ابراہیم نے کشتی بازوں کو گرانا شروع کر دیا۔ چار میچ لڑنے کے بعد ابراہیم سیمی فائنل میں پہونچ گیا۔ ابراہیم کافی پوائنٹ کی برتری سے میچ جیت جاتا تھا۔ میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ یقین کر واس سال ہمارے کلب سے ایک جوان (ابراہیم) نیشنل ٹیم میں جگہ بنالے گا۔ سیمی فائنل میں ایک جانے مانے اور مشہور کشتی باز کو فاش شکست دے کر بڑی مضبوطی سے فائنل میں پہونچ گیا۔

اس کا آخری حریف مسٹر محمود۔ ک۔ تھا جو اسی سال بین الا قوامی آرمی چمپئن شپ میں بھی چمپئن بن گیا تھا۔ فائنل میچ شروع ہونے سے پہلے میں پاویلین میں ابراہیم کے پاس گیااور کہا:

میں نے تمہارے حریف کے میچ دیکھے ہیں، یہ بہت کمزور ہے، ابراہیم جان! خدا کے لئے ذرا دھیان دینا اور اچھی طرح کُشتی لڑنا، مجھے یقین ہے کہ اس سال تم نیشنل ٹیم کے لئے منتخب ہو جاؤ گے۔

ابراہیم کا کوچ اسے ضروری ہدایات دے رہا تھااور ابراہیم اپنے جوتے کے فیتے باندھ رہا تھااور پھر یہ دونوں لوگ فرش(mat)کی طرف چلے گئے۔

میں جلدی سے دوڑ کر تماشائیوں میں بیٹھ گیااور ابراہیم فرش پر چڑھ گیا،اس کے ساتھ ہی ابراہیم کا حریف بھی داخل ہوالیکن ریفری ابھی تک نہیں آیاہوا تھا،ابراہیم آگے بڑھااور ایک مسکراہٹ کے ساتھ اپنے حریف کو سلام کیااور ہاتھ ملایا۔

اس کے حریف نے اسے کچھ کہاجو میری سمجھ میں نہیں آیالیکن ابراہیم نے اپنے سر کو ہاں میں ہلایااور پھر اس کے حریف نے ہال کے اوپری حصے میں بیٹھے تماشائیوں کے درمیان کسی کی طرف اشارہ کیا، میں بھی پیچھے کی طرف مڑااور دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت ہاتھ میں تسبیح لئے اوپر والے چبوترے پر اکیلے بیٹھی ہوئی ہے۔

میں یہ تو نہیں سمجھ سکا کہ انہوں نے کیا کہااور کیا کیالیکن ابراہیم نے بڑی بُری طرح کُشتی شروع کردی، وہ صرف دفاع کررہا تھا اور بیچارہ ابراہیم کا کوچ اس قدر چلاتا اور ہدایات دے رہا تھا کہ اس کا گلا سوکھ گیااور آواز بیٹھ گئی۔ جیسے کہ ابراہیم کوچ کی چیخیں اور میرا شور سن ہی نہیں رہا تھااور صرف اپنا وقت ضائع کررہا تھا!

ابراہیم کے حریف نے جو کہ پہلے بہت ہی سہما ہوا تھا، جرأت پیدا کرکے حملے کرنا شروع کردئے اور ابراہیم بھی بڑی بے فکری سے دفاع کرنے میں مصروف تھا۔ ریفری نے پہلی وارننگ اور پھر دوسری وارننگ بھی ابراہیم کو دیدی اور آخرکار ابراہیم ہار گیااور اس کا حریف ۷۴ کلووزن پر چمپئن بن گیا۔

جب ریفری ابراہیم کے حریف کا ہاتھ اوپر کررہا تھا تو ابراہیم اتنا خوش تھا جیسے کہ وہ خود ہی چمپئن بن گیاہو! اس کے بعد دونوں کُشتی بازوں نے ایک دوسرے کو گلے لگالیا۔

ابراہیم کا حریف جو کہ خوشی میں زور زور سے رو رہا تھا، نیچے کی طرف جھکااور ابراہیم کے ہاتھ چومے۔

اب دونوں کُشتی باز ہال سے باہر آرہے تھے۔ میں نے چبوترے سے نیچے چھلانگ ماری اور بڑے غصّے میں ابراہیم کے پاس آکر چلایا اور کہا:

ارے او عقلمند انسان! یہ کیسی کُشتی تھی؟

اس کے بعد میں نے غصے میں ابراہیم کے بازو پر زور سے گھونسہ مارتے ہوئے کہا: تمہیں کُشتی نہیں لڑنی ہوتی ہے تو پہلے ہی کہہ دیا کرو، اور ہمارا وقت بھی ضائع مت کیا کرو۔

ابراہیم نے بڑے آرام سے ہمیشہ کی طرح مسکراتے ہوئے کہا: زیادہ لالچی مت بنو بھائی!

اس کے بعد فوراً گیا اور اپنے کپڑے بدلے اور اپنا سر جھکا کر چلا گیا۔ میں غصّے کے مارے در و دیوار پر گھونسے مار رہا تھا، ایک کونے میں بیٹھا اور تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد جب تھوڑا سکون ملا تو اٹھ کر چل دیا۔

اسٹیڈیم کے دروازے پر ابھی بھی بھیڑ تھی اور ابراہیم کا حریف اپنی ماں، رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ کھڑا تھا، یہ سبھی لوگ خوش تھے، اچانک اس شخص نے مجھے بلایا اور میں نے واپس پلٹ کر بڑے غصّے میں کہا: جی؟!

وہ میرے پاس آیا اور کہا: تم ابراہیم کے ساتھی ہو، ٹھیک ہے؟

میں نے غصہ میں کہا: بولئے!

بغیر کسی مقدمہ کے کہا: بھائی تمہارا دوست بڑا دل والا ہے، کیا انسانیت ہے اس میں! میں نے میچ سے پہلے ابراہیم صاحب سے کہا کہ مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ میں تم سے ہار جاؤں گا، لیکن بھائی! ذرا میرا خیال رکھنا، میری ماں اور میرے بھائی لوگ اوپر چبوترے پر بیٹھے میرا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ کچھ ایسا کرو کہ ہم شرمندہ نہ ہوں!

اس کے بعد کہا: تمہارے دوست نے تو فداکاری کی حد کردی۔ تمہیں نہیں معلوم کہ میری ماں کتنی خوش ہیں۔اس کے بعد وہ رونے لگااور کہا:

میں نے حال ہی میں شادی کی ہے اور مجھے اس مقابلے کے نقدی انعام کی سخت ضرورت تھی، تمہیں اس کااندازہ نہیں کہ میں کس قدر خوش ہوں۔

حیرت سے میں انگشت بدنداں رہ گیا، سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہوں! چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا:

میرے دوست! اگر میں بھائی ابراہیم کی جگہ ہوتا تو اتنی ساری سختی اٹھانے اور طاقت فرسا پریکٹس کرنے کے بعد میں ہر گز یہ کام نہ کرتا۔اس طرح کی فداکاری ابراہیم صاحب جیسے عظیم لوگ ہی کرتے ہیں اور بس!

میں نے اس جوان سے خداحافظی کی اور اس خوش و خرّم بوڑھی عورت پر نیم نگاہ ڈالتے ہوئے چل دیا۔ راستے بھر میں، میں ابراہیم کے اس اقدام پر غور و فکر کر رہا تھا۔اس طرح کی فداکاری عقل سے بالکل میل نہیں کھاتی!

من ہی میں سوچا کہ جب پوریای ولی کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اس کے حریف کو حاکمِ شہر ستارہاہے اور اسے میچ میں چمپئن بننے کی سخت ضرورت ہے اور، تو اس نے جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہرادیا۔

لیکن ابراہیم...

مجھے ابراہیم کی وہ سخت اور طاقت فرسا پریکٹس یاد آئیں جو اس نے اس عرصہ میں کی ہوئی تھیں اور پھر اس بوڑھی عورت کی مسکراہٹیں اور اس جوان کی خوشی و مسرت، اچانک میں رونے لگا۔

کتنا عجیب انسان ہے یہ ابراہیم...!

* * *

نفس کشی

(شہید کے دوست)

تہران میں بڑی شدید بارش ہوئی تھی اور ''ے اشہریور'' نامی سڑک پانی سے بھر گئی تھی، سڑک کے کنارے کچھ بوڑھے لوگ سڑک پار کرنا چاہ رہے تھے لیکن سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں۔ اتنے میں ابراہیم وہاں پہونچا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اپنا شلوار زانوؤں تک اوپر کیا اور ایک ایک کر کے سارے بوڑھوں کو اپنے کندھے پر اٹھا کر سڑک کے پار لے گیا۔

ابراہیم اس طرح کے کام اکثر و بیشتر کرتا رہتا تھا اور اس کا مقصد اپنے نفس کو شکست دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ وہ یہ کام خاص طور پر اس وقت زیادہ انجام دیتا جب وہ دوستوں کے درمیان زیادہ مشہور ہو جاتا تھا۔

* * *

ہم لوگ ابراہیم کے ساتھ چل رہے تھے، یہ موسم گرما کی ایک سہ پہر کی بات ہے، اور چلتے چلتے ایک کوچے میں پہونچے جہاں کچھ بچے فٹبال کھیلنے میں مشغول تھے۔ ہم لوگ چل ہی رہے تھے کہ ایک بچے نے فوٹبال پر شارٹ ماری اور فوٹبال سیدھے ابراہیم کے منہ پر لگی۔ فوٹبال اتنی زور سے لگی کہ ابراہیم کو درد کی شدت سے کچھ دیر زمین پر بیٹھنا پڑا، اس کا پورا چہرہ لال ہو گیا تھا۔ مجھے زبردست غصہ آیا، میں نے بچوں کی طرف دیکھا تو سب لوگ ڈر کے مارے بھاگ رہے تھے کہ کہیں ہم ان کو ماریں نہ!

ابراہیم نے بیٹھے بیٹھے اپنا ہاتھ اپنے بیگ میں ڈالا اور بیگ سے اخروٹ کی تھیلی نکالی۔ بچوں کو بلانے لگا: اے بچو! کہاں بھاگ رہے ہو! آؤ اور اخروٹ لے لو! اس کے بعد وہ تھیلی فوٹبال گول کے کنارے رکھ دی اور چل دیا۔

میں نے یہ دیکھ کر تعجب سے پوچھا: بھائی ابراہیم! یہ کون سی عجیب حرکت ہے؟!

اس نے کہا: یہ بیچارے بچے ڈر گئے۔ جان بوجھ کر تو انہوں نے نہیں مارا۔ پھر اپنی بات بدل کر گفتگو کا موضوع ہی بدل دیا۔ لیکن مجھے معلوم تھا کہ عظیم لوگ اپنی زندگی میں اسی طرح کا رویہ اپناتے ہیں۔

* * *

ہم لوگ کشتی کلب میں تھے اور پریکٹس کرنے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ ابراہیم بھی داخل ہوا اور کچھ منٹ بعد ایک اور دوست بھی آیا۔ اس نے داخل ہوتے ہی کہا: ابراہیم جان! تمہاری شکل و صورت اور پرسنلٹی کافی جذّاب اور دلچسپ بن گئی ہے! جب تم راستہ چل رہے تھے تو تمہارے پیچھے دو لڑکیاں بھی چل رہی تھیں اور وہ مسلسل تمہارے بارے میں ہی باتیں کر رہی تھیں!

پھر جاری رکھتے ہوئے کہا: تم نے جو نئی نئی پینٹ شارٹ پہنی ہے اور ہاتھ میں ورزش کا بیگ بھی ہے تو ظاہر ہے کہ تم دور ہی سے کھلاڑی لگتے ہو!

میں ابراہیم کو دیکھ رہا تھا، وہ سوچ میں ڈوب چکا تھا، پریشان تھا، جیسے کہ اسے ایسی باتوں کی توقع ہی نہ تھی۔

دوسرے دن مجھے ابراہیم کو دیکھتے ہی ہنسی آگئی۔ لمبی شارٹ اور ڈھیلا ڈھالا پینٹ! ورزشی لباس کو بیگ کے بجائے ایک پلاسٹک تھیلے میں لئے آرہا تھا۔ اس دن کے بعد سے وہ اسی طرح کلب میں آیا کرتا تھا۔

دوست لوگ اسے کہتے تھے: ارے بھائی تم کیسے انسان ہو؟ ہم لوگ کلب اس لئے آتے ہیں تاکہ ہماری شکل و صورت کھلاڑیوں جیسی بن جائے اور پھر ہم سکِن ٹائٹ کپڑے

پہن سکیں لیکن تم اتنی خوبصورت جسامت اور پرسنلٹی کے باوجود یہ کیسے کپڑے پہن کر آتے ہو؟!

ابراہیم ان کی باتوں پر دھیان نہیں دیتا اور اپنے دوستوں سے بھی کہتا:

اگر تم خدا کے لئے ورزش کروگے تو یہ عبادت ہوگی لیکن اگر تمہاری نیت اس کے علاوہ کچھ اور ہو تو تم نقصان اٹھاؤگے۔

* * *

ہم لوگ فیلڈ میں فوٹبال کھیلنے میں مصروف تھے، اچانک میں نے ابراہیم کو پاویلئن کے کنارے کھڑے دیکھا۔ دوڑ کر اس کے پاس گیا، سلام کیا اور خوش ہو کر کہا: ارے واہ! تم اور یہاں!

اس کے ہاتھ میں ایک میگزین تھی، اسے اوپر اٹھا کر کہا: تمہاری فوٹو اس میں چھپی ہے!

خوشی سے میرے پَر نکلنے لگے، میں آگے بڑھا اور اس کے ہاتھ سے میگزین لینا چاہا۔ اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کی طرف کھینچ کر کہا: ایک شرط ہے!

میں نے کہا: جو بھی شرط ہو قبول ہے۔

اس نے کہا: جو میں کہوں وہ قبول کروگے؟

میں نے کہا: ہاں بھائی قبول ہے۔

اس نے میگزین مجھے دیدیا۔ بیچ والے صفحہ پر میری ایک بڑی فوٹو چھپی ہوئی تھی، اور اس کے کنارے پر لکھا ہوا تھا: " ایک نیا نوجوان فوٹبال چہرہ" اور میری کافی تعریف کی ہوئی تھی۔

میں پاویلئن کے پاس بیٹھا اور دوبارہ میگزین کا یہ صفحہ پڑھا، میں نے اس میگزین کی خوب ورق گردانی کی اور پھر سر اٹھا کر کہا:

ابراہیم جان! بہت بہت شکریہ، تم نے مجھے بہت خوش کیا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہاری شرط کیا تھی؟

اس نے آہستہ سے کہا: جو بھی ہو قبول ہے نا؟

میں نے کہا: ہاں بھائی! کہو تو سہی!

تھوڑا ٹھہر کر بولنے لگا: اب تم فوٹبال مت کھیلو!!

یہ سن کر میں لکڑی کی طرح خشک ہو گیا۔ اپنی آنکھیں چھوٹی کر کے بڑی حیرت سے میں نے اسے پوچھا:

کیا مطلب، میں دوبارہ فوٹبال نہ کھیلوں؟ یہ تم کیسی بات کر رہے ہو، ابھی تو میری شہرت شروع ہی ہو رہی ہے!!

کہا: نہیں، میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم بالکل ہی فوٹبال مت کھیلو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم اسپیشل فوٹبال کھلاڑی بننے کے چکر میں مت پڑو!!

میں نے کہا: کیوں؟!

تھوڑا آگے بڑھ کر میگزین کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور میری فوٹو مجھے دکھا کر کہنے لگا: اپنی اس رنگین تصویر کو دیکھو جس میں تم کھلاڑی لباس یعنی چڈی اور ٹی شرٹ میں ہو۔ یہ میگزین صرف میرے اور تمہارے ہی ہاتھوں میں نہیں بلکہ پورے ملک کے ہاتھوں میں ہے، ممکن ہے بہت ساری لڑکیوں نے اس فوٹو کو دیکھا ہو یا دیکھیں گے۔

اس کے بعد کہا:

میں تم سے یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تم مسجد کے پابند جوانوں میں سے ہو ورنہ مجھے تم سے کوئی مطلب نہیں۔ میری نظر میں پہلے اپنے اعتقادات کو مضبوط کرو اور اس کے بعد اسپیشل فوٹبال کھلاڑی بننے کے چکر میں دوڑو تاکہ تمہیں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

پھر کہا: اچھا میں چلتا ہوں، مجھے کام ہے اور خدا حافظی کر کے چلا گیا۔

مجھے حیرت سے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا، میں بیٹھا اور ابراہیم کی باتوں پر غور و فکر کرنے لگا۔

ایسے آدمی سے جو ہمیشہ مذاقیہ باتیں کرتا اور عامیانہ بولی بولتا تھا،ایسی باتیں سننا بعید تھا۔

یہ بات تب میری سمجھ میں آئی جب میں نے دیکھا کہ مسجد کے بعض نماز گزار جوان، کہ جن کے اعتقادات ابھی پختہ نہ تھے،اسپیشل فوٹبال کھلاڑی بننے کی تلاش میں گئے اور آہستہ آہستہ آس پاس کے ماحول میں کھوتے گئے اور پھر اپنی نماز بھی چھوڑ دی۔

* * *

یداللہ

(سیدابوالفضل کاظمی)

ابراہیم، بازار میں ایک دکان پر کام کرتا تھا۔ ایک دن میں نے ابراہیم کو ایسی حالت میں دیکھا کہ حیرت سے ہکا بکا رہ گیا۔ اس کے کندھے پر چیزوں سے بھرے ہوئے دو بڑے بڑے ڈبے تھے جو اس نے ایک دکان کے سامنے اپنے کندھے سے اتار دئے۔

جب اس کا کام ختم ہوا تو میں اس کے پاس گیا اور سلام کیا اور پھر کہا:

ابراہیم صاحب! یہ کام آپ کے لئے اچھا نہیں ہے یہ تو مزدوروں کا کام ہے نہ کہ تمہارا!

ایک نظر مجھ پر ڈالی اور کہا:

کام کرنے میں قباحت نہیں ہے بلکہ بیکاری بُری چیز ہے، یہ جو کام میں کر رہا ہوں، خود میرے لئے اچھا ہے، اس سے مجھے یقین ہو جائے گا کہ میں کچھ نہیں ہوں۔ یہ مجھے مغرور ہونے سے بچائے گا!

میں نے کہا: اگر تمہیں کوئی اس طرح دیکھے گا تو اچھا نہیں ہے، تم ایک کھلاڑی ہو وغیرہ وغیرہ... ساری دنیا تجھے پہچانتی ہے۔

ابراہیم نے ہنستے ہوئے کہا: ارے بھائی! ہمیشہ ایسا کام کرو کہ اگر خدا تمہیں دیکھ لے تو وہ خوش ہو جائے نہ کہ لوگ!

* * *

ہم کچھ دوستوں کے ساتھ بیٹھے ابراہیم کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے، ہمارا ایک دوست جو ابراہیم کو نہیں پہچانتا تھا، ابراہیم کی فوٹو دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا اور تعجب سے کہنے لگا: کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ اس کا نام ابراہیم ہی ہے؟!

میں نے بھی تعجب سے کہا: اور نہیں تو کیا! کیوں کیا بات ہے؟

اس نے کہا: سلطانی مارکٹ میں پہلے میری ایک دکان تھی اور یہ ابراہیم صاحب ہفتہ میں دو دن مارکٹ کے سامنے کھڑا ہو کر کندھے پر رسی ڈال کر دکانداروں کا سامان لاتا اور لے جاتا تھا۔ ایک دن میں نے اس سے پوچھا: آپ کا نام کیا ہے؟

اس نے کہا: آپ مجھے ید اللہ کہہ سکتے ہیں!

کچھ عرصہ بعد میرا ایک دوست ہماری دکان پر آیا ہوا تھا تو اس نے انہیں دیکھتے ہی تعجب سے کہا: تم اس آدمی کو جانتے ہو؟

میں نے کہا: نہیں تو، کیوں کیا بات ہے؟

اس نے کہا: یہ والیبال اور کشتی کا چمپئن ہے، بہت ہی پرہیزگار آدمی ہے، یہ اپنے نفس کو شکست دینے کے لئے ایسا کام کرتا ہے، یہ بھی تمہیں بتادوں کہ یہ نہایت ہی عظیم انسان ہے!

اس ماجرا کے بعد پھر میں نے انہیں کبھی اس مارکٹ میں نہیں دیکھا۔

اس دوست کی گفتگو سے میں سوچ میں ڈوب گیا کیونکہ یہ کہانی میرے لئے کافی عجیب وغریب تھی، اپنے نفس کے ساتھ اس طرح لڑنا عقل سے میل نہیں کھاتی!

***

کچھ عرصہ بعد میں نے ایک پرانے دوست کو دیکھا، ہم لوگ ابراہیم ہی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ اس نے کہا: انقلاب سے پہلے کی بات ہے کہ ایک دن ظہر کے وقت ابراہیم صاحب ہمیں بلانے آئے اور مجھے، میرے بھائی اور دو اور لوگوں کو ریسٹورنٹ

پر لے گئے اور بہترین کھانے، کباب، سالاد اور کولڈ ڈرنک وغیرہ منگوائی، ہمیں بہت مزہ آیا کیونکہ اس سے پہلے ہم نے کبھی ایسا کھانا نہیں کھایا تھا۔

ابراہیم صاحب نے کہا: کھانا کیسا تھا؟

میں نے کہا: بہت مزے دار تھا، خدا آپ کو سلامت رکھے۔

اس نے کہا: صبح سے لے کر ابھی تک میں مارکٹ میں دوکانداروں کا سامان اِدھر اُدھر لے جارہا تھا۔ اس لئے کھانے کا اچھا ذائقہ اس زحمت کی وجہ سے ہے جو میں نے پیسہ کمانے میں اٹھائی ہے۔

* * *

آیت اللہ مجتہدی کا مدرسہ

(ایرج گرائی)

انقلاب سے چند سال پہلے کی بات ہے کہ مارکٹ میں کام کرنے کے علاوہ ابراہیم کسی اور کام میں بھی مصروف تھا لیکن کسی کو اس سلسلہ میں کچھ بھی معلوم نہ تھا، خود بھی کسی کو کچھ نہیں بتاتا تھا لیکن اس کا اخلاق و کردار بالکل بدل گیا تھا۔ پہلے کے مقابلے میں اب ابراہیم زیادہ روحانی بن گیا تھا۔ صبح کے وقت ایک کالی رنگ کی پالی تھین میں کچھ کتابیں اٹھا کر لے جاتا تھا۔

ایک دن میں اپنی موٹر سائیکل پر سوار تھا کہ سڑک پر اسے دیکھا تو پوچھا:

بھائی ابراہیم کہاں جا رہے ہو؟!

اس نے کہا: مارکٹ جا رہا ہوں۔

میں اسے اپنی بائیک پر بٹھا کر راستے میں پوچھا: کچھ دنوں سے میں تمہارے ہاتھ میں یہ کالی پالی تھین دیکھ رہا ہوں، کیا ہے اس میں؟!

اس نے کہا: کچھ نہیں، کتاب ہے!

راستے میں وہ نائب السلطنت کوچے پر اترا، خداحافظی کی اور چلا گیا۔

مجھے بڑا تعجب ہوا کہ ابراہیم تو یہاں کبھی کام نہیں کرتا تھا، پس اسے کہاں جانا ہے؟!

اسی بات کی کھوج میں، میں نے اس کا پیچھا کیا، دیکھا کہ ایک مسجد میں داخل ہوا، میں بھی اس کے پیچھے پیچھے گیا، میں نے دیکھا کہ وہ چند جوانوں کے کنارے بیٹھا اور اپنی کتاب کھول دی۔

میں سمجھ گیا کہ یہ دینی تعلیم پڑھنے لگا ہے۔ میں مسجد سے باہر آیا اور بوڑھے شخص سے پوچھا کہ اس مسجد کا نام کیا ہے؟

اس نے جواب دیا کہ: اسے آیت اللہ مجتہدی کا مدرسہ کہتے ہیں۔

یہ سنتے ہی میں نے حیرت سے اپنے ارد گرد دیکھا، میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ابراہیم ایک دینی طالب علم بن گیا ہے۔ دیوار پر پیغمبر اکرمؐ کی ایک حدیث لکھی ہوئی تھی کہ:

"زمین، آسمان اور فرشتے، تین لوگوں پر شب و روز طلب مغفرت کرتے ہیں:

۱۔ علماء، ۲۔ طالب علم، ۳۔ سخی انسان۔" (1)

رات کو جب ہم لوگ پہلوان کلب سے باہر آرہے تھے تو میں نے کہا:

بھائی ابراہیم! تم دینی تعلیم پڑھنے جاتے ہو اور ہمیں پتہ بھی نہیں؟

وہ اچانک میری طرف پلٹا اور تعجب خیز نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ وہ سمجھ گیا کہ دن میں، میں نے اس کا پیچھا کیا ہے۔

آہستہ آہستہ کہنے لگا: کیا یہ افسوس کی بات نہیں ہے کہ انسان اپنی عمر کو صرف کھانے پینے اور سونے میں برباد کردے؟! میں رسمی طور پر طالبعلم تو نہیں ہوں لیکن تھوڑا کچھ سیکھنے کے لئے جاتا ہوں اور دوپہر کے بعد بھی مارکٹ میں کام کرنے جاتا ہوں لیکن ابھی تم کسی سے کچھ مت کہنا۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی تک ابراہیم کا معمول کا یہی کام ہوتا تھا، لیکن انقلاب کی کامیابی کے بعد ابراہیم کی مصروفیات اس قدر زیادہ ہوئیں کہ پھر وہ اپنے معمول کے کام انجام نہیں دے پاتا تھا۔

* * *

1۔ مواعظ عددیہ، صفحہ ۱۱۱

خدائی پیوند

(رضاہادی)

ایک دن سہ پہر کے وقت جب ابراہیم کام پر سے واپس گھر آرہا تھا تو کوچہ میں داخل ہوتے ہی اچانک اس کی نظر ایک پڑوسی جوان پر پڑی جو ایک لڑکی سے باتیں کرنے میں مشغول تھا، لڑکے نے ابراہیم کو دیکھتے ہی لڑکی سے خداحافظی کی اور چلا گیا، کیونکہ وہ ڈر کے مارے ابراہیم سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔

کچھ دن بعد پھر یہ لڑکا یہاں کھڑا باتیں کر رہا تھا، اس مرتبہ بھی لڑکی سے خداحافظی کرکے بھاگنے ہی والا تھا کہ ابراہیم اس کے پاس پہونچ گیا، لڑکی کوچے کے دوسری طرف سے نکل گئی۔ ابراہیم نے سلام وعلیک کرکے ہاتھ ملایا، لڑکا ڈر کے مارے سہما ہوا تھا لیکن ابراہیم کے ہونٹوں پر ہمیشہ کی طرح مسکراہٹ تھی، اس کا ہاتھ چھوڑنے سے پہلے ہی بڑی نرمی سے اس سے باتیں شروع کرتے ہوئے کہا:

دیکھو بھائی! ہمارے محلے اور کوچے میں اس طرح کی چیزوں کا کوئی سابقہ نہیں رہا ہے، میں تجھے اور تیرے گھر والوں کو اچھی طرح جانتا ہوں، اگر تم حقیقت میں اس لڑکی کو چاہتے ہو تو تمہارے والد صاحب کے ساتھ بات کروں کہ...

لڑکے نے جلدی سے ابراہیم کی بات کاٹتے ہوئے کہا: نہیں نہیں، تجھے خدا کا واسطہ، میرے والد صاحب سے ایسی کوئی بات نہ کرنا، مجھے غلطی ہو گئی، خطا ہو گئی، مجھے معاف کر دیجئے...!

ابراہیم نے کہا: نہیں، تم میری بات نہیں سمجھے، دیکھو تمہارے والد صاحب کے پاس گھر بھی بڑا ہے اور تم اس کی دکان میں کام بھی کرتے ہو، میں آج رات مسجد میں تمہارے والد صاحب کے ساتھ بات کروں گا تاکہ تم انشاء اللہ اس لڑکی کے ساتھ شادی کر سکو، اس کے علاوہ تمہیں اور کیا چاہئے؟

جوان نے اپنا سر جھکاتے ہوئے بڑی شرمندگی سے کہا: اگر والد صاحب کو معلوم ہوا تو وہ بہت غصہ ہو جائے گا۔

ابراہیم نے کہا: یہ مسئلہ مجھ پر چھوڑو، میں حاجی صاحب کو جانتا ہوں، وہ ایک سمجھدار اور عقلمند آدمی ہیں۔

جوان بھی شرماتے ہوئے بولا: جیسا آپ کہیں! اس کے بعد خداحافظی کر کے چلا گیا۔

رات میں نماز کے بعد مسجد میں اس جوان کے والد سے گفتگو شروع کی اور پہلے شادی کی اہمیت بتائی اور یہ کہ جس شخص کے پاس شادی کے شرائط اور وسائل فراہم ہوں اور اسے مناسب شریک حیات بھی مل جائے تو اسے شادی کر لینی چاہئے، ورنہ اگر وہ حرام میں مبتلا ہو جائے تو وہ خدا کے نزدیک جوابدہ ہوگا، اور اب یہ بڑوں کا کام ہے کہ اس سلسلہ میں جوانوں کی مدد کریں۔

حاجی صاحب ابراہیم کی ساری باتوں کی تائید کر رہے تھے، لیکن جونہی اس کے لڑکے کی بات آئی تو غصے سے اس کا چہرہ سکڑ گیا۔

ابراہیم نے پوچھا: حاجی صاحب! اگر آپ کا بیٹا اپنے آپ کو بچانا چاہے اور وہ گناہ میں نہ پڑ جائے اور وہ بھی آج کے بدترین ماحول میں، تو کیا اس نے کوئی برا کام کیا ہے؟

حاجی صاحب نے کچھ لمحوں کے سکوت کے بعد کہا: نہیں تو!

اس کے دوسرے دن ابراہیم کی ماں نے اس لڑکے کی ماں سے بات کی اور پھر لڑکی کی ماں سے بھی اور پھر...

اس ماجرا کے ایک مہینے بعد جب ابراہیم مارکٹ سے واپس گھر لوٹ رہا تھا تو رات کا وقت تھا، کوچہ کا آخری حصہ سجایا ہوا تھا، دیکھتے ہی ابراہیم کے ہونٹوں پر خوشنودی کی مسکراہٹ چھاگئی۔

اس بات کی خوشنودی کہ اس نے ایک شیطانی دوست کو ایک خدائی پیوند میں تبدیل کردیا تھا۔ یہ جوڑی آج بھی اپنے بچوں کے ساتھ پوری ہنسی خوشی سے زندگی گذار رہی ہے اور یہ دونوں میاں بیوی اپنی زندگی کو ابراہیم کے نیک رویےّ کے مرہون منت مانتے ہیں۔

***

انقلابی دَور

(امیر ربیعی)

ابراہیم کو بچپنے ہی سے امام خمینیؒ کے ساتھ ایک عجیب قسم کی عقیدت اور محبت تھی اور دن بہ دن یہ عقیدت بڑھتی ہی جاتی تھی یہاں تک کہ انقلاب کے ایام میں یہ اپنے اوج کو پہونچی۔

جمعہ کی صبح تھی، یہ ۱۹۷۷ء کی بات ہے اور ابھی انقلابی مسائل اور لڑائی جھگڑوں کی بات ہی نہیں تھی، ہم لوگ ژالہ (شہداء) چوک میں ہو رہے ایک دینی اجتماع سے واپسی پر گھر لوٹ رہے تھے اور ابھی ہم چوک سے زیادہ دور نہیں ہوئے تھے کہ بعض دوست آکر ہمارے ساتھ ہو لئے اور ابراہیم ہمیں امام خمینیؒ کے بارے میں بولنے لگا۔ پھر بڑا زوردار نعرہ لگایا: خمینی، زندہ باد! اور اس طرح ہم سب لوگوں نے نعرے بازی شروع کر دی اور کچھ اور لوگ ہمارے ساتھ مل گئے، نعرے لگاتے ہوئے ہم لوگ شمس چوراہے تک پہونچ گئے اور چند منٹ بعد پولیس کی کچھ گاڑیاں ہماری طرف آئیں اور ابراہیم نے سب لوگوں کو منتشر کر دیا اور ہم لوگ گلی کوچوں میں بھاگ گئے۔

اس واقعہ کے دو ہفتے بعد دوبارہ اسی جلسے سے جمعہ کی صبح کو ہم لوگ باہر آئے۔ چوک کے ایک کونے میں سنیما کے سامنے کھڑے ہو کر ابراہیم نعرے لگانے لگا: خمینی، زندہ باد! اور ہم لوگ بھی اس کا ساتھ دینے لگا۔ جلسہ سے باہر آنے والے سارے لوگ بھی ہمارے ساتھ ہو لئے۔ بڑا عجیب منظر بن گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد پولیس کے آنے سے پہلے ہی ابراہیم نے لوگوں کو منتشر کر دیا اور پھر ہم لوگ ٹیکسی میں سوار ہوئے اور خراسان چوک کی طرف جانے لگے۔

دو چوراہے کراس کر کے میں نے دیکھا کہ پولیس والے گاڑیوں کو روک کر چیکنگ کر رہی ہے اور ایک ایک کر کے سواریوں کی شناخت کی جا رہی ہے۔

ساواک[1] کی بہت ساری گاڑیاں اور تقریباً دس پولیس والے بھی سڑک کے دونوں طرف کھڑے تھے۔ گاڑیوں میں سواریوں کی شناخت کرنے والا خفیہ پولیس والا جانا پہچانا تھا، یہ آدمی چوک میں نعرہ بازی کرنے والے لوگوں کے درمیان ہی تھا!

یہ بات میں نے ابراہیم کو بتادی، وہ جلدی سمجھ گیا کہ ماجرا کیا ہے، قبل اس کے کہ وہ لوگ ہماری ٹیکسی تک پہونچ جائیں، ابراہیم نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور فوٹ پاتھ کی طرف دوڑا، اس پولیس والے نے سر اٹھا کر ابراہیم کی طرف دیکھا تو فوراً چلایا:

یہی ہے، یہی ہے، پکڑلو اسے...

سارے پولیس والے ابراہیم کا پیچھا کرنے لگے، ابراہیم کوچے میں بھاگ گیا اور وہ لوگ بھی اس کا پیچھا کرتے رہے۔ اب جب پولیس والوں کی توجہ باقی لوگوں سے ہٹ چکی تھی تو میں فوراً کرایہ دے کر ٹیکسی سے اُتر گیا اور سڑک پار کر کے اپنا راستہ ہو لیا۔

میں جب ظہر کے وقت گھر آیا تو ابراہیم کی کوئی خبر نہ تھی، رات گئے تک بھی کسی کو ابراہیم کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا، کچھ دوستوں کے پاس میں نے فون بھی کیا لیکن انہیں کچھ معلوم نہ تھا۔

میں بہت پریشان تھا، تقریباً رات کے گیارہ بجے میں اپنے گھر کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا تو کوچے سے کوئی آواز سنائی دی، میں دوڑ کر دروازے کے پاس گیا اور نہایت تعجب کے ساتھ دیکھا کہ ابراہیم اسی مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ دروازے پر کھڑا ہے۔ میں

---

[1]۔ شہنشاہ ایران کی خونخوار انٹلی جنس ایجنسی جو انقلابیوں کو دبانے کے لئے کام کرتی تھی۔

نے فوراً اسے گلے لگایا، اب میں بہت خوش تھا، سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح اپنی خوشی کا اظہار کروں! میں نے کہا:

بھائی ابراہیم کیسے ہو؟

اس نے ایک لمبی سانس لیتے ہوئے کہا: خدا کا شکر ہے، دیکھ رہے ہو کہ صحیح و سالم تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔

میں نے کہا: کھانا کھایا؟

اس نے کہا: نہیں، کوئی بات نہیں، تم پریشان مت ہو!

میں جلدی اندر گیا، دستر خوان اور روٹی اور کچھ کھانا لایا اور پھر ہم لوگ غیاثی (شہید سعیدی) چوک کی پارک میں بیٹھ گئے۔ چند لقمے کھانے کے بعد اس نے کہا:

مضبوط جسم یہیں پر کام آتا ہے، خدا نے میری مدد کی...،

وہ لوگ کئی آدمی تھے لیکن اس کے باوجود بھی میں بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس رات ہم لوگوں نے بہت باتیں کیں اور انقلاب، امام خمینیؒ اور باقی مسائل کے سلسلے میں گفتگو کی اور آخر میں یہ طے پایا کہ ہم لوگ رات کو مسجد لرزادہ جایا کریں گے جہاں مولانا چاووشی تقریر کرتے ہیں۔[1]

* * *

آج جلسہ کا تیسرا دن تھا، ہم تین لوگ ابراہیم کے ساتھ مسجد لرزادہ چلے گئے۔ مولانا چاووشی بڑے نڈر آدمی تھے، ایسی ایسی باتیں منبر سے کہتے تھے کہ کوئی دوسرا اتنی جرأت نہیں کر پاتا تھا۔

امام موسیٰ کاظمؑ کی یہ حدیث لوگوں کے لئے بڑی عجیب و غریب تھی کہ:

1۔ چاووشی ایک انقلابی عالم دین تھے جو منافقین کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

"قم سے ایک شخص قیام کرے گا جو لوگوں کو حق کی طرف دعوت دے گا اور لوگوں کی ایک جماعت اس کا ساتھ دے گی جو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند مضبوط ہوں گے (کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں لیکن یہ لوگ اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے) " [1]

آپ کی انقلابی گفتگو اسی انداز سے جاری تھی کہ مسجد کے دروازے سے اچانک شور و غل کی آوازیں آنے لگیں، میں نے جو پیچھے مڑ کر دیکھا تو ساواک کے آدمی ڈنڈے اور کوڑے لے کر لوگوں پر برس پڑے اور سب کو مارنے لگے۔

مسجد سے بھاگنے کے لئے سارے لوگوں نے بھاگ دوڑ مچادی، دروازے کی طرف سے جانے والے ہر شخص پر خفیہ پولیس والے ڈنڈے برسا رہے تھے، یہ لوگ بچوں اور عورتوں پر بھی رحم نہیں کھاتے تھے۔

ابراہیم کو بہت غصہ آیا اور وہ دروازے کی طرف دوڑا اور چند خفیہ پولیس والوں سے بِھڑ گیا، یہ بزدل لوگ مل کر ابراہیم پر ڈنڈے برسا رہے تھے اور اس درمیان کافی سارے بچے اور عورتیں بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

ابراہیم بھی بڑی شجاعت کے ساتھ ان کے ساتھ مقابلہ کر رہا تھا، آخر کار اس نے ایک ساتھ چار پانچ پولیس والوں کو دھکا دیا اور خود بھاگ گیا اور ہم لوگ بھی اس کے ساتھ ساتھ بھاگ گئے، بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ اس رات انہوں نے مولانا کو گرفتار کر لیا اور کئی ایک کو شہید اور زخمی کر دیا۔

اس رات کو ابراہیم کی کمر پر پڑنے والے ڈنڈوں کی وجہ سے اس کی کمر میں شدید درد پیدا ہو گیا تھا جو عمر کے آخری لمحوں تک جاری تھا یہاں تک کہ اس درد کی وجہ سے پھر وہ کُشتی بھی اچھی طرح نہیں لڑ پاتا تھا۔

---

[1]۔ بحار الانوار، جلد ٦٠، صفحہ ٢١٦

۱۹۷۸ء میں پیش آنے والے انقلابی حوادث نے ابراہیم کی فکر و سوچ کو انقلاب اور امام خمینیؒ ہی میں مصروف کر دیا تھا۔ امام خمینیؒ کی تقریروں کی کیسٹیں بانٹنا، پوسٹر لگانا، اشتہاری کام کرنا وغیرہ سب کچھ وہ بڑی بہادری سے انجام دیتا تھا۔

اکتوبر کے اوائل میں وہ کافی سارے جوانوں کو اپنے ساتھ لے کر قیطریہ کی پہاڑیوں پر چلا گیا اور شہید مفتح کی امامت میں ہونے والی نماز عید فطر میں شرکت کی۔

نماز کے بعد پھر اعلان ہوا کہ جمعہ کے دن کا احتجاجی جلوس ژالہ (شہداء) چوک کی طرف جائے گا۔

* * *

۸ ستمبر

(امیر منجر)

یہ ۸ ستمبر ۱۹۷۷ء کی بات ہے، میں ابراہیم کو بلانے گیا اور ہم لوگ معمول کے مطابق ژالہ (شہداء) چوک میں ہو رہے اسی دینی اجتماع میں شرکت کے لئے چلے گئے۔

جلسہ جب ختم ہوا تو باہر بہت زیادہ شور شرابا مچا ہوا تھا۔ کل رات ہی سے صدر راج (فوجی حکومت) کا اعلان ہو چکا تھا۔ اکثر لوگوں کو کچھ پتہ ہی نہیں تھا، چوک کے چاروں طرف پولیس اور فوج کی بھاری تعداد تعینات کر دی گئی تھی، اور لوگوں کا جم غفیر چوک کی طرف جا رہا تھا۔ پولیس بار بار لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کر رہی تھی کہ منتشر ہو جاؤ اور چوک چھوڑ کر چلے جاؤ۔ ابراہیم جلسہ چھوڑ کر باہر آکر دیکھنے لگا اور فوراً واپس پلٹ کر کہنے لگا:

امیر! آؤ دیکھو تو کیا ہو رہا ہے!

میں باہر آیا اور جہاں جہاں تک میری نظریں دیکھ سکتی تھیں وہاں وہاں سے لوگ جوق در جوق چوک کی طرف آرہے تھے۔ اب "خمینی زندہ باد" کے بجائے "شہنشاہ مردہ باد" کے نعروں سے تہران گونج رہا تھا، پورا ہجوم چوک کی طرف آرہا تھا اور کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ ساواکیوں نے چاروں طرف سے چوک کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے وغیرہ...

کچھ لمحوں کے بعد حالات نے ایسا رُخ اختیار کیا کہ جس کی کسی کو توقع بھی نہیں تھی، ہر طرف گولیوں کی گونج تھی یہاں تک کہ آسمان پر گشت کر رہے ہیلی کوپٹر سے بھی گولیوں کی بوچھار جاری تھی۔

میں جلدی سے دوڑااور اپنی بائیک لے کرآیااور ایک کوچے سے باہر نکلنے کا راستہ مل گیا جہاں پر کوئی فوجی یا پولیس والا نہیں تھا، ابراہیم فوراًایک زخمی کو لے کر آیااور ہم لوگ اسے "سوم شعبان" نامی اسپتال لے کر چلے گئے اور فوراًواپس پلٹے، ظہر تک ہم لوگ تقریباًآٹھ بار زخمیوں کو لے کراسپتال چلے گئےاور واپس پلٹے۔

ابراہیم کا پورابدن خون سے بھر گیا تھا۔ایک زخمی شخص پٹرول پمپ کے پاس گرا ہوا تھااور فوج بھی دور سے اس پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے اور کسی کو اتنی جرأت نہیں ہورہی تھی کہ اسے اٹھائے۔ابراہیم اسے اٹھانے کے لئے جارہا تھاتو میں نے اسے روک دیا، میں نے کہا:

انہیں زخمی شخص پر کڑی نظر ہے اور اگر تم اس کی طرف گئے تو وہ تجھے بھی گولی مار دیں گے!

ابراہیم نے میری طرف دیکھ کر کہا:

اگر یہ تمہارااپنابھائی ہوتا پھر بھی تم یہی بات کہتے؟!

میرے پاس اس کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا، صرف میں نے یہ کہا کہ:

اپنا خیال رکھنا۔اب فائرنگ کی شدّت میں تھوڑی کمی آچکی تھی اور پولیس اور فوج بھی تھوڑاپیچھے ہٹ گئی تھی، ابراہیم سڑک پر سینے کے بل چلتے ہوئے زخمی شخص کے پاس پہونچااور اسی طرح سڑک پر لیٹے ہوئے ہی زخمی شخص کا ہاتھ پکڑ کراسے اپنی پیٹھ پر سوار کیا اور پھر ویسے ہی سینے کے بل چلتے ہوئے واپس پلٹ آیا۔

ابراہیم نے عجیب و غریب شجاعت کا مظاہرہ کیااور پھر اس زخمی کو میری بائیک پر بٹھایااور ایک دوسرے جوان کواسے پکڑنے کے لئے کہااور ہم اسے اسپتال لے گئے۔

واپسی پر پولیس نے کوچہ پرنا کہ بندی لگادی تھی اور فوجی حکومت کی شدت بھی مزید بڑھ گئی تھی، بہر حال پھر میں ابراہیم کو نہیں دیکھ سکا۔ میں اِدھر اُدھر سے نکلتے ہوئے اپنے

گھر پہونچا اور پھر سہ پہر کے وقت ابراہیم کے گھر گیا، اس کی والدہ پریشان تھیں اور کسی کو ابراہیم کے بارے میں کچھ معلوم بھی نہ تھا، ہم سب لوگ پریشان تھے۔

رات دیر گئے معلوم ہوا کہ ابراہیم گھر واپس پہونچ گیا ہے، میں بہت خوش ہوا۔ اپنے مضبوط بدن کی بدولت ابراہیم پولیس سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو چکا تھا اور پھر دوسرے دن ہم لوگ شہیدوں کی تشییع اور تدفین میں مدد کرنے کے لئے بہشت زہراء چلے گئے۔

۸ ستمبر کے اس واقعہ کے بعد ہم لوگ ایک ایک کر کے ہر جوان کے گھر میں ہر روز رات کو ایک جلسہ منعقد کرتے تھے اور اسی جلسہ میں اپنے پروگراموں کی ہماہنگی کرتے تھے۔ ایک مدت تک یہ جلسہ ابراہیم کے گھر کی چھت پر ہوا کرتا تھا اور پھر مہدی وغیرہ کے گھر میں...

ان جلسات میں خاص طور سے اعتقادی اور سیاسی مسائل کے علاوہ سارے مسائل پر گفتگو ہوتی تھی اور یہ جلسات امام خمینیؒ کے واپس ایران آنے کی خبر عام ہونے تک جاری رہے۔

* * *

امام خمینیؒ کی واپسی

(حسین اللہ کرم)

جنوری ۱۹۷۹ء کے آخری ایام تھے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق حضرت امام خمینیؒ کی سکیورٹی کی ایک ٹیم کی ذمہ داری ہم لوگوں کو بھی سونپی گئی۔

یکم فروری ۱۹۷۹ء کو ہماری ٹیم کے افراد ائرپورٹ کے ساتھ متصلہ "آزادی روڈ" کے بالکل آخر پر مسلح ہو کر تعینات کر دئے گئے۔

میں حضرت امام خمینیؒ کی گاڑی کے داخل ہونے کا منظر کبھی نہیں بھولوں گا۔ ابراہیم پروانے کی طرح امام خمینیؒ کے شمعِ وجود کے گرد چکر کاٹ رہا تھا۔

امام خمینیؒ کی گاڑی کے گذرتے ہی ہم نے فوراً اپنے جوانوں کو اکٹھا کیا اور ابراہیم کے ساتھ بہشت زہراء کی طرف چل دئے۔

"قم ہائی وے" کی طرف سے بہشت زہراء کے اصلی دروازے کی سکیورٹی کی ذمہ داری بھی ہم ہی کو سونپی گئی تھی، ابراہیم دروازے کے کنارے کھڑا تھا لیکن اس کی روح اور جان بہشت زہراء کے اندر تھی، بالکل وہیں پر جہاں حضرت امام خمینیؒ تقریر فرما رہے تھے!

ابراہیم کہتا تھا: اس انقلاب کا مالک آگیا، ہم سب لوگ اس کے مطیع اور فرمانبردار ہیں، امام خمینیؒ جو کچھ بولیں گے، وہی ہو گا اور بس!

اس دن کے بعد سے اب ابراہیم اپنا کھانا پینا اور سونا بھی بھول گیا تھا۔

عشرۂ فجر (یکم تا ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء) کے دنوں میں ایک ہفتہ تک ابراہیم کا کوئی اتہ پتہ نہیں تھا، ۹ فروری کو دوبارہ دیکھتے ہی میں نے اس سے پوچھا:

ابراہیم جان! تم کہاں ہو؟ تمہاری والدہ بہت پریشان ہیں؟

چند لمحے ٹھہر کر بولنے لگا کہ:

میں ان دنوں میں اپنے دوست کے ساتھ گمنام شہیدوں کی شناخت کرنے کی تلاش میں تھا، کیونکہ ان کی شناخت کی رسید گی کرنے والا کوئی نہ تھا۔

۱۰ فروری کی رات کو ابراہیم نے چند انقلابی جوانوں کے ساتھ مل کر علاقے کے پولیس تھانے پر قبضہ کر لیا اور رات بھر یہ لوگ اس علاقے میں گشت کر رہے تھے۔ صبح ہوتے ہی قومی ریڈیو سے انقلاب کی کامیابی کی خبر نشر ہوئی۔

کچھ دنوں تک ابراہیم، امیر کے ساتھ مدرسہ ٔ رفاہ جاتا رہا، وہ حضرت امام خمینیؒ کے محافظین (گارڈس) میں شامل تھا۔ اس کے بعد وہ "قصر" جیل گیا اور ایک قلیل مدت تک وہ جیل کا محافظ تھا۔ اس عرصہ میں وہ انقلابی کمیٹی کے جوانوں کے ساتھ بھی تعاون کرتا رہا لیکن رسمی طور پر وہ اس میں ملحق نہیں ہوا۔

* * *

روحانی انقلاب

(جبار ستودہ، حسین اللہ کرم)

بہت سارے عظیم لوگوں کی زندگی میں ترک گناہ ایک بڑی چیز مانی جاتی ہے کیونکہ یہ چیز ان کی روحانیت میں بلندیاں حاصل کرنے کا باعث بن جاتی ہے اور زیادہ تر یہ چیز جنسی شہوات سے اپنے نفس کو قابو میں رکھنے سے حاصل ہوتی ہے، یہاں تک کہ حضرت یوسفؑ کی داستان کے متعلق خداوند عالم فرماتا ہے:

"جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور شہوت اور ہوس کے مقابلے میں صبر واستقامت اختیار کرے تو خدا نیک لوگوں کی جزا کو ضائع نہیں کرتا ہے"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک عمومی قانون رہا ہے اور حضرت یوسفؑ سے ہی مخصوص نہیں تھا۔

* * *

انقلاب کی کامیابی کو اب ایک مہینہ گذر چکا تھا اور ابراہیم کی شکل وصورت بھی کافی دلکش اور خوبصورت ہو گئی تھی، وہ ہر دن ایک خوبصورت کوٹ پینٹ پہن کر کام پر آجاتا تھا اور اس کا دفتر بھی شمالی تہران میں تھا۔

ایک دن میں نے اسے کافی پریشان اور غمگیں دیکھا، بہت کم باتیں کر رہا تھا، اپنے ہی من میں کھویا ہوا تھا، میں اس کے پاس گیا اور تعجب خیز لہجہ میں پوچھا:

بھائی ابراہیم! تجھے کیا ہو گیا ہے؟!

اس نے کہا: نہیں، کوئی خاص بات نہیں ہے۔

میں نے کہا: نہیں بولو اگر کوئی مسئلہ ہے تو شاید میں کوئی مدد کر سکوں! وہ چپ ہو گیا، لیکن صاف ظاہر تھا کہ اسے کوئی مشکل پیش آئی ہے۔

بڑے نرم انداز میں بولا:

کچھ دنوں سے اس محلے کی ایک بے پردہ لڑکی میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے، کہتی ہے کہ جب تک میں تجھے اپنا نہیں بنالوں، چھوڑوں گی نہیں!

میں تھوڑی دیر خاموش ہو کر سوچنے لگا اور پھر زور زور سے ہنسا، ابراہیم نے تعجب سے اپنا سر اوپر اٹھایا اور پوچھا: اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟!

میں نے کہا: بھائی ابراہیم! میں تو ڈر سا گیا تھا، سوچ رہا تھا معلوم نہیں تجھے کون سی مشکل پیش آئی ہے۔

میں نے اس کی شکل و صورت اور قد و قامت پر ایک سر سری نظر دوڑاتے ہوئے کہا: تیری اس پرسنلٹی اور خوبصورتی کے ہوتے ہوئے یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے!

اس نے کہا: کیا مطلب؟! یعنی اس نے میرا یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر ایسا کہا ہے۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا: اس میں ذرہ برابر شک نہیں!

دوسرے دن مجھے ابراہیم کو دیکھتے ہی ہنسی آگئی، آج وہ گنجا کر کے اور کوٹ پینٹ پہنے بغیر ایک لمبا کُرتا، کردی پاجامہ اور چپل پہن کر بے تکی شکل و صورت کے ساتھ دفتر آیا ہوا تھا اور ایک مدت تک وہ ایسے ہی چلتا رہا یہاں تک کہ اس شیطانی وسوسے سے آزاد ہو گیا۔

* * *

مختلف مسائل میں دقتِ عملی اور تیز بینی ابراہیم کی منفرد خصوصیت تھی، یہی چیز اسے اپنے دوستوں سے ممتاز بنا دیتی تھی۔

اپریل ۱۹۷۹ء کی بات ہے کہ ہم اور ابراہیم، انقلابی کمیٹی کے کچھ جوانوں کے ساتھ ایک خصوصی آپریشن پر گئے، ہمیں خبر ملی تھی کہ ایک فلیٹ اپارٹمنٹ میں ایک سابق شہنشاہی ایجنٹ کو دیکھا گیا ہے جس کی انقلابیوں کو اس کے سابقہ کرتوتوں کی بنا پر سخت

تلاش تھی۔ ہمیں جو ایڈریس ملا تھا، ہم لوگ دو گاڑیوں میں سوار ہو کر وہاں پہونچ گئے اور اپارٹمنٹ میں داخل ہوئے اور کسی مزاحمت کے بغیر مشکوک آدمی کو گرفتار کر لیا گیا۔ جب ہم لوگ بلڈ نگ سے واپس نکلنا چاہ رہے تھے تو دیکھا کہ باہر اس آدمی کو دیکھنے کے لئے لوگوں کی بھیڑ جمع ہو گئی ہے، ان میں سے بہت سارے تو اسی بلڈ نگ کے رہائشی تھے، اچانک ابراہیم واپس بلڈ نگ میں داخل ہوا اور بولا: ایک منٹ یہیں پر ٹھہر جاؤ!

ہم نے تعجب سے پوچھا: کیا ہوا؟! اس نے کچھ کہے بغیر اپنے کمر پر بندھے چفیہ (ایک خاص قسم کے مفلر) کو کھولا اور گرفتار شدہ شخص کا چہرہ چھپانا چاہا۔

میں نے کہا: ابراہیم یہ تم کیا کر رہے ہو؟!

ابراہیم اس شخص کا چہرہ مفلر سے چھپاتے ہوئے بولا: ہم نے صرف ایک فون کال کی بنیاد پر اس شخص کو گرفتار کیا ہے اور اگر یہ خبر جھوٹی ثابت ہوئی تو یہ شخص خواہ مخواہ میں بدنام ہو جائے گا اور پھر یہاں پر نہیں جی سکے گا۔ یہاں کے سارے لوگ اسے ایک مجرم کی نظر سے دیکھیں گے، لیکن چہرہ مخفی رہنے کی صورت میں کوئی اسے نہیں پہچان سکے گا اور کل کو اگر یہ رہا بھی ہو جائے تو اسے کوئی مشکل بھی پیش نہیں آئے گی۔

جب ہم لوگ بلڈ نگ سے باہر آئے تو لوگوں نے اسے نہیں پہچانا، تب مجھے پتہ چلا کہ ابراہیم کی نظر کتنی دقیق اور تیز ہے، اس کی نظر میں دوسروں کی عزت و احترام کی کتنی اہمیت ہے!

***

بات کا اثر

(ابراہیم فریدوند)

انقلاب کی کامیابی کے چند مہینے گذر چکے تھے، میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا:
تم کل ابراہیم کے ساتھ محکمۂ کھیل کے دفتر چلے جانا، داوودی صاحب (محکمۂ کھیل کے انچارج) کو تم لوگوں سے کچھ کام ہے!

کل صبح ہم ایڈریس لے کر محکمۂ کھیل کے دفتر پر چلے گئے۔ ابراہیم کے ہائی اسکول کے ماسٹر داوودی صاحب نے بڑی گرمجوشی سے ہمارا استقبال کیا۔ اس کے بعد کچھ اور لوگوں کے ساتھ ہم لوگ اسٹیڈیم میں داخل ہو گئے، آپ نے کافی گپ و گفتگو کے بعد ہم سے کہا:

تم لوگ ورزشکار اور انقلابی جوان ہو، لہٰذا آؤ اور کھیل کے محکمہ میں کوئی ذمہ داری سنبھالو...!

آپ نے مجھے اور ابراہیم سے کہا: محکمہ کی انسپکشن (جانچ پڑتال) کا عہدہ ہم نے تم لوگوں کے لئے رکھا ہے اور ہم لوگوں نے بھی تھوڑی بہت گفتگو کے بعد یہ ذمہ داری قبول کر لی۔

دوسرے دن سے ہماری ڈیوٹی شروع ہو گئی اور اگر کہیں پر ہمیں کوئی مشکل پیش آتی تھی تو ہم داوودی صاحب سے مدد لیتے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دن جب ابراہیم انسپکشن دفتر میں داخل ہوا تو پوچھنے لگا کیا کر رہے ہو؟

میں نے کہا: ایک صاحب کا نوکری سے سسپنڈ نگ آڈر لکھ رہا ہوں۔

اس نے پوچھا: کس کا سسپنڈ نگ آڈر؟!

میں نے کہا: ایک موصولہ رپورٹ کے مطابق کھیل کے ایک فیڈریشن کا ہیڈ نامناسب شکل و صورت میں دفتر آتا ہے اور دوسرے ماتحت ملازموں بالخصوص خواتین کے ساتھ وہ صحیح رویہ نہیں اپناتا، اور یہ بھی شکایت ہے کہ وہ انقلابی اصولوں کے منافی موقف بھی رکھتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی بیوی بھی بے پردہ گھومتی ہے!

میں یہی رپورٹ لکھ رہا تھا، میں نے کہا: اس کی ایک کاپی میں "انقلابی مشاورتی کونسل" کو بھی بھیج دیتا ہوں۔

ابراہیم نے پوچھا: کیا میں یہ رپورٹ پڑھ سکتا ہوں؟

میں نے کہا: جی ہاں! بالکل، یہ لیجئے رپورٹ اور یہ رہا اس کا سسپنڈ نگ آڈر!

اس نے بڑی دقت سے رپورٹ پڑھی اور پھر پوچھا:

کیا تم نے اس شخص سے گفتگو کی؟

میں نے کہا: نہیں، اس کی کیا ضرورت ہے یہ تو سب جانتے ہیں کہ یہ کیسا شخص ہے!

اس نے جواب دیا: یہ تو صحیح بات نہیں ہوئی، کیا تم نے نہیں سنا کہ صرف جھوٹا آدمی ہر سنی ہوئی بات کی تائید کرتا ہے!

میں نے کہا: لیکن یہ سب تو اسی فیڈریشن کے ارکان نے بتایا ہے...

میری بات کاٹتے ہوئے کہنے لگا: تمہارے پاس اس شخص کے گھر کا ایڈریس ہے؟

میں نے کہا: جی ہاں ہے!

ابراہیم نے کہا: چلو آج سہ پہر کو اس کے گھر جاتے ہیں، دیکھتے ہیں یہ کون ہے، کیا ہے اور اس کا کیا مقصد ہے! میں نے بھی تھوڑی سی خاموشی کے بعد کہا: ٹھیک ہے۔

سہ پہر کو دفتر کی چھٹی کے بعد میں نے ایڈریس اٹھایااور بائیک پر سوار ہو کر ہم لوگ چل دیئے۔

سید خندان نامی پل سے ذرا آگے اس کا گھر واقع تھا۔ ہم گلی کوچوں میں اس کے گھر کی تلاش ہی میں تھے کہ اتنے میں وہ صاحب خود بھی آپہونچے۔ رپورٹ پر لگی ہوئی اس کی فوٹو پہلے ہی دیکھ چکا تھا لہٰذا اسے پہچاننے میں زیادہ دقت بھی نہیں ہوئی۔

بنز گاڑی ایک گھر کے دروازے پر کھڑی ہوئی اور ایک تقریباً بے پردہ عورت گاڑی سے اتر کر دروازہ کھولنے لگی اور یہ آدمی گاڑی لے کر اندر چلا گیا۔

میں نے کہا: ابراہیم صاحب! تم نے دیکھا، میں نے کہا تھا نا یہ آدمی صحیح نہیں ہے!

اس نے کہا: ہمیں پہلے گفتگو کرنی چاہیئے، اس کے بعد ہی ہم کسی نتیجہ پر پہونچ سکتے ہیں۔ ہم لوگ گھر کے نزدیک پہونچے اور میں نے بائیک کھڑی کی، ابراہیم نے دروازے کی گھنٹی بجائی۔ یہ آدمی جو ابھی اپنے صحن ہی میں تھا، دروازے پر آیا۔

داڑھی اور مونچھیں منڈا ہوا ایک قوی ہیکل آدمی ہمیں اس محلے میں دیکھتے ہی حیرت میں پڑ گیا۔ تعجب خیز نگاہوں سے ہمارے چہروں کو دیکھتے ہوئے کہا: فرمایئے کیا بات ہے!؟

میں نے من ہی میں کہا: اگر ابراہیم کی جگہ میں ہوتا تو اسے سبق سکھاتا...!

لیکن ابراہیم نے ہمیشہ کی طرح بڑے نرم انداز میں مسکراتے ہوئے سلام کیا اور کہا: میں ابراہیم ہادی ہوں اور آپ سے چند سوال پوچھنا چاہتا ہوں اور اسی لئے ہم نے آپ کو دروازے پر آنے کی زحمت دی۔

اس نے کہا: آپ کا نام تو کافی جانا پہچانا لگتا ہے! کچھ ہی دنوں سے میں آپ کا نام سن رہا ہوں، میرے خیال میں آپ محکمۂ کھیل ہی میں ہیں، محکمہ کے انسپکٹر! صحیح کہہ رہا ہوں میں؟

ابراہیم ہنسا اور کہا: جی ہاں!

بیچارہ بہت گھبرا گیا اور کافی اصرار کرنے لگا کہ آپ لوگ اندر تشریف لائیں۔

ابراہیم نے کہا: نہیں شکریہ، ہمیں کچھ ہی منٹ آپ سے کام ہے اور پھر ہم چلتے ہیں۔

ابراہیم نے گفتگو شروع کی اور تقریباً ایک گھنٹے تک بولتا رہا، وقت گذرنے کا ذرا سا بھی ہمیں احساس نہیں ہوا، ہر چیز کے بارے میں اس نے اس سے کہا اور ہر چیز کی مثال بھی دی۔

اس نے کہا: دیکھو میرے دوست! تمہاری بیوی خود تمہارے ہی لئے ہے نہ کہ دوسروں کے سامنے نمائش کرنے کے لئے! کیا تمہیں اس بات کا احساس ہے کہ تمہاری بے پردہ بیوی دیکھ کر کتنے جوان لوگ گناہ میں پڑتے ہوں گے؟!

یا جس وقت تم دفتر میں کام پر مصروف ہو تو تمہیں اپنے ماتحت افراد اور بالخصوص خواتین کے ساتھ بے ربط مذاق نہیں کرنا چاہئے! تم تو پہلے چمپئن رہ چکے ہو لیکن یہ جان لو کہ حقیقی چمپئن وہ ہے جو غلط کاموں کی ترویج کی روک تھام کر لے!

اس کے بعد انقلاب، خون شہداء، امام خمینیؒ اور ملک دشمن عناصر کے بارے میں بھی کہا اور وہ شخص بھی ان تمام باتوں کی تائید کرتا رہا۔

ابراہیم نے آخر میں کہا: دیکھو میرے بھائی! یہ تمہارا اسسپنڈنگ آڈر ہے۔

فیڈریشن ہیڈ کے پیروں تلے زمین نکل گئی، لعاب دہن نگلتے ہوئے وہ تعجب خیز نگاہوں سے ہمیں دیکھنے لگا۔

ابراہیم مسکرایا اور یہ آڈر پھاڑ دیا۔ اس کے بعد کہا: پیارے دوست! میری باتوں پر غور کرنا۔ اس کے بعد ہم نے خداحافظی کی، بائیک پر سوار ہوئے اور چلے گئے۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد موٹر پر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ آدمی ابھی بھی وہیں پر کھڑا ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔

میں نے کہا: واہ ابراہیم صاحب! کیا باتیں کیں تم نے! میں بھی متأثر ہوا۔

اس نے ہنستے ہوئے کہا: کیسی باتیں کر رہے ہو بھائی! ہم نے کون سا کمال کیا یہ سب باتیں تو خدا نے میری زبان پر جاری کر دیں اور بس! خدا کرے کہ اس پر ان باتوں کا اثر ہو جائے!

اس کے بعد کہا: یہ جان لو کہ کوئی بھی چیز انسان پر اتنی اثر انداز نہیں ہوتی جتنا کہ نیک برتاؤ! کیا تم نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھی ہے کہ خدا اپنے پیغمبرؐ سے کہتا ہے:

"اے پیغمبر! اگر آپ کا اخلاق تیز اور رویہ سخت ہوتا تو سب لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے!" پس ہمیں کم از کم پیغمبر اسلامؐ کا یہ رویہ اپنانا چاہیئے!

* * *

ایک دو مہینے بعد اسی فیڈریشن سے ایک نئی رپورٹ اس طرح ملی:

صاحب جی بہت بدل گئے ہیں، ان کا اخلاق اور کردار کافی حد تک بدل گیا ہے یہاں تک کہ ان کی بیوی بھی اب مکمل پردے کے ساتھ دفتر کام پر آتی ہے۔

میں نے ابراہیم کو دیکھتے ہی یہ رپورٹ تھما دی، میں اس کے ردّ عمل کا منتظر تھا۔ اس نے رپورٹ پڑھ کر کہا: خدا کا شکر ہے اور اس کے بعد اپنی گفتگو کا موضوع بدل دیا۔

لیکن مجھے اس بات میں ذرہ برابر شک نہیں تھا کہ ابراہیم کے خلوص نے اپنی تاثیر ڈال دی ہے۔ اس کی پر خلوص گفتگو نے صاحب جی کو بدل کر رکھ دیا تھا۔

* * *

لوگوں کی مدد

(شہید کے دوست)

"میرے بندے میرے گھر والے ہیں لہٰذا میرے نزدیک سب سے پسندیدہ شخص وہ ہے جو میرے بندوں کے تئیں مہربان ہو اور ان کی ضرورتیں پوری کرنے میں زیادہ سے زیادہ کوشش کرے"[1]

عجیب منظر تھا، شہید سعیدی روڈ پر کافی بھیڑ جمع تھی۔ ابراہیم اور میں بھی آگے بڑھے اور پوچھا: کیا ہوا؟!

ایک نے کہا:

یہاں پر یہ پاگل لڑکا ہر روز کھڑا ہو کر بالٹی سے اس گندی نالی کا پانی صاف ستھرے لوگوں پر پھینکتا ہے!

اب لوگ آہستہ آہستہ جاتے رہے اور بھیڑ کم ہوتی گئی...

گندا پانی پھینکے جانے والے پینٹ کوٹ پہنے اس آدمی نے کہا: اب میں اس پاگل لڑکے کا کیا کروں...!

بہر حال یہ آدمی بھی چلا گیا اور پھر ہم دو لوگ اور وہ پاگل لڑکا باقی بچ گئے۔

ابراہیم نے لڑکے سے کہا: تم لوگوں پر کیوں گندا پانی پھینکتے ہو؟

لڑکا ہنستے ہوئے کہنے لگا: مجھے مزا آتا ہے۔

1- حدیث قدسی امام صادقؑ

ابراہیم نے تھوڑا سوچ کر کہا: کون تمہیں لوگوں پر گندا پانی پھینکنے کو کہتا ہے؟

لڑکے نے کہا: وہ لوگ مجھے پانچ ریال دے کر کہتے ہیں کہ کس کس پر پانی پھینکوں! اس کے بعد سڑک کے دوسری طرف اشارہ کیا۔

سڑک کے دوسری طرف تین بیکار لونڈے لفنگے زور زور سے ہنس رہے تھے، ابراہیم ان کی طرف جاتے جاتے رک گیا اور کچھ سوچنے کے بعد لڑکے سے کہا:

تمہارا گھر کہاں ہے؟ لڑکے نے اپنے گھر کا راستہ دکھایا۔

ابراہیم نے کہا: اب اگر اس کے بعد تم نے لوگوں کو نہیں ستایا تو میں روزانہ تمہیں دس ریال دے دیا کروں گا، ٹھیک ہے؟

لڑکے نے یہ بات قبول کرلی۔ جب ہم لوگ ان کے گھر کے پاس پہونچے تو ابراہیم نے اس کی ماں کے ساتھ بھی بات کی۔ اور اس طرح اس نے لوگوں کو اس اذیت سے نجات دلادی۔

* * *

ہم لوگ محکمۂ کھیل کے انسپکشن یونٹ میں کام کرتے تھے۔ ایک دن تنخواہ لینے اور دفتر بند کرنے کے بعد اس نے پوچھا: بائیک ساتھ لائے ہو؟

میں نے کہا: ہاں، کیوں کیا بات ہے؟

کہا: اگر تمہیں کوئی خاص کام نہیں تو چلو مارکٹ چلتے ہیں۔

اس نے تقریباً اپنے تنخواہ کے سارے پیسوں سے چاول، گوشت، دال، صابن وغیرہ بہت ساری چیزیں خرید لیں، جیسے کہ اسے پہلے سے ہی شاپنگ کے لئے لسٹ دی گئی تھی۔ اس کے بعد ہم لوگ "مجیدیہ" محلے میں گئے اور ایک گلی میں داخل ہوئے۔ ابراہیم نے ایک گھر کی گھنٹی بجائی۔

ایک بوڑھی عورت (کہ جس کا حجاب بھی صحیح ڈھنگ سے نہیں تھا) نے دروازہ کھولا اور ابراہیم نے یہ سارا سامان اسے تھما دیا، اس بوڑھی عورت کی گردن میں صلیب کا

لاکٹ تھا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ واپس پلٹتے وقت میں نے کہا: بھائی ابراہیم، یہ تو ''ارمنی'' عورت تھی نا؟! اس نے کہا: ہاں تو، کیوں کیا بات ہے؟

میں نے سڑک کے کنارے بائیک کھڑی کرلی اور غصہ ہوتے ہوئے کہا:

بھیا، اتنے سارے مسلمان لوگ فقیر ہیں اور تم عیسائیوں کے ہمدرد بن بیٹھے ہو؟!

میرے پیچھے بیٹھے ہوئے ابراہیم نے پر سکون لہجے میں کہا:

میرے بھائی، مسلمانوں کی مدد کرنے کے لئے بہت سارے لوگ ہیں، امدادی کمیٹی بھی ابھی تازہ ہی بنی ہے، وہ بھی انشاء اللہ ان ہی کی مدد کرے گی۔ لیکن ان بندگان خدا کا یہاں پر کوئی نہیں ہے۔ اس طرح ان کی مشکلات بھی کم ہو جائیں گی اور امام خمینیؒ اور انقلاب کو بھی یہ چاہنے لگیں گے۔

* * *

موجودہ کتاب کا متن پورا ہو چکا تھا اور ابراہیم کی شہادت کو اب چھبیس سال گذر چکے تھے۔ مسجد کے ایک نماز گزار نے مجھے بلا کر کہا: ابراہیم صاحب کی برسی منانے کے سلسلہ میں اگر کوئی کام ہو تو مجھے ضرور بتائیں۔

میں نے تعجب سے پوچھا: کیا آپ شہید ابراہیم ہادی کو پہچانتے تھے؟! کیا آپ نے انہیں دیکھا تھا؟

اس نے کہا: نہیں، میں پچھلے سال شہید ابراہیم ہادی کی برسی منائے جانے تک ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا لیکن ابراہیم صاحب کا میری گردن پر بہت بڑا حق ہے!

گو کہ میں جلدی میں تھا لیکن تھوڑا قریب ہوتے ہوئے تعجب خیز انداز میں، میں نے ان سے پوچھا: کس طرح کا حق؟!

اس نے کہا: آپ لوگوں نے پچھلے سال کی برسی میں ابراہیم صاحب کی فوٹو کے چھلے (key ring) بانٹے، میں نے بھی ایک لیا اور گاڑی کی ساری چابیاں اسی میں رکھ لیں۔ ابھی کچھ دن پہلے کی بات ہے، میں اپنی فیملی کے ساتھ سفر سے لوٹ رہا تھا اور راستہ

میں ہم لوگ کھانا کھانے کے لئے ایک ریسٹورینٹ پر رکے۔ کھانے کے بعد جب میں نے گاڑی کا دروازہ کھولنا چاہا تو دیکھا کہ چابی گاڑی ہی میں رہ گئی ہے، اور گاڑی کے چاروں دروازے سنٹر لاک کی وجہ سے بند ہیں۔ میں نے اپنی اہلیہ سے پوچھا گاڑی کی دوسری چابی جو تمہارے پاس تھی، اس نے کہا وہ تو میرے ہینڈ بیگ میں ہے اور ہینڈ بیگ بھی گاڑی میں ہے!

میں کافی پریشان ہو گیا، جتنی کوشش کی، کارگر ثابت نہ ہوئی، ادھر ٹھنڈک بھی بہت زیادہ تھی، سوچا بغل والا شیشہ توڑ دوں لیکن چونکہ سردی بہت تھی اور راستہ بھی ابھی لمبا تھا، اچانک میری نظر ابراہیم ہادی کی فوٹو پر پڑی، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ مجھے ہی دیکھ رہے ہیں، میں نے بھی تھوڑی دیر تک اسے دیکھا اور کہا:

ابراہیم صاحب! میں نے سنا ہے جب تک آپ زندہ تھے تو لوگوں کی مشکلات کو حل کر دیتے تھے، شہید بھی زندہ ہی ہوتا ہے...!

اس کے بعد میں نے کہا: خدایا! شہید ہادی کی عزت کے واسطے میری مشکل کو حل کر دے!

اتنے میں اچانک میرا ہاتھ میرے کوٹ کی جیب میں چلا گیا اور میں نے گھر کی چابیوں کا گچھا جیب سے نکالا اور ناخواستہ طور پر ایک چابی گاڑی کے لاک میں ڈالی، چابی کو گھمایا تو گاڑی کا دروازہ فوراً کھل گیا۔

خوشی خوشی ہم لوگ گاڑی میں داخل ہوئے، میں نے شکر خدا بجالایا اور پھر ابراہیم صاحب کے فوٹو پر نظریں جماتے ہوئے کہا:

شکریہ! انشاء اللہ میں اس کا جبران کروں گا۔ ابھی ہم وہیں پر رُکے ہوئے تھے کہ میری اہلیہ نے پوچھا: گاڑی کا دروازہ کس چابی سے کھلا؟

میں نے تعجب سے کہا: سچ میں، یہ کون سی چابی تھی؟! میں گاڑی سے اترا اور ایک ایک کر کے ساری چابیوں کو چیک کر کے دیکھا، تعجب کی بات یہ ہے کہ کئی مرتبہ میں نے کوشش کی لیکن ان میں سے ایک بھی چابی اس لاک میں نہیں لگی...!!!

ایسے ہی کھڑے کھڑے میں نے ایک گہری سانس لی اور کہا:

ابراہیم صاحب! بہت بہت شکریہ! آپ تو شہادت کے بعد بھی لوگوں کی مشکلات دور کرنے کے درپے ہیں۔

* * *

کردستان

(مہدی فرید وند)

۱۹۷۹ء کے گرمیوں کی بات ہے اور ہم لوگ نماز ظہرین کے بعد مسجد سلمان کے سامنے کھڑے ابراہیم کے ساتھ بات کر رہے تھے کہ اتنے میں ہمارا ایک ساتھی ہانپتے ہوئے آیا اور کہنے لگا: کیا تم لوگوں نے امام خمینیؒ کا اعلان سنا؟!

ہم نے تعجب سے پوچھا: نہیں تو! کیوں کیا ہوا؟

کہا: امام نے حکم دیا ہے کہ کردستان میں محاصرے میں پھنسے مجاہدین کی مدد کرو۔

اس کے فوراً بعد ہی محمد شاہرودی آیا اور اس نے کہا:

میں، قاسم تشکری اور ناصر کرمانی کردستان جا رہے ہیں۔

ابراہیم نے کہا: ہم لوگ بھی آئیں گے اور پھر ہم روانگی کی تیاری کے لئے گئے۔

سہ پہر چار بجے ہم گیارہ لوگ مل کر ایک بلیزر گاڑی میں کردستان کی طرف روانہ ہو گئے اور صرف ایک ایل ایم جی ۳، چار بندوق اور چند عدد ہینڈ گرینڈ ہمارا سارا سامان تھا۔

اکثر راستے بند تھے اور کئی مقامات پر ہمیں کچے راستوں سے گذرنا پڑا، لیکن خدا کی مدد سے دوسرے دن دوپہر کو ہم لوگ سنندج پہونچ گئے۔ ہر چیز سے بے خبر ہم لوگ شہر میں داخل ہو گئے اور ایک اخبار بیچنے والے کے پاس رک گئے۔

ابراہیم سپاہ پاسداران کیمپ کا ایڈریس پوچھنے کے لئے گاڑی سے اترا تو اچانک چیخنا شروع کر دیا: بے دین! یہ سب تم کیا بیچ رہے ہو؟!

بڑے تعجب سے میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی دکان کے ساتھ میں شراب کے بوتلوں کی کئی لائنیں سجا رکھی ہیں، ابراہیم نے فوراً اپنی بندوق لوڈ کی اور شراب کی بوتلوں پر فائر کھول دیا، شراب کی بوتلیں چکنا چور ہو کر زمین پر گر گئیں اور باقی بچی بوتلوں کو بھی اس نے زمین پر پٹک کر توڑ دیا اور پھر غصہ میں دکاندار کی طرف چلا گیا، جوان دکاندار ڈر کے مارے سہما ہوا تھا اور وہ دکان کے ایک کونے میں چھپ گیا تھا۔

ابراہیم نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے پر سکون لہجہ میں کہا:

دیکھو لڑکے! کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ یہ سب نجاست کیا تم بیچ رہے ہو؟ کیا خدا نے قرآن میں نہیں فرمایا ہے کہ:

"یہ نجاست شیطان کی طرف سے ہے لہٰذا تم لوگ اس سے دور رہو!" (1)

جوان لڑکا ہاں میں اپنا سر ہلاتا مسلسل یہ کہہ رہا تھا:

مجھ سے غلطی ہوئی، مجھے معاف کر دیجئے!

پھر ابراہیم نے کچھ دیر تک اسے نصیحت کی اور اس کے بعد یہ دونوں دکان سے باہر آئے اور اس جوان نے ہمیں سپاہ پاسداران کا پتہ بتایا اور ہم لوگ چل دئے۔

جی ۳ کی گولیوں کی گن گرج سے شہر کی خاموشی ٹوٹ چکی تھی اور سب لوگ سڑکوں پر آکر ہمیں دیکھ رہے تھے اور ہم بھی ہر چیز سے بے خبر شہر میں گھوم رہے تھے یہاں تک کہ ہم لوگ سپاہ پاسداران کیمپ پر پہونچ گئے۔

کیمپ کی ساری دیواریں مٹی کے بوریوں سے چھپا دی گئی تھیں اور یہ ایک فوجی بنکر کی شکل میں دکھائی دے رہا تھا، کہیں سے بھی بلڈنگ نظر نہیں آرہی تھی۔ ہم نے جتنا بھی دروازہ کھٹکھٹایا، کسی نے دروازہ نہیں کھولا اور صرف دروازے کے پیچھے سے وہ یہ کہہ رہے

1۔ سورۂ مائدہ، آیت ۹۰

تھے کہ شہر پر ضد انقلابیوں کا قبضہ ہے اور تم لوگ بھی یہاں پر مت ٹھہرو، فوراً ائر پورٹ کی طرف چلے جاؤ!

ہم نے کہا: ہم لوگ یہاں تمہاری مدد کے لئے آئے ہیں، کم سے کم اتنا تو کہو کہ ائر پورٹ کہاں ہے؟

سپاہ پاسداران کا ایک فوجی دیوار کے اوپر سے آیا اور کہنے لگا:

یہاں کے حالات پُرامن نہیں ہیں، یہ لوگ آپ کی گاڑی پر بھی حملہ کر سکتے ہیں، اس طرف سے فوراً شہر سے باہر چلے جاؤ، آگے سیدھے چل کر ائر پورٹ پہونچ جاؤگے، انقلابی فوجیں وہیں پر پوزیشن سنبھالے ہوئے ہیں۔

ہم لوگ چل دئے اور ائر پورٹ پہونچ گئے، وہاں ہمیں پتہ چلا کہ سنندج میں کیا ہو رہا ہے، سپاہ پاسداران کیمپ اور ائر پورٹ کے علاوہ سارا شہر اور علاقہ ضد انقلابیوں کے ہاتھ میں تھا۔

ملٹری کے تین بٹالین وہاں پر موجود تھے اور اس کے علاوہ سپاہ پاسداران کا بھی ایک بٹالین ائر پورٹ پر موجود تھا، وقفے وقفے سے شہر کے اندر سے ائر پورٹ کی طرف گولہ باری جاری تھی۔

ہم نے پہلی بار محمد بروجردی کو وہیں پر دیکھا تھا، بھورے رنگ کے بال اور داڑھی اور پر کشش اور مسکراتا چہرے والا جوان...

جناب بروجردی صاحب ان بحرانی حالات میں بہترین طریقے سے فوجوں کی قیادت کر رہے تھے، بعد میں مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ سپاہ پاسداران کی مغربی کمان کے کمانڈر ان چیف تھے۔

دوسرے دن بروجردی صاحب کے ساتھ ایک میٹنگ ہوئی جس میں آرمی کے بھی سارے کمانڈر موجود تھے۔

آپ نے فرمایا کہ:

امام خمینی کے فرمان پر کافی سارے مجاہدین ادھر آرہے ہے اور ضد انقلابی فوجیں اب ڈر گئی ہیں، شہر کے اندر ان کے دو اہم اڈّے ہیں، ہمیں ان اڈوں پر دھاوا بولنے کا ایک پلان تیار کرنا ہوگا۔

اس میٹنگ میں مختلف طرح کی باتیں ہوئیں، ابراہیم نے کہا:

جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں لوگوں کا ان سے کوئی رابطہ نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ ہم پہلے ضد انقلابیوں کے ایک اڈے پر حملہ کریں اور پھر کامیابی کی صورت میں دوسرے اڈے کا رُخ کریں گے۔

یہ پلان سب کو پسند آیا اور یہ طے پایا کہ فوج کو حملے کے لئے تیار کرلیا جائے لیکن اسی دن سپاہ پاسداران کا بٹالین "پاوہ" نامی علاقے میں تعینات ہونے کے لئے بھیج دیا گیا اور اب صرف ملٹری کے ہی تین بٹالین کمان کے اختیار میں رکھے گئے۔

ابراہیم اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ سارے مورچوں پر جاتے اور فوجی جوانوں کے ساتھ گفتگو کرکے ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

اس کے بعد وہ تربوز کی ایک گاڑی بھر کر لائے اور فوجوں میں تربوز بانٹے اور اس سے فوجی جوانوں کی انسیت ان کے ساتھ اور بھی بڑھ گئی،

اس طرح یہ لوگ مختلف طریقوں سے فوجوں کے حوصلے بڑھا رہے تھے۔

ایک دن صبح سویرے خلخالی صاحب بھی آپہونچے اور فوج مزید مضبوط ہوگئی اور دوسرے شہروں سے بھی مجاہدین کی ایک بڑی تعداد سنندج ائرپورٹ پر پہونچ گئی اور لازمی تیاری کے بعد جوانوں میں ہتھیار بانٹے گئے۔ دوپہر سے پہلے ہی ہم نے ضد انقلابیوں کے ایک اڈے پر حملہ بول دیا، اتنی جلدی ہم نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے، پھر ہم نے اکثر ضد انقلابیوں کو گرفتار کرلیا۔

اس اڈے کے اندر سے ہم نے کافی سارا ہتھیار، بڑی مقدار میں امریکی ڈالر اور جعلی پاسپورٹ اور شناختی کارڈ ضبط کر لئے۔ ابراہیم نے ان سب چیزوں کو (ہتھیار کے علاوہ) ایک بوری میں ڈال کر سیل کر دیا اور پھر سپاہ پاسداران کے کمانڈر کے حوالے کر دیا۔

ضد انقلابیوں کا دوسرا اڈہ بھی بغیر کسی مزاحمت کے قبضہ میں آگیا اور اس طرح سنندج شہر پر دوبارہ انقلابی فوجوں کا قبضہ ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد ملٹری کمانڈر کہتا تھا کہ :

اگر ہم لوگ کئی سال اور بھی صبر کرتے پھر بھی ہمارے فوجی جوان اس طرح کے حملے کی جرأت پیدا نہیں کر سکتے تھے، یہ سب ہادی صاحب اور ان کے دوستوں کا کمال ہے جنہوں نے جوانوں کے ساتھ انسیت بڑھا کر ان کی حوصلہ افزائی کی۔

اس قلیل عرصے میں کمانڈروں نے ابراہیم اور دوسرے دوستوں کو اچھی فوجی تربیت دی اور بہت سارے فنون جنگ سکھائے اور اس طرح یہ لوگ زبردست ممتاز فوجی بن گئے کہ جس کے جلوہ ہم نے دفاع مقدس کے مختلف میدانوں میں واضح طور پر دیکھے۔

سنندج کا ماجرا نہایت مختصر مدت میں ختم ہو گیا، اگرچہ کردستان کے بعض شہروں میں ابھی بھی مختصر سی لڑائی جاری تھی۔

ستمبر ۱۹۷۹ء میں ہم لوگ واپس تہران لوٹے۔ قاسم اور بعض دیگر افراد کردستان ہی میں رُکے اور شہید چمران کی فوج کے ساتھ ملحق ہوئے۔

واپسی کے بعد ابراہیم، محکمۂ کھیل کے انسپکشن آفس سے ایجوکیشنل بورڈ میں چلا گیا۔ اگرچہ اس کی یہ درخواست قبول نہیں کی گئی لیکن کافی اصرار اور دوڑ دھوپ کے بعد اس نے اپنا تبادلہ کروا ہی لیا۔ وہ ایک ایسے محکمہ میں داخل ہوا کہ جہاں ابراہیم جیسے افراد کی شدید ضرورت تھی اور ہے۔

* * *

مثالی استاد

(عباس ہادی)

ابراہیم کہتا تھا:

اگر ہمیں انقلاب کو زندہ رکھنا ہے اور بعد والی نسلوں کو انقلابی بنانا ہے تو ہمیں اسکولوں میں کام کرنا ہوگا کیونکہ ہمیں اپنے ملک کا مستقبل ایسے افراد کے ہاتھوں میں دینا ہے جنہوں نے شہنشاہی طاغوت کے دور کے حالات نہیں دیکھے ہیں!

جب وہ ایسے افراد کو استاد کی حیثیت سے اسکول جاتے دیکھتا جو انقلابی نہیں ہیں، تو کافی رنجیدہ خاطر ہو کر کہتا:

سب سے بہترین اور کارآمد انقلابی افراد کو اسکولوں اور خاص طور پر ہائی اسکولوں میں کام کرنا چاہئے!

اسی وجہ سے اس نے کم زحمت والا کام چھوڑ دیا اور ایک تکلیف دہ کام کی ذمہ داری لے لی جہاں کی تنخواہ بھی بہت کم تھی، لیکن وہ کبھی بھی مادی چیزوں سے وابستہ نہیں رہا، کہتا تھا:

رزق و روزی تو خدا خود ہی پہونچاتا ہے، پیسہ میں برکت ہونی چاہئے، یہ زیادہ اہم ہے اور جو بھی کام خدا کے لئے ہو، اس میں برکت ہوتی ہے۔

بہر حال وہ دو اسکولوں میں پڑھانے میں مصروف ہو گیا، ابوریحان ہائر سکینڈری میں ورزش سکریٹری اور ایک محروم مڈل اسکول میں عربی استاد!

البتہ ابراہیم نے زیادہ دن تک عربی نہیں پڑھائی اور اُسی سال کے وسط میں اس نے مڈل اسکول جانا چھوڑ دیا لیکن یہ بات کسی کو نہیں بتائی کہ اس نے مدرسہ کیوں چھوڑ دیا۔

ایک دن اس اسکول کا پرنسپل میرے پاس آیا اور کہنے لگا:

آپ تو ہادی صاحب کے بھائی ہیں، خدارا ان کے ساتھ بات کریں اور انہیں واپس اسکول آنے پر تیار کریں!

میں نے کہا: کیوں کیا بات ہے؟!

اس نے تھوڑا ٹھہر کر کہا:

دراصل بات یہ ہے کہ ابراہیم صاحب ہر روز ایک لڑکے کو اپنی جیب سے پیسہ دے کر پہلے پیریڈ میں روٹی منگواتے اور اپنی کلاس کے بچوں کو کھلاتے تھے۔ ہادی صاحب کی نظر میں یہ محروم علاقے کے بچے تھے اور ان میں سے زیادہ تر بچے بھوکے ہوتے تھے اور بھوکا بچہ سبق نہیں سیکھ پاتا ہے۔

میں نے بچکانہ حرکت کرتے ہوئے ہادی صاحب کو ٹوکا اور کہا:

آپ نے اسکول کا نظم و نسق خراب کر دیا ہے، حالانکہ اسکول کے نظم و نسق میں کسی طرح کی کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ پھر میں نے انہیں زور زور سے ڈانٹتے ہوئے کہا: آج کے بعد آپ کو ایسا کام کرنے کا کوئی حق نہیں ہے!

ہادی صاحب ہمارے اسکول سے چلے گئے اور ایک دوسرے اسکول میں پڑھانے لگے اور اب بچوں کے والدین نے مجھ پر دباؤ ڈالا ہے کہ میں انہیں واپس پڑھانے کے لئے بلاؤں! ان کے اخلاق اور پڑھانے کے طریق کار کو سبھی لوگ پسند کرتے ہیں، انہوں نے اسی قلیل عرصے میں اسکول کے بہت سارے نادار اور یتیم بچوں کے لئے کافی سارے وسائل خرید لئے تھے جس کی اطلاع حتیٰ خود مجھے بھی نہیں تھی۔

میں نے ابراہیم کے ساتھ بات کی اور اسکول کے پرنسپل کے آنے کا سارا قضیہ اسے سنا دیا، لیکن اب بات کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا، اس نے دوسرے اسکول میں پڑھانا شروع کر دیا تھا۔

ابوریحان ہائر سکینڈری میں ابراہیم نہ صرف ورزش کا استاد تھا بلکہ بچوں کے اخلاق و کردار کا بھی استاد تھا، چونکہ بچوں نے اپنے استاد کی پہلوانی اور چمپئن شپ کی داستانیں سنی تھیں لہٰذا وہ اس کے فریفتہ تھے۔ اس دور میں زیادہ تر انقلابی جوان اپنی ظاہری شکل و صورت پر اہمیت نہیں دیتے تھے لیکن ابراہیم سج دھج کر اور پینٹ کوٹ پہن کر اسکول آتا تھا۔ نورانی اور خوبصورت چہرے، شیریں بیانی اور بہترین چال چلن سے وہ ایک مکمل استاد بن چکا تھا۔

کلاس سنبھالنے میں وہ کافی ماہر تھا، صحیح وقت پر ہنستا اور مذاق کرتا اور مناسب موقع پر بچوں کو جذب کرتا تھا۔ وقفہ (Interval) کے دوران بچوں کے ساتھ صحن میں آتا تھا اور اکثر بچے اسی کے ارد گرد جمع ہو جاتے تھے۔ اسکول میں سب سے پہلے داخل ہوتا اور سب کے آخر میں وہاں سے واپس نکلتا تھا اور ہمیشہ اس کے ارد گرد بچوں کی بھیڑ ہوتی تھی۔

ایسے دور میں جبکہ سیاسی کشمکش کا دور دورہ تھا، ابراہیم نے انقلاب کی خدمت کے لئے بہترین جگہ کا انتخاب کیا۔

یہ بات مجھے اچھی طرح یاد ہے جب کچھ جوان لوگ کچھ سیاسی افکار سے متأثر ہو گئے تھے اور ایک دن، نماز مغربین میں اس نے انہیں مسجد میں بلایا اور حالات و شرائط سے بخوبی آگاہ کچھ انقلابی دوستوں کی موجودگی میں سوال و جواب کا جلسہ رکھا، اس رات ان جوانوں کو تمام سوالات کا جواب ملا۔

جب یہ جلسہ ختم ہوا تو اس وقت رات کے دو بج رہے تھے!

۱۹۷۹ء کے تعلیمی سال میں ہادی صاحب کو مثالی سکریٹری کا ایوارڈ ملا، اگرچہ یہ اس کا استادی کا پہلا اور آخری سال تھا۔ ۲۱ ستمبر ۱۹۷۹ء کو ابراہیم کی دائمی ملازمت کا آڈر نکلا، لیکن جنگ کے حالات دیکھ کر پھر وہ دوبارہ کلاس میں نہیں جا پایا۔

اس سال ابراہیم کی مصروفیات بہت زیادہ تھیں، اسکول میں پڑھانا، انقلابی کمیٹی میں فعالیت، کشتی اور روایتی ورزش، مسجد کی سرگرمی اور عزاداری کمیٹی میں مرثیہ خوانی وغیرہ اور بہت سارے انقلابی پروگراموں میں دوستوں کا ہاتھ بٹانا وغیرہ، ایسے کام تھے کہ جن کی انجام دہی کے لئے متعدد افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔

* * *

کھیل سکریٹری

(شہید رضا ہوریار)

یہ مئی ۱۹۸۰ء کی بات ہے اور میں شہداء ہائر سکینڈری میں کھیل سکریٹری تھا، ہمارے اسکول کے ساتھ ہی ابو ریحان ہائر سکینڈری واقع تھی اور ابراہیم وہاں کا کھیل سکریٹری تھا۔

میں اس سے ملنے گیا اور ہم دونوں نے کافی دیر تک گفتگو کی، میں اس کی سوجھ بوجھ اور اخلاق کا فریفتہ ہو گیا، اسکول کا وقت اب ختم ہونے جا رہا تھا۔ اس نے کہا:

چلو ایک نفری والیبال کھیلتے ہیں!؟

مجھے ہنسی آگئی، کیونکہ میں قومی والیبال ٹیم کے ساتھ عالمی مقابلے کھیل چکا تھا اور اپنے آپ کو ایک زبردست ماہر سمجھتا تھا اور اب یہ صاحب چاہ رہے ہیں...!

میں نے کہا چلو ٹھیک ہے، من ہی میں کہا:

میں تھوڑا ہلکا ہی کھیلوں گا تا کہ اس کی بے عزتی نہ ہو!

اس نے پہلی سرویس پھینکی، وہ اس قدر تیز تھی کہ میں اسے پکڑ نہیں پایا، پھر دوسری اور تیسری اور... میرے چہرے کا رنگ ہی اڑ گیا، اسکولی بچوں کے سامنے میں ہار رہا تھا۔

اس کے ہاتھ کا شاٹ کافی عجیب تھا، اس کی پھینکی ہوئی سرویس کا پکڑنا حقیقت میں مشکل تھا، فیلڈ کے چاروں طرف بچوں کا گھیراؤ تھا۔ اس نے مجھ پر ایک نظر ڈالی اور پھر

آہستہ سے سروس ڈالی اور اب کی بار میں ایک پوائنٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا اور پھر دوسرا اور تیسرا اور...

وہ چاہ رہا تھا میری بے عزتی نہ ہو لہٰذا جان بوجھ کر والیبال کو اِدھر اُدھر پھینکتا اور اپنا پوائنٹ گراتا تھا یہاں تک کہ میں بھی اس کے پوائنٹ تک پہونچا۔ یہاں پر کھیل دو دو پر برابر تھا۔ میں نے والیبال کو اس کی طرف پھینکا تاکہ وہ سروس ڈالے لیکن اس نے والیبال ہاتھ میں لی اور ادھر سے اللہ اکبر کی آواز آئی، یہ اذان ظہر تھی، والیبال زمین پر رکھی اور قبلہ رخ ہو کر زور زور سے اذان کہنے لگا، پوری ہائر سکینڈری میں اس کی آواز گونجنے لگی اور بچے لوگ ایک ایک کر کے وضو کرنے گئے، کچھ بچے اپنے گھر چلے گئے، اس نے وہیں صحن پر ہی نماز شروع کر دی اور اس کے پیچھے بچوں نے بھی صفیں باندھیں اور اسکول کے صحن میں نماز جماعت برپا ہو گئی، ہم سبھی نے اس کی اقتدا میں نماز جماعت پڑھی۔

نماز ختم ہونے کے بعد وہ میری طرف پلٹا، مصافحہ کیا اور کہا:

رضا صاحب! رقابت اس وقت حسین اور خوبصورت ہو جاتی ہے جب اس کے ساتھ رفاقت اور دوستی بھی ہو۔[1]

* * *

[1]- ورزشکار اور کھلاڑی کمانڈر رضا ہوریار انقلاب سے پہلے بہروں کی قومی والیبال ٹیم کے ساتھ عالمی مقابلے میں گیا اور چمپئن بن گیا (اگرچہ خود وہ بہرا نہیں تھا)، رضا کربلائے پنج نامی فوجی آپریشن میں اپنے شہید دوستوں کے ساتھ جاملا۔

اوّل وقت کی نماز

(شہید کے چند دوست)

اس کی تمام سر گرمیوں کا مرکز نماز تھی۔ ابراہیم سخت ترین حالات میں بھی نماز کو اول وقت پڑھتا تھا اور اکثر جماعت کے ساتھ اور مسجد میں، اور دوسروں کو بھی باجماعت نماز پڑھنے کی دعوت دیتا تھا؛

وہ امیر المومنینؑ کی اس حدیث کا مصداق تھا کہ :

"جو شخص مسجد میں اپنی رفت وآمد جاری رکھے گا وہ مندرجہ ذیل فوائد سے بہرہ مند ہو گا:

۱۔ اسے ایسا (دینی) بھائی ملے گا جو راہ خدا میں اس کے ساتھ دوستی کرے گا،

۲۔ تازہ علم،

۳۔ رحمت جو اس کے انتظار میں ہوتی ہے،

۴۔ ایسی نصیحت جو اسے ہلاکت سے نجات دلائے گی،

۵۔ ایسی بات جو اس کے ہدایت کا سبب بن جائے،

۶۔ ترک گناہ۔"[1]

ابراہیم انقلاب سے پہلے بھی نماز صبح کو مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھتا تھا۔ اس کا کردار ہمیں شہید رجائی کے اس معروف جملے کی یاد دلاتا ہے کہ :

1۔ مواعظ عددیہ، ص ۲۸۱

"نماز سے مت کہو کہ مجھے کام ہے بلکہ کام سے کہو کہ نماز کا وقت ہے۔"

اس کے کردار کی بہترین مثال پہلوان کلب کے رِنگ میں نماز جماعت برپا کرنا ہے،

جب ورزش کرتے کرتے اذان کا وقت ہو جاتا تو ورزش چھوڑ کر نماز جماعت برپا کر لیتا تھا۔

سفر میں یا محاذ جنگ پر جب اذان کا وقت ہو جاتا تو ابراہیم اذان کہتا اور گاڑی روک کر سب کو نماز جماعت پڑھنے پر اکساتا۔ ابراہیم کی حسین اور دلنشین اذان سب کو اپنی طرف جذب کر دیتی تھی۔ وہ پیغمبر اعظمؐ کے اس نورانی کلام کا مصداق تھا کہ:

"خدا نے وعدہ کیا ہے کہ موذّن، وضو کرنے والے اور مسجد میں نماز جماعت میں شرکت کرنے والے شخص کو حساب و کتاب کے بغیر ہی جنت میں جگہ دیدے گا۔"[1]

علاقے کی اکثر مسجدوں میں جانے والے جوانوں کے ساتھ ابراہیم کی دوستی تھی۔ اس نے جوانی کے دور سے ہی اپنے لئے ایک عبا خریدی تھی اور اکثر اوقات وہ عبا ڈال کر نماز پڑھتا تھا۔

* * *

۱۹۸۰ء کی بات ہے اور بسیج کا پروگرام آدھی رات تک جاری تھا ، اذان صبح سے دو گھنٹے پہلے پروگرام ختم ہوا، ابراہیم نے جوانوں کو جمع کیا اور کردستان میں گذرے واقعات انہیں سنانے لگا، اس کی داستانیں دلچسپ بھی تھیں اور ہنسنے والی بھی! اس نے جوانوں کو اذان صبح تک جگائے رکھا اور پھر سب نے نماز جماعت پڑھی اور اپنے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

1۔ مستدرک الوسائل، جلد ۶، صفحہ ۴۴۸

آخر میں ابراہیم نے بسیج کے منتظم سے کہا: اگر یہ جوان لوگ اسی وقت گھر چلے جاتے تو نہیں معلوم نماز صبح کے لئے اٹھ بھی جاتے یا نہیں !آپ لوگ یا تو بسیج کا پروگرام جلدی ختم کیا کریں ورنہ اذان صبح تک جاری رکھا کریں تاکہ ان کی نماز قضا نہ ہو!

ابراہیم پورا دن ایک شوخ مزاج اور مذاقیہ انسان بن کے رہتا تھا اور عامیانہ باتیں کرتا رہتا تھا لیکن رات کو معمولاً سحر کے وقت جاگ جاتا اور نماز شب میں مشغول ہو جاتا تھا، اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ یہ کام پوری طرح خفیہ طور پر انجام پائے۔

حالیہ دنوں میں اب ابراہیم کی سحر خیزی بھی طولانی ہوتی تھی جیسے وہ جانتا تھا کہ احادیث میں شیعہ ہونے کی علامت یہی سحر خیزی اور نماز شب بتائی گئی ہے۔ دعائے کمیل، دعائے ندبہ اور دعائے توسل پڑھنے کا پابند تھا۔ ہر روز کی دعاؤں اور زیارتوں کو نماز صبح کے بعد پڑھتا تھا۔ ہر روز زیارت عاشورا یا اس کا آخری سلام پڑھتا تھا، ہمیشہ آیۂ "وجعلنا..."(سورہ یٰسین :آیت ۹) کی تلاوت کرتا تھا۔

ایک دن میں نے کہا: ابراہیم صاحب ! یہ آیت تو دشمن سے در امان رہنے کے لئے ہے اور یہاں تو کوئی دشمن موجود نہیں ہے !

ابراہیم نے ایک معنی خیز نظر ڈالتے ہوئے کہا:

کیا شیطان سے بھی بڑا کوئی دشمن موجود ہے ؟!

* * *

ایک دن نوجوان اور نماز کی اہمیت کے سلسلہ میں گفتگو ہو رہی تھی تو ابراہیم نے کہا:

جب میرے والد صاحب کی رحلت ہوئی تو مجھے بہت دکھ ہوا۔ شام کو مہمانوں کے جانے کے بعد میں نے خدا سے روٹھتے ہوئے نماز نہیں پڑھی اور ایسے ہی سو گیا۔ میں نے سوتے ہی فوراً اپنے والد صاحب کو خواب میں دیکھا! انہوں نے گھر کا دروازہ کھولا اور غصہ میں سیدھے کمرے کی طرف آئے اور میرے سامنے کھڑے ہو گئے۔ کچھ دیر تک وہ میرے

چہرے کو گھورتے رہے اور اسی لمحہ میں نیند سے جاگ گیا۔ میرے والد کی نظر کے پیچھے کافی ساری باتیں پوشیدہ تھیں، ابھی نماز قضا نہیں ہوئی تھی، میں اٹھا، وضو کیا اور نماز پڑھی۔

* * *

نماز جمعہ ایک اور ایسا مسئلہ تھا جس کو وہ بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے، اگرچہ نماز جمعہ قائم ہونے کے بعد سے ابراہیم مسلسل یا تو کردستان میں تھا اور یا محاذ جنگ پر! لیکن جب ابراہیم تہران میں موجود ہوتا تو نماز جمعہ میں ضرور شرکت کرتا تھا، کہتا تھا: آپ لوگوں کو نہیں معلوم کہ نماز جمعہ پڑھنے میں کتنا ثواب اور کتنی برکتیں ہیں۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں:

"نماز جمعہ کی طرف اٹھنے والے ہر ہر قدم پر خداوند عالم جہنم کی آگ کو حرام قرار دیتا ہے"[1]

* * *

1۔ نماز در آئین حدیث، صفحہ ۱۰۱، حدیث ۲۱۵

چور کے ساتھ برتاؤ

(عباس ہادی)

ہم لوگ کمرے میں مہمان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ باہر والے کوچے سے کچھ آواز آئی، ابراہیم نے فوراً کھڑکی سے باہر کی طرف جھانکا تو دیکھا ایک شخص اس کے بہنوئی کی بائیک چُرا کر بھاگ رہا تھا۔

" پکڑو، چور، چور!"

یہ کہتے ہوئے فوراً دروازے کی طرف دوڑا؛

محلہ کے ایک جوان نے بائیک پر ایک لات ماری تو چور موٹر سائیکل سمیت زمین پر گر پڑا۔ چور کے ہاتھ میں چوٹ لگی اور خون بہنے لگا، اس کے چہرے پر خوف و ہراس اور پریشانی کے آثار صاف نمایاں تھے؛

اتنے میں ابراہیم بھی پہونچا، زمین پر سے بائیک اٹھائی، اسٹارٹ کی اور کہا:

فوراً بائیک پر بیٹھ جاؤ!

اسی بائیک پر اسے اسپتال لے گیا اور اس کے ہاتھ کی ڈریسنگ کرائی، پھر ایک ساتھ مسجد چلے گئے اور نماز کے بعد ابراہیم اس کے پاس آکر بیٹھ گیا اور کہا:

تم چوری کیوں کرتے ہو؟! حرام پیسہ تو...

چور روتے ہوئے کہنے لگا:

یہ سب میں جانتا ہوں لیکن میں بے روزگار ہوں، اور میرے بیوی بچے ہیں، میں اس شہر کا اصلی باشندہ نہیں ہوں، مجبور ہوں!

ابراہیم تھوڑی دیر سوچنے لگااور پھر اٹھ کرایک نماز گذار کے پاس چلا گیااور اس کے ساتھ کچھ بات کی اور خوش ہو کر واپس پلٹااور کہا:

خدا کا شکر ہے، میں نے تمہارے لئے ایک اچھا کام ڈھونڈ لیا ہے، کل سے کام پر چلے جانا۔ یہ تھوڑا سا پیسہ رکھ لو اور خدا سے بھی مدد طلب کرو!

ہمیشہ حلال کی تلاش میں رہو، مال حرام زندگی کو آگ لگادیتا ہے، حلال کمائی کم ہی ہو لیکن اس میں برکت ہوتی ہے۔

* * *

جنگ کا آغاز

(تقی مسگرہا)

یہ ۲۱ ستمبر ۱۹۸۰ء پیر کا دن تھا، صبح کے وقت میں نے ابراہیم اور اس کے بھائی کو دیکھا جو گھر بدلنے میں مصروف تھے۔ میں نے سلام کیا اور کہا:

آج سہ پہر کو قاسم رسد رسانی کی ایک گاڑی سے کردستان جارہے ہیں اور ہم لوگ بھی ان کے ساتھ ہیں۔

اس نے تعجب سے پوچھا: کیوں کوئی مسئلہ پیش آیا ہے؟!

میں نے کہا: ممکن ہے دوبارہ لڑائی چھڑ جائے۔

اس نے کہا: ٹھیک ہے اگر ممکن ہوا تو میں بھی آؤں گا۔

ٹھیک اسی دن ظہر کے وقت عراقی جنگی جہازوں کی بمباری کے ساتھ ہی جنگ شروع ہوگئی۔ سارے لوگ سڑکوں پر نکل کر آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شام چار بجے ہم لوگ سڑک پر آگئے اور قاسم تشکری بھی ایک جیپ پر کافی زیادہ رسد رسانی کا سامان لے کر آیا، اس کے ساتھ علی خرم دل بھی تھا۔ ہم جیپ پر بیٹھے ہی تھے کہ عین وقت پر ابراہیم بھی آ پہونچا اور جیپ میں بیٹھ گیا۔

میں نے کہا: ابراہیم بھائی! آپ کو تو آج گھر بدلنا تھا!؟

اس نے کہا: ہم نے پہلے نئے گھر میں سارا سامان رکھ دیا، پھر میں یہاں چلا آیا۔

اب جنگ کا دوسرا دن شروع ہو چکا تھا۔ کافی مشکل اور کچے راستوں سے گذرنے کے بعد ظہر سے پہلے ہی ہم لوگ سرپل ذہاب پہونچے۔ یہاں پر دکھائی دینے والے مناظر

پر کوئی یقین ہی نہیں کر سکتا تھا، لوگ جوق در جوق شہر سے بھاگ رہے تھے، شہر کے اندر سے توپ اور مارٹر گولوں کے پھٹنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ہم کیا کریں۔ شہر میں داخل ہونے کے لئے ہم ایک درّے سے گذرے، دور سے ہم نے سپاہ پاسداران کے ایک فوجی کو ہاتھ ہلاتے دیکھا۔ میں نے کہا: قاسم! دیکھو یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ جلدی سے ادھر آجاؤ!

اچانک ابراہیم نے کہا: اِدھر دیکھو! اور پھر مقابل سمت کی طرف اشارہ کیا۔

ٹیلے کے اس طرف سے عراقی ٹینکیں صاف دکھائی دے رہی تھیں جو مسلسل گولے داغ رہے تھے۔ چند ایک گولے ہماری جیپ کے اِرد گرد بھی پھٹے لیکن خدا کا شکر کہ گاڑی بچ گئی۔ درّہ پار کرکے ہم لوگ جو اس طرف پہونچے تو سپاہ پاسداران کا یہ جوان سامنے آیا اور کہنے لگا:

تم لوگ کون ہو؟ میں مسلسل تمہیں اس طرف نہ آنے کا اشارہ کر رہا تھا لیکن تم لوگ آگے ہی بڑھتے رہے!

قاسم نے پوچھا: یہاں پر کیا مسئلہ ہے؟ کمانڈر کون ہے؟

اس جوان نے جواب دیا:

اس وقت یہاں کمانڈر بروجردی صاحب ہیں جو شہر کے اندر سپاہیوں کے ساتھ ہیں۔ آج صبح کے وقت عراقیوں نے شہر کا زیادہ تر حصہ اپنے قبضے میں کر لیا تھا لیکن ہمارے حملے سے انہوں نے پسپائی اختیار کر لی۔

ہم لوگ یہاں سے نکلے اور شہر کے اندر پہونچ گئے اور ایک پرامن جگہ پر گاڑی پارک کر لی۔ قاسم نے وہیں پر دو رکعت نماز پڑھی۔

ابراہیم آگے گیا اور تعجب سے پوچھا: قاسم، یہ کون سی نماز تھی؟

قاسم نے پر سکون لہجہ میں کہا: میں کردستان میں ہمیشہ خدا سے یہ دعا کرتا تھا کہ اسلام اور انقلاب کے دشمنوں کے ساتھ مقابلے میں، میں اسیر یا اپاہج نہ ہوں لیکن اس بار میں نے خدا سے چاہا ہے کہ مجھے شہادت نصیب فرمائے! کیونکہ اب مجھے یہ دنیا برداشت نہیں ہو پا رہی ہے!

ابراہیم بڑے غور سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کے بعد ہم لوگ کمانڈر محمد بروجردی کے پاس گئے، وہ پہلے سے ہی قاسم کو اچھی طرح پہچانتے تھے، وہ ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

تھوڑی بہت گفتگو کے بعد انہوں نے ہمیں ایک جگہ دکھائی اور کہا:

دو بٹالین فوجی اس طرف گئے ہیں جن کا کوئی کمانڈر نہیں ہے، قاسم جان! جاؤ اور دیکھو کہ کیا تم انہیں واپس شہر میں لا سکتے ہو کہ نہیں!

یہ سن کر ہم سب لوگ اسی طرف چلے گئے، یہاں فوجی جوانوں کی کافی بھیڑ تھی اور سبھی جوان مسلح اور تیار تھے لیکن کافی ڈرے ہوئے تھے اور انہیں عراق کی طرف سے اس طرح کے حملے کی کوئی توقع نہ تھی۔ قاسم اور ابراہیم آگے بڑھے اور گفتگو شروع کی اور ایسی تقریریں کی کہ ان میں سے بہت سارے جوان جذباتی ہو گئے۔

انہوں نے اپنی تقریروں کے آخر میں کہا:

جو بھی غیرت والا مرد ہے اور بہادر ہے اور چاہتا ہے کہ ہماری ناموس تک ان عراقی بعثیوں کے ہاتھ پہونچنے نہ پائیں تو وہ ہمارے ساتھ چلا آئے۔

ان کی ان تقریروں سے تقریباً سارے فوجی جوان شہر کی طرف چل پڑے۔

قاسم کی کمانڈ میں فوج کو منظم کرتے ہوئے ہم لوگ شہر میں داخل ہو گئے اور جگہ جگہ مورچے بنا لئے۔ بعض فوجوں نے کہا کہ ہمارے پاس "توپ ۱۰۶" بھی ہے...،

قاسم نے بھی ایک اچھی جگہ ڈھونڈ لی اور توپ کو وہاں پر نصب کر دیا گیا اور گولہ باری شروع کر دی۔

توپ کے چند گولے پھینکنے سے عراقی ٹینکیں پیچھے کی طرف ہٹ گئیں اور اپنے مورچوں میں واپس پوزیشن سنبھالی۔ ہمارے فوجی جوانوں کے حوصلے بھی کافی بڑھ گئے۔

اب جنگ کے دوسرے دن سورج ڈوبنے کا وقت آچکا تھا۔ قاسم نے ایک گھر کو ہیڈ کواٹر کے طور پر انتخاب کر لیا جو فوجوں کے مورچوں سے بھی نزدیک ہو اور پھر مجھ سے کہا کہ جاؤ اور ابراہیم سے کہو کہ دعائے توسل پڑھتے ہیں!

شب بدھوار تھی اور میں ابراہیم کو بلانے گیا اور قاسم مغرب کی نماز پڑھنے میں مصروف ہو گیا، ابھی میں زیادہ دور نہیں جاپایا تھا کہ ایک مارٹر گولہ آکر اسی گھر کے دروازے پر پھٹا۔ میں نے کہا چلو خدا کا شکر کہ قاسم اندر جاچکا تھا لیکن پھر بھی میں واپس پلٹ گیا اور ابراہیم بھی دھماکے کی آواز سن کر جلدی سے ہماری طرف آگیا۔

ہم لوگ کمرے میں داخل ہوئے تو جو دیکھا اس پر یقین نہیں آرہا تھا...! مسور کی دال کے دانے کے برابر بم کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا کھڑکی سے اندر آکر قاسم کے سینے پر لگ گیا تھا اور قاسم نماز کی حالت میں ہی اپنی آرزو کو حاصل کر چکا تھا!

یہ خبر سنتے ہی محمد بروجردی کافی رنجیدہ ہو گئے۔

اس رات ہم نے قاسم کے جنازے کے پاس ہی دعائے توسل پڑھی اور دوسرے دن قاسم کا جنازہ تہران کی طرف روانہ کر دیا۔

دوسرے دن ہم لوگ فوجی ہیڈ کواٹر پر چلے گئے جہاں ہم سے کہا گیا کہ تم لوگ اسلحہ گودام کی سکیورٹی پر رہو اور پھر اسلحہ سے بھرا ہوا ایک اسکول ہمارے حوالے کیا گیا۔

ایک دن تک ہم لوگ وہاں پر تھے چونکہ یہاں پر امن نہیں تھا لہٰذا سارا اسلحہ شہر کے باہر منتقل کر دیا گیا۔

ابراہیم مذاق میں کہتا: دوستو! یہاں پر زیادہ سے زیادہ یاد خدا میں رہو کیونکہ اگر یہاں پر کوئی گولہ آکر پھٹا تو ہمارے پرخچے اڑ جائیں گے!

جب اسلحہ خانہ خالی ہو گیا تو ہم لوگ محاذ جنگ کی طرف چلے گئے۔

یہاں مورچے سرپل ذہاب کے مغرب میں بنائے گئے تھے۔ اصغر وصالی اور علی قربانی جیسے تربیت شدہ فوجی کمانڈران، مجاہدوں کی کمان سنبھالے ہوئے تھے۔

''پاوہ'' نامی علاقے میں ان کا ایک ''لال رُمال'' نامی چھاپہ مار دستہ تھا اور اب یہ لوگ ان ہی افراد کے ہمراہ سرپل ذہاب آئے ہوئے تھے۔

ہم نے شہر میں ایک گشت لگایا جہاں ہمیں کچھ اور ساتھی ملے جن میں محمد شاہرودی اور مجید فریدوند وغیرہ قابل ذکر ہیں اور پھر مل کر ہم سب لوگ عراقی فوج کے ساتھ ہونے والی مڈ بھیڑ کی فرنٹ لائن پر چلے گئے۔

ٹیلے پر موجود مورچے پر کمانڈر نے ہم سے کہا:

سامنے والا ٹیلہ عراقیوں کے ساتھ ہمارا میدان جنگ ہے اور اس ٹیلے کے پیچھے والے ٹیلوں پر عراقی فوج تعیینات ہے۔

کچھ منٹ بعد دور سے ایک عراقی فوجی دکھائی دیا، اسے دیکھتے ہی سارے مجاہدوں نے فائرنگ کرنا شروع کر دی۔

ابراہیم چِلایا:

یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو! فالتو میں کیوں اپنی گولیاں ضائع کر رہے ہو!

ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ ابراہیم کہ جس نے کردستان میں پہلے ہی اچھی طرح فوجی تربیت حاصل کی ہوئی تھی، نے کہا:

پہلے ٹھہرو، جب دشمن بہت قریب پہونچ جائے تب ان پر حملہ کر دو!

اسی اثنا عراقیوں نے ہمارے ٹیلے کے نیچے سے ہم پر فائر نگ شروع کر دی، وہ لوگ مسلسل آر پی جی، راکٹ لانچر اور مارٹر گولے ہماری طرف داغ رہے تھے اور پھر وہ ہمارے مورچوں کی طرف آنے لگے۔

ہمارے جن مجاہدوں نے پہلی بار ہاتھ میں ہتھیار اٹھائے تھے، یہ منظر دیکھ کر پیچھے والے مورچوں کی طرف بھاگنے لگے۔ ہم لوگ بہت ڈر گئے تھے۔

کمانڈر چلانے لگا: ٹھہر جاؤ، ڈرو مت!

کچھ منٹ بعد عراقیوں کی فائر نگ کی شدت میں تھوڑی کمی آئی، ہم نے مورچے سے باہر کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ عراقی فوج ہمارے مورچوں کے بالکل قریب پہونچ چکی ہے۔

اچانک ابراہیم نے اپنے چند دوستوں کے ساتھ مل کر عراقیوں پر حملہ کر دیا! یہ لوگ مورچوں سے باہر آکر "اللہ اکبر" کا نعرہ دیتے ہوئے عراقیوں کی طرف دوڑ پڑے۔ کچھ ہی لمحوں میں کافی عراقی فوجی مارے گئے اور زخمی ہوئے، اس کے علاوہ ابراہیم اور اس کے دوستوں نے گیارہ عراقی فوجیوں کو اسیر بھی کر لیا اور باقی بچے لوگ فرار کر گئے۔

ابراہیم فوراً ان کو شہر لے آیا اور ابراہیم کے اس اقدام سے مجاہدین کے حوصلے بلند ہوئے، کچھ لوگ مسلسل ان قیدیوں کے ساتھ فوٹو لے رہے تھے اور کچھ افراد ابراہیم کے ساتھ یادگار فوٹو لے رہے تھے!

تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم لوگ سرپل ذہاب شہر واپس آگئے اور یہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ راستہ بند تھا اور قاسم کا جنازہ ابھی کیمپ ہی میں ہے۔ پھر ہم لوگ بھی چل دئے اور جنگ کے پانچویں دن قاسم ہی کی گاڑی میں قاسم کا جنازہ لے کر ہم لوگ تہران پہونچے۔

تہران میں قاسم کی بڑی پر شکوہ تشییع جنازہ ہوئی، یہ دفاع مقدس کا پہلا شہید تھا اور اس کی تشییع میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ علی خرّم دل نعرہ لگا رہا تھا:.

اے میرے شہید کمانڈر! تیری راہ کو ہم جاری رکھیں گے!

دوسری حاضری

(امیر منجر)

۲۹ ستمبر کو ہم دوبارہ سپاہ پاسداران کے ایک خصوصی فوجی دستے کے ہمراہ سرحد کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستے میں ہم لوگوں نے ہمدان کے سپاہ پاسداران کیمپ میں ایک مختصر سا توقف کیا۔

ظہر کی اذان کا وقت تھا اور یہیں پر ہماری ملاقات بروجردی صاحب سے ہوئی جو سپاہ پاسداران کی دیگر افواج کے ساتھ سرحد کی طرف جا رہے تھے۔

ابراہیم اذان دینے میں مشغول تھا اور فوجی جوان نماز کے لئے تیار ہو رہے تھے، جوانوں میں ایک عجیب سی روحانی حالت پیدا ہو گئی تھی۔

بروجردی صاحب نے کہا: جناب امیر صاحب! یہ ابراہیم کہاں کا رہنے والا ہے؟

میں نے کہا: اپنے ہی محلہ کا رہنے والا ہے، خراسان چوک کے آس پاس میں!

بروجردی صاحب نے کہا:

کتنی اچھی آواز ہے اس کی! ایک دو بار میں نے اسے محاذ جنگ پر دیکھا، نہایت بہادر اور دلیر جوان ہے، دیکھو اگر ہو سکے تو اسے اپنے ساتھ ہی کرمانشاہ ہمارے پاس لے آنا!

نماز جماعت پڑھی گئی اور پھر ہم لوگ دوبارہ روانہ ہوگئے۔

ہم دوسری بار سرپل ذہاب جا رہے تھے۔ اصغر وصالی نے بھی فوج کو الرٹ رکھا تھا۔ اس سرحدی علاقے میں ایک بار پھر پر سکون ماحول لوٹ آیا تھا۔

اصغر وصالی بہت ہی نڈر، بہادر اور شجاع کمانڈر تھا، ابراہیم اسے بہت پسند کرتا اور کہتا تھا:

اصغر جیسا بہادر، دلیر اور مدیر چھاپہ مار میں نے آج تک نہیں دیکھا ہے۔

اصغر ایک بار اپنی زوجہ کو بھی محاذ جنگ پر لے آیا اور اسلحہ سے بھری (ammunition store) جیسی اپنی کار میں اسے تمام جنگی مورچوں پر لے گیا۔

خود اصغر بھی ابراہیم کو بہت چاہتا تھا، ایک بار جب ایک آپریشن میں وہ دشمن کے ٹھکانوں کی شناسائی کے لئے جارہا تھا تو ابراہیم سے کہا:

شناسائی (انٹلی جنس آپریشن) پر جانے کے لئے تیار رہو!

اصغر نے شناسائی سے واپس پلٹ کر کہا:

میں نے انقلاب سے پہلے لبنان میں بھی جنگ کی ہے، ۱۹۷۹ء کی کردستان کی تمام لڑائیوں میں بھی موجود تھا، لیکن اس جوان کے جیسا میں نے آج تک کسی کو نہیں دیکھا ہے جس نے اگرچہ کوئی خاص فوجی تربیت حاصل نہیں کی ہے لیکن پھر بھی وہ نہایت تجربہ کار بھی ہے اور فوجی مسائل کو بھی اچھی طرح سمجھ لیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ کسی آپریشن کی پلاننگ میں ابراہیم سے مدد لیتا تھا۔

انہوں نے ایک بار ایک ہی حملے میں بغیر کوئی نقصان اٹھائے دشمن کی آٹھ ٹینکیں اُڑا دیں اور کافی سارے عراقی فوجوں کو اسیر بھی کر لیا۔

اصغر وصالی نے "ابوذر" کیمپ کی ایک بلڈنگ کو رضاکار مجاہدوں کے لئے مخصوص کر دیا جہاں پر انہیں اچھی طرح منظم کر دیا گیا اور اس طرح شہر میں بھی ایک خاص نظم و ضبط قائم ہو گیا۔

شہر میں جب ایک بار پھر امن و سکون کا ماحول پیدا ہوا تو ابراہیم نے دوسرے مجاہدین کے ساتھ مل کر روایتی ورزش کی بساط پھیلادی۔

ہر روز صبح کے وقت ابراہیم ایک پتیلی سامنے رکھ کر اسے بجانا شروع کرتا اور اپنی گرم گرم آواز میں قصیدے پڑھتا تھا۔

اصغر ورزش کا جج اور ریفری بنتا اور ایل ایم جی ۳ کو بھی ورزش(weight lifting) راڈ کے طور پر رکھا جاتا تھا! توپ کی نلی اور دیگر ہتھیاروں سے بھی ورزش کے بقیہ وسائل بنائے گئے تھے۔

ایک کمانڈر نے کہا:

ان دنوں شہر میں موجود اکثر لوگ، اسپتالوں کے ڈاکٹرس ، نرس اسٹاف اور مجاہدین سبھی مل کر یہ روایتی ورزش دیکھنے صبح کو وہاں پر آجاتے تھے۔

ابراہیم اپنی حسین آواز میں قصیدے پڑھتا اور اصغر بھی ریفری کے فرائض انجام دیتا تھا اور اس طرح یہ لوگ فوجوں میں نیا جذبہ اور امید ایجاد کر دیتے تھے۔

ابراہیم واقعاً ایک عجیب و غریب انسان تھا۔

***

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"بندے کے ہر نیک کام کے لئے قرآن میں اجر و ثواب معین کر دیا گیا ہے سوائے نماز شب کے"؛ کیونکہ اس کی اس قدر اہمیت ہے کہ خداوند عالم نے اس کا ثواب نامعلوم رکھ کر فرمایا ہے کہ:

"(نماز شب پڑھنے والے) یہ لوگ اپنے آپ کو بستر سے الگ کرتے ہیں اور کسی کو نہیں معلوم کہ اس کام کے بدلے میں، میں نے ان کے لئے کیا کیا ذخیرہ کر رکھا ہے۔"[1]

***

---

[1]۔ میزان الحکمہ، حدیث ۳٦٦۵

تسبیحات

(امیر سپہر نژاد)

۳.اکتوبر ۱۹۸۰ء کی بات ہے جب تین دونوں سے ابراہیم کا کوئی اتہ پتہ نہیں تھا، میں جنگی قیدیوں کے محکمہ میں بھی معلوم کرنے گیا لیکن وہاں جانا بھی بے فائدہ ثابت ہوا، آدھی رات تک میں جاگتا رہا، کافی پریشان اور غمگیں تھا، مجھے اپنے قریبی دوست کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔

میں نماز صبح کے بعد صحن میں آیا، ابوذر کیمپ میں ایک عجیب و غریب سکوت چھایا ہوا تھا، میں مٹی پر بیٹھ گیا اور ابراہیم کے ساتھ اپنی گذشتہ تمام یادیں اپنے ذہن میں دہرانے لگا، ابھی اجالا نہیں ہوا تھا۔

کیمپ کے دروازے سے ایک آواز آئی اور اتنے میں دروازہ کھل گیا، چند لوگ داخل ہوئے اور میں بے اختیار ہو کر انہیں دیکھنے لگا اندھیرے میں ہی میں ان کے چہروں کو گھورنے لگا، اچانک میں نے اٹھ کر چھلانگ ماری، جی ہاں ! خود وہی تھا، ان میں سے ایک ابراہیم ہی تھا، میں دوڑا اور انہیں گلے لگالیا، اس وقت میری خوشی قابل بیان نہیں تھی۔

گھنٹہ بھر کے بعد ہم سارے دوستوں سمیت ایک ساتھ بیٹھے اور ابراہیم ان تین دنوں کی اپنی داستان سنانے لگا:

ہم لوگ ایک فوجی گاڑی میں آگے بڑھتے چلے گئے اور ہمیں یہ نہیں معلوم تھا کہ عراقی کہاں تک اندر گھس آئے ہیں، ایک ٹیلے کے پاس ہم لوگ ان کے گھیرے میں

آ گئے، تقریباً ایک سو عراقی فوجی ٹیلے کے اوپر اور صحرا میں سے ہم پر گولیاں برسا رہے تھے اور ہم پانچ لوگ بھی اسی ٹیلے کے بغل میں موجود ایک گڑھے میں مورچہ سنبھالے ہوئے واپس فائر کر رہے تھے۔

مغرب تک ہم لوگوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن اندھیرا ہوتے ہی عراقی پیچھے ہٹ گئے، ہم میں سے راستہ جاننے والے دونوں لوگ شہید ہو چکے تھے۔ ہم لوگ مورچے سے باہر آئے تو دیکھا آس پاس میں کوئی نہیں تھا، شہداء کے جنازے اٹھا کر اس ٹیلے کے پیچھے درختوں میں لے گئے اور وہیں پر انہیں چھپا دیا۔ ہم تھکے ہارے اور بھوکے تھے، غروب آفتاب کو دیکھتے ہوئے میں نے قبلہ کا اندازہ لگایا اور ہم نے نماز پڑھی۔

نماز کے بعد میں نے دوستوں سے کہا:

ان مشکلات سے نجات پانے کے لئے تسبیحات حضرت زہرا (س) پڑھیں، کیونکہ پیغمبر اکرمؐ نے ایسے وقت میں یہ تسبیحات حضرت زہرا (س) کو تعلیم فرمائی تھیں کہ جب آپ کافی ساری مشکلات اور سختیوں میں مبتلا تھیں۔

تسبیحات پڑھنے کے بعد واپس اسی مورچے پر گئے لیکن اب یہاں پر کوئی عراقی موجود نہیں تھا، ہمارے پاس اسلحہ بھی بہت کم تھا، اچانک میں نے ٹیلے کے نزدیک بہت سارے عراقی جنازے دیکھے، ان کے سارے ہتھیار، میگزین اور ہینڈ گرینڈ اٹھا لئے، تھوڑا سا کھانا بھی مل گیا، اب ہم نکلنے کے لئے تیار تھے لیکن کس طرف؟!

رات کا گھٹا ٹوپ اندھیرا اور سامنے تا حد نظر صحراء و بیاب...! جائیں تو کہاں سے جائیں...!

میرے ہاتھ میں تسبیح تھی اور مسلسل ذکر کہہ رہا تھا، دشمنوں کے نرغے میں، تھکاوٹ، اندھیری رات، راستہ نامعلوم وغیرہ وغیرہ... لیکن پھر بھی ہمیں ایک عجیب سا سکون و اطمینان حاصل تھا۔

آدھی رات کو ہمیں ایک کچا راستہ مل گیا اور ہم اسی پر چل دیئے، چلتے چلتے ایک ملٹری کیمپ میں پہونچے، ایک جگہ اونچائی پر ان کا راڈر نصب تھا اور اس کے آس پاس میں کافی سارے گارڈس بھی پہرہ دے رہے تھے، کیمپ کے اندر کافی سارے مورچے بھی دکھائی دے رہے تھے۔

ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کہاں تھے اور اپنے زندہ رہنے کی بھی ہمیں کوئی امید نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ ہم لوگوں نے ایک عجیب و غریب فیصلہ لیا، اس کے بعد میں نے تسبیح سے استخارہ بھی کیا، اچھا آیا اور ہم لوگوں نے بھی شروع کر دیا۔

خدا کی مدد سے ہم لوگوں نے اس ملٹری کیمپ میں متعدد ہینڈ گرینڈ پھینک کر اور فائر نگ کر کے اس میں تہلکا مچا دیا، جب راڈر تباہ ہو گیا تب جا کر ہم لوگ وہاں سے بھاگ نکلے اور گھنٹے بھر بعد دوبارہ اپنا راستہ جاری رکھا۔

صبح کے وقت ہم لوگ ایک پُرامن جگہ پر پہونچے اور وہیں پر ہم نے آرام کرنا شروع کر دیا، پورا دن بھر ہم نے آرام کیا۔

یہ بات بالکل قابل یقین ہی نہیں ہے، ایک عجیب قسم کا سکون ہم پر چھایا ہوا تھا۔ اندھیرا ہوتے ہی ہم نے دوبارہ اپنا راستہ جاری رکھا اور خدا کی مدد سے آخر کار اپنی فوج کے ایک کیمپ میں پہونچ گئے۔

ابراہیم نے جاری رکھتے ہوئے کہا:

اس درمیان ہم نے جو کچھ بھی دیکھا وہ سب خدا کی عنایت تھی۔ تسبیحات حضرت زہرا(س) نے ہماری بہت ساری مشکلات کی گرہیں کھول دیں۔

اس کے بعد کہا:

ہمارا دشمن بے ایمان ہونے کی وجہ سے ہماری فوج سے بہت ڈرتا ہے، جہاں تک ممکن ہو سکے ہمیں اپنی نامنظم جنگوں کا دائرہ وسیع کرنا چاہئے تاکہ دشمن کے حملوں کی روک تھام کی جا سکے۔

* * *

المہدی کالونی

(علی مقدم، حسین جہان بخش)

جنگ شروع ہوئے ایک مہینہ گذر چکا تھا، ابراہیم ، حاجی حسین اور دوسرے دوستوں کے ساتھ سرپل ذہاب کے نزدیکی کالونی "المہدی" چلا گیا اور وہاں پر انہوں نے دشمنوں کے مقابلے میں دفاعی مورچے تیار کر لئے۔

نماز صبح کی جماعت جب ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کچھ جوان ابراہیم کو ڈھونڈ رہے ہیں، میں نے تعجب سے پوچھا: کیا ہوا بھائی؟!

کہا: آدھی رات سے ابراہیم کا کوئی پتہ نہیں ہے!

میں نے بھی دوسرے دوستوں کے ہمراہ سارے مورچوں اور نگہبانیوں پر ڈھونڈا لیکن ابراہیم کہیں پر نہیں ملا۔

گھنٹے بعد ایک نگہبان جوان نے کہا:

نالے کے راستے سے کچھ لوگ اس طرف آرہے ہیں!

یہ نالہ سیدھے دشمن کی طرف جاتا تھا۔ میں فوراً نگہبانی مورچے پر گیا اور دوسرے دوستوں کے ساتھ اُس طرف دیکھنے لگا۔

تیرہ عراقی لائن میں ہماری طرف آرہے تھے جن کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے! ان کے پیچھے ابراہیم اور اس کا دوسرا ساتھی چل رہے تھے جو اپنے ساتھ بہت زیادہ ہتھیار، ہینڈ گرینڈ اور گولیوں کے میگزین لے کر آرہے تھے۔

کسی کو یہ یقین نہیں آرہا تھا کہ ابراہیم نے صرف ایک ہی آدمی کے ہمراہ ایسا معرکہ کر دکھایااور وہ بھی ایسے حالات میں کہ جب المہدی کالونی میں بہت کم ہتھیار اور اسلحہ تھا، یہاں تک کہ بعض مجاہدین کے پاس تو ہتھیار بھی نہیں تھے۔

ایک جوان کافی جذباتی ہو گیا تھا وہ آگے بڑھااور پہلے اسیر کو ایک زوردار تھپڑ مارااور کہا: عراقی مزدور!

ایک لمحے کے لئے سب لوگ خاموش ہو گئے۔ ابراہیم سامنے آیااور اس جوان کے سامنے کھڑا ہو گیا، ایک ایک کر کے سارا ہتھیار زمین پر رکھ دیااور پھر بڑی زوردار آواز میں چلایا: تم نے اسے تھپڑ کیوں مارا؟!

جوان حیرت سے ہکابکا رہ گیا تھا، اس نے کہا: کیوں؟ کیا ہوا؟ وہ تو ہمارا دشمن ہے۔

ابراہیم نے اسے گھورتے ہوئے کہا:

اول یہ کہ وہ پہلے دشمن تھا لیکن اب قیدی ہے، دوم یہ کہ ان بیچاروں کو بالکل نہیں معلوم کہ یہ کیوں ہمارے خلاف لڑ رہے ہیں۔ تو کیا تمہیں ان کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے؟!

جوان مجاہد نے کچھ لمحوں کے سکوت کے بعد کہا:

معافی چاہتا ہوں، میں جذباتی ہو گیا تھا۔ پھر پلٹ کر عراقی قیدی کی پیشانی کو چوما اور عذر خواہی کی۔

عراقی قیدی جو بڑی حیرت سے ہماری حرکتیں دیکھ رہا تھا، ابراہیم کو تکتے ہی جا رہا تھا، اس کی ان تعجب خیز نگاہوں کے پیچھے بہت سی باتیں پوشیدہ تھیں!

* * *

جنگ شروع ہونے کے دو مہینے بعد ابراہیم چھٹی پر گھر آگیا۔ ہم دوستوں کے ساتھ اس کی ملاقات کو گئے۔ اس ملاقات میں ابراہیم جنگ کے واقعات بیان کر رہا تھا لیکن اپنے

بارے میں اس نے کچھ نہیں کہا، یہاں تک کہ مجاہدین کی نماز اور عبادت کی بات آئی تو ابراہیم زور زور سے ہنسنے لگااور اس نے کہا:

جنگ کے اوائل میں "المہدی" علاقے میں پانچ جوان ہمارے ساتھ ملحق ہوئے، یہ لوگ ایک گاؤں سے یہاں محاذ جنگ پر آئے ہوئے تھے، چند روز گذرنے کے بعد میں نے دیکھا کہ یہ لوگ اہل نماز نہیں ہیں! ایک دن میں نے ان کے ساتھ گفتگو کی، بیچارے بہت سادہ لوگ تھے، یہ لوگ اَن پڑھ بھی تھے اور نماز بھی نہیں جانتے تھے، صرف امام خمینیؒ کی محبت میں جنگ کرنے آئے تھے۔ اُدھر خود بھی یہ چاہ رہے تھے کہ کسی طرح نماز سیکھ لیں۔ میں نے بھی انہیں وضو سکھایااور پھر ایک جوان کوآواز دی اور کہا:

یہ صاحب آپ کے امام جماعت ہیں جو یہ کریں گے وہی آپ لوگ بھی انجام دیں۔ میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ نماز کے اذکار کو بلند آواز سے دہراؤں گاتا کہ آپ لوگ سیکھ لیں!

یہاں پر ابراہیم اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکااور زور زور سے ہنسنے لگا، کچھ منٹ بعد اس نے جاری رکھتے ہوئے کہا:

پہلی رکعت میں سورۂ حمد پڑھتے وقت امام جماعت نے اپنا سر کھجلانا شروع کردیا، اچانک میں نے دیکھا کہ یہ پانچوں لوگ بھی سر کھجلانے لگے!! مجھے بہت ہنسی آرہی تھی لیکن میں نے اپنے آپ پر قابو رکھا لیکن جب امام جماعت پہلے سجدے سے اٹھا تو سجدہ گاہ اس کی پیشانی سے چپک گیا تھاجو ایک طرف گر گیا۔

پیش نماز بائیں طرف جھک کر سجدہ گاہ اٹھانے لگا، میں نے دیکھا یہ پانچوں لوگ بھی بائیں طرف جھکے اور اپنے ہاتھ پھیلائے، اب مجھ سے رہا نہ گیااور میں زور زور سے ہنسنے لگا!

* * *

مشکلکشا

(شہید کا ایک دوست)

پیغمبر اکرمؐ سے پوچھا گیا: کس مومن کا ایمان سب سے زیادہ کامل ہے؟

فرمایا: جو راہ خدا میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرے۔[1]

میجر محمد کوثری (لشکر حضرت رسولؐ کے سابق کمانڈر اِن چیف) ابراہیم کی کچھ یادیں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

جنگ کے اوائل میں، سرپل ذہاب میں، میں نے ابراہیم سے کہا: ہادی صاحب! آپ کی تنخواہ رکھی ہوئی ہے، جس وقت چاہیں لے سکتے ہیں!

جواب میں اس نے آہستہ آہستہ کہا: آپ تہران کب جا رہے ہیں؟

میں نے کہا: ہفتہ کے آخر میں۔

اس نے کہا: میں آپ کو تین ایڈریس لکھ کے دوں گا، تہران پہونچ کر میری تنخواہ ان تین گھروں میں بانٹ دینا!

میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تینوں گھر مستحق اور عزت والے ہیں۔

* * *

1۔ الحکم الظاہرہ، جلد ۲، صفحہ ۲۸۰

میں محاذ جنگ سے آرہا تھا، خراسان چوک پہونچا تو میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں تھا۔ میں گھر کی طرف جارہا تھا لیکن مسلسل اسی سوچ میں تھا کہ ابھی گھر پہونچوں گا تو بیوی بچے مجھ سے پیسے مانگیں گے،اس کے علاوہ گھر کا کرایہ بھی دینا ہے !؟ کیا کروں اور کس کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں؟ اپنے بھائی کے گھر جانا چاہا لیکن اس کی حالت بھی کچھ زیادہ ٹھیک نہیں تھی۔ میں عارف چوراہے پر کھڑا تھا، من ہی میں کہا: خدا ہی میری مدد کرے، مجھے بالکل سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں؟

اسی سوچ میں تھا کہ اچانک ابراہیم کو بائیک پر میری طرف آتے دیکھا۔ میں بہت خوش ہوا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ بائیک سے نیچے اُترا اور مجھے گلے لگا لیا۔ کچھ دیر تک ہم نے گفتگو کی۔ جاتے وقت اس نے کہا: تنخواہ لی کہ نہیں؟ میں نے کہا: نہیں ابھی نہیں لی، لیکن کوئی بات نہیں۔

اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور روپیوں کا ایک بنڈل مجھے تھما دیا۔

میں نے کہا: ابراہیم کی قسم، میں نہیں لوں گا، تجھے خود ضرورت ہے۔

اس نے کہا: یہ قرض الحسنہ ہے، جب تم تنخواہ لوگے تو واپس دے دینا۔

اس کے بعد یہ پیسے میری جیب میں ڈال دئے اور بائیک پر سوار ہو کر چل دیا۔

ان پیسوں میں بہت برکت تھی۔ میری بہت ساری مشکلات حل ہو گئیں۔ ایک زمانے تک مجھے کوئی مالی مشکل پیش نہیں آئی۔ میں نے اسے بہت دعائیں دی۔ اس دن خدا نے ابراہیم کو بھیجا۔

وہ ہمیشہ کی طرح مشکلکشا تھا۔

* * *

"شہید اندرزگو" کمپنی

(مصطفیٰ ہرندی)

جنگ شروع ہوئے کچھ دن گذر چکے تھے، سپاہ پاسداران کی مغربی کمان نے ایک میٹنگ بلائی۔ طے یہ پایا کہ رضاکار فوجیں اور سپاہ پاسداران کے جوان مختلف علاقوں میں بانٹ دیئے جائیں، لہٰذا بعض جوانوں کو سرپل ذہاب سے سومار، بعض کو مہران اور صالح آباد اور بعض کو بستان کی طرف بھیج دیا گیا۔

میٹنگ کے مطابق، جنگی علاقوں کے کمانڈر حسین اللہ کرم کو "گیلان غرب" اور "نفت شہر" کی سپاہ پاسداران کا کمانڈر انتخاب کیا گیا۔

سپاہ پاسداران کی آٹھویں اور نویں بٹالین کی چند فوجی کمپنیاں اس کے ہمراہ اس علاقے میں بھیجی گئیں، چونکہ ابراہیم کو پہلوان کلب سے ہی حاجی حسین کے ساتھ دیرینہ دوستی تھی، لہٰذا وہ بھی اس کے ساتھ گیلان غرب روانہ ہو گیا اور اسے سپاہ پاسداران کا ڈپٹی آپریشن کمانڈر بنایا گیا۔

* * *

"گیلان غرب" مختلف پہاڑوں کے درمیان واقع ایک شہر ہے جو نفت شہر اور سرحد سے پچاس کلو میٹر اور سرپل ذہاب سے ستر کلو میٹر دور ہے۔ عراق نے اس شہر تک پیش قدمی کی تھی اور اس کے آس پاس کی تمام چوٹیوں پر اپنا قبضہ جما دیا تھا۔

اگرچہ جنگ کے شروع ہی میں عراقی فوج کا چوتھا لشکر اس شہر میں داخل ہو گیا تھا لیکن یہاں کے غیرت دار مردوں اور شیر دل عورتوں کی زبردست مزاحمت سے وہ فرار

ہونے پر مجبور ہو گئے۔ اس حملے کے دوران اس شہر کی ایک عورت نے اپنی درانتی سے دو عراقی فوجیوں کو ہلاک کر دیا تھا!! اس حملے کے بعد کچھ لوگ یہاں شہر چھوڑ کر چلے گئے اور باقی بچے لوگ دن کو شہر میں آتے اور رات گذارنے کے لئے اسلام آباد روڈ پر لگے خانہ بدوش خیموں میں چلے جاتے تھے۔

آرمی کی ذوالفقار بریگیڈ بھی گیلان غرب کے نزدیک "بان سیران" مقام پر تعینات ہو گئی تھی۔

گیلان غرب کی سپاہ پاسداران کی فعالیت کو کچھ عرصہ گذر گیا، اس عرصہ کے دوران ان کی ذمہ داری دشمن کے احتمالی حملے کی صورت میں دفاع کرنا تھا اور اس کے علاوہ ان کا کوئی خاص کام نہیں تھا۔

ایک میٹنگ ہوئی جس میں یہ تجویز سامنے آئی کہ جس طرح ڈاکٹر چمران ملک کے جنوب میں نامنظم جنگ کر رہے ہیں اور سرپل ذہاب میں اصغر وصالی چھاپہ مار لڑائی لڑ رہے ہیں، اسی طرح گیلان غرب میں بھی ایک چھاپہ مار گروپ بنایا جانا چاہئے!

بہر حال یہ چھاپہ مار کمپنی بنائی گئی اور ابراہیم اور جواد افراسیابی کو اس کا کمانڈر بنایا گیا، دوستوں کی تجویز پر اس کا نام "ڈاکٹر بہشتی کمپنی" رکھا گیا۔ لیکن اس بار جب ڈاکٹر بہشتی خود جنگی علاقے کے دورے پر آئے تو انہوں نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا:

چونکہ آپ لوگ چھاپہ مار طریقے سے جنگ کر رہے ہیں لہٰذا آپ اس کا نام "شہید اندرزگو کمپنی" رکھیں کیونکہ اسلامی چھاپہ مار تحریکوں کے بانی شہید اندرزگو ہی ہیں۔

ابراہیم نے اس کمپنی کے ہیڈ کوارٹر پر امام خمینیؒ، ڈاکٹر بہشتی اور امام خامنہ ای کی ایک بڑی تصویر نصب کی اور اسی کے ساتھ ہی اس فوجی کمپنی نے اپنی کاروائیاں شروع کر دیں۔

اس نامنظم چھاپہ مار کمپنی کے افراد بھی اس کے نام کی طرح نامنظم ہی تھے۔ ہر طرح کے لوگ اس میں شامل تھے، نوجوانوں سے لے کر بوڑھے تک، ان پڑھ سے لے کر پی

ایچ ڈی تک اور بہت ہی دیندار اور نماز شب پڑھنے والوں سے لے کر اسی کمپنی میں نماز سیکھنے والے افراد تک، دینی طالبعلموں سے لے کر توبہ کئے ہوئے کمیونسٹوں تک، سبھی طرح کے افراد ایک صمیمی اور مخلصانہ انداز میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر جمع ہو گئے تھے۔

چالیس لوگوں پر مشتمل یہ جماعت ایک چیز میں مشترک تھی اور وہ ان کی شجاعت اور بلند جذبات تھے۔

اس کمپنی کا اصلی کمانڈر، ابراہیم ہمیشہ یہ کہتا تھا کہ:

''ہم میں سے کوئی کمانڈر نہیں ہے'' اور محبت و دوستی کے ذریعہ وہ بہت اچھی طرح اس کمپنی کی قیادت کرتا تھا۔

اس کمپنی کا سسٹم یہ تھا کہ سارے کام رضاکارانہ طور پر انجام پاتے تھے اور تقریباً کوئی بھی کسی کو امر و نہی نہیں کرتا تھا۔ اکثر کام ہمفکری اور ہمدلی کے ساتھ انجام پاتے تھے اور سب سے بڑھ کر جواد افراسیابی اور رضا غودینی، ابراہیم کے ہمیشگی کے ساتھی تھے۔

* * *

اس کمپنی کا روزمرہ کا ایک کام مقامی لوگوں کی مدد اور ان کے مشکلات کو حل کرنا تھا۔ اس طرح گیلان غرب کے بہت سارے جوان بھی اس کمپنی میں شامل ہو گئے۔

اندرزگو فوجی کمپنی کا زیادہ تر کام شناسائی (اینٹلی جنس) اور ایکشن ٹیمیں تشکیل دینا تھا، ناہموار چوٹیوں پر سے گذر کر دشمن کے ٹھکانوں کا صحیح اور دقیق نقشہ فراہم کرنا ان کا ایک اور کام تھا۔

شناسائیوں میں ابراہیم کا طریق کار نہایت عجیب تھا، آدھی رات کو اپنے افراد کے ساتھ چوٹیاں پار کرتا اور دشمن کے پیچھے تک آگے بڑھتا تھا اور پھر یہ لوگ دشمن کے تجہیزات اور ٹھکانوں کے سلسلہ میں نہایت دقیق معلومات فراہم کرتے تھے۔

ابراہیم کا کہنا تھا کہ:

اگر یہ کام انجام نہ پائے تو نہیں معلوم ہم اپنی کاروائیوں میں کامیاب بھی ہوتے ہیں کہ نہیں؟! لہٰذا ہماری شناسائی نہایت دقیق اور مکمل ہونی چاہئے۔

ابراہیم اپنا یہ طریق کار دوسرے جوانوں کو بھی سکھا کر کہتا کہ:

شناسائی کے سلسلہ میں جوانوں کو بہادری سے کام لینا چاہئے، اگر کسی کے اندر خوف وہراس پایا جاتا ہو تو وہ کامیاب عملہ نہیں بن سکتا۔ اس کے بعد وہ فوجیوں کی تیز بینی اور دقت عمل کے سلسلہ میں بھی بولتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ اس کمپنی میں سے شناسائی اور اطلاعات کے بہترین اور سب سے بڑے ماہر جوان یہاں تک کہ بہادر اور دلیر کمانڈر بھی تربیت ہو کر باہر آئے۔

۳۱۳ حُر بریگیڈ کے بریگیڈیر جو نجف ہیڈ کواٹر کے ایکشن اور انٹلی جنس کمانڈر تھے، کا کہنا ہے:

ابراہیم اپنے طریق کار کے ذریعہ اس بریگیڈ کے اصلی بانی ہیں اگرچہ اس کی تشکیل سے پہلے ہی وہ شہید ہو چکے تھے۔

شہید اندرزگو چھاپہ مار کمپنی نے اپنی ایک سالہ کارکردگی کے دوران اپنے ان ہی نامنظم جوانوں کے ذریعہ ۵۲ چھوٹی بڑی فوجی کاروائیاں کیں۔ انہوں نے عراقی آرمی کی چوتھی لشکر کو مغربی علاقے میں عاجز کر دیا اور انہیں بھاری نقصان پہونچایا۔

اس چھوٹی سی جماعت میں عظیم لوگ تربیت پائے کہ ہمارے دفاع مقدس کا دور جن کی فداکاریوں کا مرہون منت ہے۔ انہوں نے وجود ابراہیم کے گلستان سے پھول چنے اور ان کی شاگردی پر فخر و مباہات کرتے رہے:

لشکر ۲۷ حضرت رسولؐ کے بہادر چیف کمانڈر شہید رضا چراغی، اسی لشکر کے ڈپٹی چیف کمانڈر شہید رضا دستوارہ، اسی لشکر کے ایریا کمانڈر شہید حسن زمانی، میثم بٹالین کے

کمانڈرانِ چیف شہید سید ابو الفضل کاظمی، حُسنین بٹالین کے کمانڈرانِ چیف شہید رضا غودینی، مسلم ابن عقیل بریگیڈ کے ڈپٹی بریگیڈیر شہید علی اوسط، مالک بٹالین کے کمانڈرانِ چیف شہید داریوش ریزہ وندی، مقداد بٹالین کے ڈپٹی کمانڈران شہید ابراہیم حسامی اور شہید ہاشم کلہر، اسی لشکر کے انٹلی جنس کمانڈر شہید جواد افراسیابی اور شہید علی خرم دل اور اسی طرح دفاع مقدس کے اور بھی بہت سارے عظیم کمانڈر حضرات جو اس وقت بھی اسلامی نظام کی قابل فخر شخصیات شمار ہوتی ہیں۔

* * *

اصغر وصالی کی شہادت

(علی مقدم)

۱۹۸۰ء کے عاشورا کے دن ایک اہم حادثہ پیش آیا۔ اصغر وصالی اور علی قربانی اپنے افراد کے ساتھ سرپل ذہاب سے گیلان غرب آئے۔ طے یہ پایا کہ دشمن کے ٹھکانوں کی شناسائی کے بعد شہر کے شمالی طرف سے ایک فوجی کاروائی کاآغاز کیا جائے۔

شہید اندرزگو چھاپہ مار کمپنی کی تشکیل کے پہلے ہی ایام تھے، دشمن کے بعض ٹھکانوں کی شناسائی مکمل ہو چکی تھی۔ شب عاشور کو سارے جوان سپاہ پاسداران کے کیمپ میں اکٹھے ہوئے اور زبردست عزاداری ہوئی، اس مجلس میں ابراہیم کی نوحہ خوانی اور مرثیے ابھی بھی دوستوں کو اچھی طرح یاد ہے، وہ عجیب وغریب جوش وجذبے سے پڑھ رہا تھا اور اصغر وصالی بھی عزاداری میں اس کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔

عاشور کے دن اصغر چند جوانوں کو لے کر شناسائی کے لئے "برآفتاب" نامی علاقے میں گیا۔ ظہر کے وقت یہ خبر ملی کہ گھات لگائے بیٹھے عراقی فوجیوں کے ساتھ ان کی مڈ بھیڑ ہو گئی ہے، ان کی مدد کے لئے فوراً ایک جماعت روانہ ہوئی اور دشمن افواج کو پیچھے ڈھکیل دیا، لیکن!

علی قربانی شہید ہو چکے تھے اور شدید زخمی ہوئے اصغر کے بھی زندہ رہنے کی کوئی امید نہیں تھی، اصغر کو ہم نے فوراً پیچھے بھیج دیا لیکن وہ بھی جام شہادت نوش کر گئے۔ اصغر کی شہادت کے بعد میں نے ابراہیم کو زور زور سے روتے دیکھا، وہ کہہ رہا تھا:

کوئی نہیں جانتا کہ ہم نے کیسا کمانڈر کھو دیا، ہمارے انقلاب کو اصغر جیسوں کی شدید ضرورت تھی۔

ابھی اصغر کے بھائی کو شہید ہوئے چالیس دن بھی نہیں ہوئے تھے کہ عاشور کے ظہر میں اصغر نے بھی شہادت کی توفیق حاصل کرلی۔ ابراہیم تشییع جنازہ کے لئے تہران آیا اور گیلان غرب میں پڑی اصغر کی گاڑی بھی تہران لے کر آیا، اگرچہ مارٹر گولوں کے ٹکڑے لگنے کی وجہ سے اس گاڑی کی باڑی کہیں پر بھی صحیح و سالم نہیں بچی تھی۔

شہید وصال کی تشیع جنازہ کے بعد ہم لوگ فوراً واپس سرحد پر لوٹے۔ ابراہیم نے کہا:

شہادت سے کچھ دن پہلے اصغر نے اپنے بھائی کو خواب میں دیکھا تھا، اس کے بھائی نے اس سے کہا تھا:

اصغر، تم عاشور کے دن گیلان غرب میں شہید ہو جاؤ گے۔

دوسرے دن جوانوں نے اصغر کے ایصال ثواب کے لئے مجلس ترحیم منعقد کی اور مجلس عزاداری کے بعد سارے جوانوں نے ایک دوسرے سے یہ وعدہ لیا کہ خون کے آخری قطرے تک محاذ جنگ پر لڑیں گے اور اصغر کے خون کا انتقام لیں گے۔

جواد افراسیابی اور دوسرے جوانوں نے کہا:

سوگوار لوگوں کی طرح ہم اپنی داڑھی کو تب تک چھوٹی نہیں کریں گے جب تک کہ صدام کو اس کے کرتوتوں کی سزا نہیں دیں گے۔

***

سادہ زیستی

(شہید کے بعض دوست)

ابراہیم، جنگ کے اوائل میں اکثر مجاہدوں کا نمونۂ عمل بن گیا تھا، سبھی لوگ اس کی دوستی پر فخر کرتے تھے لیکن وہ اس طرح کا سلوک اختیار کرتا کہ جس سے وہ مشہور نہ ہونے پائے۔ مثلاً وہ فوجی وردی پہننے کے بجائے کُردی شلوار کُرتا پہنتا تاکہ اس طرح مقامی لوگوں سے بھی وہ گھُل مل جائے اور خود پسندی و غرور سے بھی باز رہے۔ وہ نہایت سادہ اور بے تکلف تھا۔ جو اسے پہلی بار دیکھتا وہ یہ سمجھتا کہ شاید یہ مجاہدوں کا ایک معمولی خادم وغیرہ ہے لیکن کچھ عرصہ گذرنے کے بعد معلوم ہوتا تھا کہ یہ کتنا عظیم انسان ہے۔

ابراہیم ایک اعتبار سے قانون شکن تھا یعنی اس کے چلنے پھرنے کا ڈھنگ دوسروں سے بالکل مختلف تھا، وہ اپنی ظاہری شکل و صورت کے بجائے اپنے باطن پر توجہ دیتا تھا اور دوسرے مجاہدین بھی اس کی پیروی کرتے تھے، وہ ہمیشہ کہتا تھا:

مجاہدین کی ظاہری فوجی شکل و صورت بنانے کے بجائے ہمیں ان کی روحانیت اور تربیت کی فکر ہونی چاہئے اور جہاں تک ممکن ہو سکے ہمیں ان کا دوست بننا چاہئے!

اس طرح کی سوچ کا نتیجہ اس گروہ کی کاروائیوں میں مکمل طور پر واضح تھا، اگرچہ بعض لوگ اس کے اس تفکر کے مخالف تھے۔

***

شیر کی ڈیزائن فوجی وردی کا کپڑا خرید کر درزی کو دیا اور کہا:

اس سے میرے لئے ایک کردی فوجی وردی تیار کر کے دیدو! دوسرے دن درزی سے کپڑے لے کر پہن لئے، یہ کپڑے پہن کر بہت خوبصورت اور اسمارٹ بن گیا تھا، کسی کام سے کیمپ سے باہر گیا تو گھنٹے بھر بعد ایک معمولی فوجی وردی میں واپس آیا!

میں نے پوچھا: اپنی وردی کہاں رکھی؟

کہا: ایک کردی مجاہد کو میری یہ وردی پسند آئی اور میں نے بھی اسے تحفہ میں دیدی۔

اس نے اپنی گھڑی بھی ایک دوسرے شخص کو تحفہ میں دیدی تھی، اس شخص نے ابراہیم سے ٹائم پوچھا تھا تو ابراہیم نے اپنی گھڑی ہی اتار کے دیدی!

ان ہی معمولی کاموں سے بہت سارے مقامی کُرد جوان ابراہیم کے اخلاق کے فریفتہ ہو گئے تھے اور شہید اندرزگو فوجی کمپنی میں شامل ہو گئے تھے۔

ابراہیم ظاہری سادگی کے باوجود سیاسی مسائل سے مکمل طور پر آگاہ تھا اور سیاسی تفکّرات کی بھی خوب اچھی تحلیل کرتا تھا۔ اس فوجی ٹکڑی کے ہیڈ کواٹر پر امام خمینیؒ اور شہید بہشتی کی تصویریں لگانے کے بعد چیف آف آرمی اسٹاف کے مغربی دفتر، کہ جو براہ راست بنی صدر[1] کے ماتحت کام کرتا تھا، نے اس کمپنی کو ختم کرنے اور ان کا کھانا پینا بند کرنے کا حکم دیدیا۔ لیکن مغربی خطے کے ملٹری کمانڈر نے اس علاقے میں اس کمپنی کی موجودگی کو لازمی قرار دیا اور کہا کہ ہمارے سارے حملے اس کمپنی کے ذریعہ پلان اور اجرا کئے جاتے ہیں۔

1۔ ایران کا پہلا صدر جمہوریہ جو حکومت بنانے کے کچھ ہی عرصہ بعد منافقوں کے ساتھ جاملا اور برقعہ پہن کر عورت کے بھیس میں ملک سے فرار کر گیا۔

مذکورہ کمانڈر نے کئی دنوں تک سعی و کوشش کر کے اس حکم کو منسوخ کروا دیا۔

***

ایک دن صبح کو اعلان ہوا کہ بنی صدر کرمانشاہ کے دورے پر آرہا ہے۔ ابراہیم، جواد اور دوسرے کچھ جوان حاجی حسین کے ساتھ کرمانشاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

سارے فوجی افسران سج دھج کر بنی صدر کے منتظر تھے لیکن شہید اندرزگو کمپنی کے فوجیوں کی شکل و صورت کچھ دلچسپ تھی، اسی کردی شلوار کرتے اور ہمیشہ کی شکل و صورت میں بنی صدر کے استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے!

حالانکہ ان کا مقصد کچھ اور تھا، ان کا کہنا تھا کہ اس شخص کے ساتھ گفتگو کر کے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ کس طرح کی فوجی سوچ اور عسکری بصیرت کے ساتھ جنگ کی قیادت کر رہا ہے!

اس دن ہم لوگ انتظار کرتے کرتے تھک گئے، آخر میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ ہیلی کاپٹر میں خرابی کی وجہ سے صدر مملکت اب کرمانشاہ نہیں آئیں گے۔

***

اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت آیت اللہ خامنہ ای (حفظہ اللہ) کرمانشاہ کے دورے پر آئے، آپ ان دنوں تہران کے امام جمعہ تھے، ابراہیم سارے جوانوں کو اپنے ساتھ لے کر آیا، انہوں نے اسی سادہ اور ظاہری شکل و صورت میں حضرت آقا کے ساتھ ملاقات کی اور پھر ایک ایک کر کے مصافحہ کیا اور گلے لگایا۔

***

چمِ امام حسنؑ

(حسین اللہ کرم)

دشمن کے ٹھکانوں کی شناسائی کی خاطر سب سے پہلی نفوذی کاروائیوں کے لئے ہم تیار ہو گئے۔ ابراہیم، جواد افراسیابی، رضا دستوارہ، رضا چراغی اور دیگر چار افراد کو اس کام کے لئے چنا گیا، اس کے علاوہ دو مقامی کُرد جوانوں کو بھی ہمارے ساتھ رکھا گیا جو وہاں کے راستوں کو خوب اچھی طرح جانتے تھے۔ ایک ہفتے کے لئے ہم نے کھانا پانی بھی اٹھایا جس میں زیادہ تر روٹی اور خرما تھا۔ اسلحہ، بارود اور کافی تعداد میں بارودی سرنگیں اپنے گٹھوں میں بھر دیئے اور روانہ ہوئے۔

پہلے بلند چوٹیوں اور پھر دریائے امام حسنؑ سے ہم لوگ گذر گئے اور "چمِ امام حسنؑ"[1] میں داخل ہو گئے۔ یہاں پر عراقی فوج کا پورا ایک بریگیڈ تعینات تھا، ہم لوگ آس پاس کے نالوں اور ٹیلوں میں چھپ گئے۔

چونکہ دشمن افواج کا یہ خیال تھا کہ ایرانی فوجیں ان چوٹیوں سے نہیں گذر سکتیں لہٰذا ہم لوگ بھی پورے اطمینان سے نقشہ تیار کرنے میں لگ گئے، ہم لوگ تین دن تک اس علاقے میں تھے اگرچہ شدید بارشوں کی وجہ سے تھوڑی دقت پیش آئی لیکن دوستوں کی جدوجہد سے ہم نے علاقے کے کافی اچھے نقشے تیار کر لئے۔ شناسائی اور نقشہ تیار کرنے کا

---

[1]- مقامی زبان میں دریا کے آس پاس کے علاقے کو "چم" کہتے ہیں۔

کام ختم کرنے کے بعد ہم فوجی سڑکوں کی طرف گئے اور مختلف جگہوں پر متعدد بارودی سرنگیں بچھادیں اور پھر فوراً اپنے مورچوں کی جانب چل دئے۔

ابھی ہم وہاں سے زیادہ دور نہیں ہوئے تھے کہ پیچھے سے پے در پے کئی زوردار دھماکوں کی آواز آئی، مڑ کر دیکھا تو دشمن کی کئی گاڑیاں دشمنوں سمیت جل رہی تھیں۔ ہم لوگ بھی فوراً اس خطرناک علاقے سے بھاگ نکلے۔ لیکن کچھ ہی منٹ بعد ہم نے دیکھا کہ دشمن کی ٹینکیں پیدل فوجوں سمیت ہمارا پیچھا کر رہی ہیں، ہم لوگ بھی نالوں اور ٹیلوں سے گذر کر دریائے امام حسنؑ پر پہونچ گئے۔ ہمارے دریا پار کرنے کے بعد پھر دشمن کی ٹینکیں ہمارا پیچھا نہ کر سکیں۔

دریا سے تھوڑی دوری پر ایک مناسب جگہ ڈھونڈ کر ہم لوگ آرام کرنے بیٹھے، کچھ ہی منٹ بعد دور سے ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔ اس چیز کے بارے میں ہم نے سوچا بھی نہیں تھا۔ ابراہیم نے فوراً سارے نقشے ایک بیگ میں ڈال دئے اور رضا دستوارہ کو دے کر کہا:

میں اور جواد یہیں پر رُکتے ہیں اور تم لوگ فوراً یہاں سے دور ہو جاؤ۔ ایسے وقت میں کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہم نے فوراً اضافی میگزین اور ہینڈ گرینڈ انہیں دے دئے اور بڑی اُداسی کے ساتھ ان سے الگ ہو کر چل دئے۔

در حقیقت ہمارا یہ پورا مشن یہی نقشے حاصل کرنے کے لئے تھا۔ یہ مسئلہ ہماری بعد کی فوجی کاروائیوں کی کامیابی میں کافی مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔ ہم لوگ دور سے دیکھ رہے تھے کہ ابراہیم اور جواد مسلسل اپنی جگہیں بدل رہے ہیں اور ایل ایم جی ۳ سے ہیلی کاپٹر پر فائرنگ کر رہے ہیں۔ عراقی ہیلی کاپٹر بھی مسلسل چکر لگاتے ہوئے ان پر فائر کر رہا تھا۔

دو گھنٹے کے بعد ہم لوگ چوٹیوں پر پہونچے،اب کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ابراہیم کا ایک جگری دوست رورہا تھا کیونکہ اب ہمیں ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا کہ وہ زندہ ہیں یا نہیں!

مجھے وہ منظر یاد آرہا تھا کہ کل جب ہم لوگ بیکار ہو کر نالوں میں چھپے ہوئے تھے تو ابراہیم نے نہایت سکون واطمینان سے ایک کھیل کھیلنا شروع کردیا تھااوراس کے بعد وہ کُردی جوانوں کو فارسی الفاظ سکھارہا تھا۔اسے اس قدر سکون وآرام تھا کہ جیسے ہم لوگ دشمن کے ٹھکانوں کے اندر رہیں ہی نہیں۔

جب اذان کا وقت ہوا تھا تو وہ بلند آواز سے اذان کہنے جارہا تھا لیکن دوستوں کے اصرار پراس نے پھر دبی آواز میں ہی اذان کہی اور پھر ایک خاص روحانی حالت میں نماز میں مصروف ہو گیا۔ابراہیم نے اس دوران زبردست بہادری کا مظاہرہ کیا جس سے دوستوں کے دل میں موجود خوف وہراس بالکل ختم ہو گیا۔

اب تورات بھی ہو چکی تھی۔ابراہیم کوآخری بار دیکھنے کے بعد اب گھنٹوں گذر چکے تھے اور ہم لوگ مقررہ جگہ پر پہونچ گئے تھے۔ابراہیم کے ساتھ یہ طے پایا تھا کہ اُجالا ہونے سے پہلے پہلے اسی مقررہ جگہ پر ایک دوسرے سے ملیں گے۔

چند گھنٹے تک ہم نے آرام کیا لیکن ابھی بھی ابراہیم اور جواد کا کوئی اتہ پتہ نہیں تھااور اب آہستہ آہستہ اجالا بھی ہونے کو جارہا تھا۔ہمیں اس جگہ سے ہر صورت جلدی نکلنا تھا، سب لوگ مسلسل ذکر کہہ رہے تھے اور دعاء پڑھ رہے تھے، ہم جو نکلنے کے لئے تیار ہو گئے تو دور سے کچھ آوازیں آئی، ہم اپنی اپنی بندوقیں لوڈ کر کے تاک میں بیٹھے۔

کچھ لمحوں کے بعد ہم نے ابراہیم اور جواد کی آوازیں پہچان لیں، سارے دوست خوشی سے جھوم رہے تھے، ہم تازہ دم دوستوں کے ساتھ ان کی مدد کو دوڑے اور فوراًوہاں سے نکل پڑے۔

اس نفوذی مشن میں حاصل کئے گئے نقشے بعد کی فوجی کاروائیوں میں کافی کارساز ثابت ہوئے اور یہ سب اس گروپ کے بہادر جوانوں اور خاص طور پر ابراہیم اور جواد کی معرکہ آرائی کا نتیجہ تھا۔

دوسرے دن ظہر کے وقت ابراہیم اور جواد ہمیشہ کی طرح آمادہ اور مضبوط ہو کر دوستوں کے پاس تھے۔ میں اور رضا، ابراہیم کے پاس گئے اور کہا:

ابراہیم بھائی! جب کل ہیلی کاپٹر کے سر پر پہونچا تو پھر آپ لوگوں نے کیا کیا؟

ہمیشہ کی طرح پر سکون لہجہ میں کہا:

خدا نے مدد کی، میں اور جواد ایک دوسرے سے دور ہوئے اور مسلسل اپنی جگہ بدلتے رہے اور ہیلی کاپٹر فائرنگ کرتے رہے۔ وہ بھی بار بار چکر لگاتا اور ہم پر فائرنگ کرتا تھا اور جب اس کی گولیاں ختم ہو گئیں تو پھر وہ واپس پلٹ گیا، ہم لوگ بھی جلدی جلدی وہاں سے بھاگ نکلے، قبل اس کے پیدل فوج ہم تک پہونچے، ہم پہاڑیوں پر چڑھنا شروع ہو گئے۔ البتہ گولیوں کے کچھ ٹکڑے ہمارے جسم پر لگے اور نشانی کے طور پر کچھ زخم لگ گئے۔

* * *

اسیر

(مہدی فرید وند، مرتضی پارسائیان)

ابراہیم کی ایک اچھی خصوصیت یہ تھی کہ وہ دوسروں کا احترام کرتا تھا اگرچہ وہ جنگی قیدی ہی کیوں نہ ہوں! ابراہیم ہمیشہ یہ کہتا کہ:

ہمارے ان دشمنوں کی اکثریت جاہل اور بے خبر ہے اور ہمیں انہیں اصلی اسلام سکھا دینا چاہئے، تب آپ لوگ دیکھیں گے کہ یہ لوگ بعث پارٹی کے بھی مخالف ہو جائیں گے! یہی وجہ ہے کہ ابراہیم اکثر فوجی کاروائیوں میں فائرنگ شروع کرنے سے پہلے ہی دشمن افواج کو اسیر کرنے کے درپے ہوتا تھا۔ وہ ایک قیدی کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتا تھا۔

ہم تین عراقی قیدیوں کو شہر میں لے آئے لیکن ابھی ان کے لئے کوئی خاص جگہ معین نہیں ہوئی تھی اور ابراہیم کو ان کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی، جس طرح کا بھی کھانا پینا ہمارے لئے آجاتا، ابراہیم بالکل وہی کھانا قیدیوں کو بھی دیدیتا، ابراہیم کے اسی برتاؤ کی وجہ سے سب لوگ یہاں تک کہ قیدی بھی ان کے گرویدہ ہو جاتے تھے، چونکہ اسے تھوڑی سی عربی بھی آتی تھی لہٰذا خالی وقت میں ان کے ساتھ بیٹھتا اور گفتگو کرتا تھا۔

دو دن تک ابراہیم ان ہی کے ساتھ تھا یہاں تک کہ قیدیوں کو لے جانے والی گاڑی آگئی۔ انہوں نے ابراہیم سے پوچھا:

کیا تم بھی ہمارے ساتھ آؤ گے؟

جب انہوں نے منفی جواب سنا تو بہت ناراض ہوئے اور رو رو کر التماس کرنے لگے کہ ہمیں یہیں پر رکھو، جو تم لوگ کہو گے ہم وہ انجام دیں گے یہاں تک کہ ہم بعثیوں کے ساتھ جنگ کرنے پر بھی تیار ہیں!

''بازی دراز'' نامی چوٹیوں پر فوجی آپریشن ہونے والا تھا، اُجالا ہو چکا تھا، ہم دو لوگ مل کر اوراوپر کی طرف چلے گئے، اب ہم اپنے ساتھیوں سے دور ہو چکے تھے، اچانک ہم ایک مورچے پر پہونچے جس میں عراقی فوجی موجود تھے۔ میں نے اپنی بندوق سے انہیں مورچے سے باہر آنے کا اشارہ کیا اور وہ لوگ ہاتھ اوپر اٹھائے باہر آ گئے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ اتنے زیادہ ہوں گے، ہم دو لوگ تھے اور وہ پندرہ! میں نے ان سے کہا: نیچے کی طرف چلنا شروع کر دو! لیکن وہ لوگ بغیر کوئی حرکت کئے اپنی جگہوں پر کھڑے رہے!

یہ لوگ ہمارے اتنے قریب تھے کہ کسی بھی وقت ہم پر حملہ کر سکتے تھے، شاید انہیں یہ بات نہیں معلوم تھی کہ ہم صرف دو ہی لوگ ہیں۔ میں نے دوبارہ زور سے چلا کر کہا: چلو نیچے کی طرف! اور ہاتھ سے اشارہ کیا، لیکن سارے عراقی فوجی اپنے پیچھے کھڑے اسٹار والے افسر کی طرف دیکھ رہے تھے۔

بعثی افسر اپنے بھوؤں سے انہیں نہ جانے کا اشارہ کر رہا تھا۔ میں بہت ڈر گیا تھا، آج تک میرے ساتھ کبھی اس طرح کا واقعہ پیش نہیں آیا تھا، ڈر کے مارے میرا منہ کڑوا ہو چکا تھا، ایک بار میں نے من ہی میں کہا کہ سب کو گولیوں سے بھون دوں! لیکن سوچا کہ یہ اچھی بات نہیں ہے۔

ہر آن کچھ بھی ہو سکتا تھا، میں نے ڈر کے مارے بندوق کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا، خدا سے مدد طلب کر رہا تھا، اچانک میں نے مورچے کے پیچھے سے ابراہیم کو آتے دیکھا، ایک عجیب و غریب سکون مجھے ملا۔ جب وہ ہمارے پاس پہونچا تو میری نظر قیدیوں پر ہی تھی، میں نے کہا:

ابراہیم صاحب، مدد کیجئے! اس نے پوچھا: کیاہوا؟!

میں نے کہا: مشکل اس عراقی افسر کی ہے وہ انہیں جانے نہیں دے رہا ہے! اس کے بعد میں نے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی وردی اور اسٹار دوسروں سے مختلف تھے، وہ بالکل دوسروں سے الگ تھا۔

ابراہیم نے اپنی بندوق اپنے کندھے پر رکھی اور اس کی طرف گیا، ایک ہاتھ سے اس کا گریباں اور دوسرے ہاتھ سے اس کی بیلٹ پکڑ کر اوپر ہوا میں اٹھایا اور کئی میٹر دور ایک اونچائی پر پھینک دیا۔

ڈر کے مارے سارے عراقی فوجی زمین پر بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھے۔ عراقی افسر ابراہیم سے التماس کرنے لگا: الدخیل، الدخیل! (الامان، الامان) اِرحَم، اِرحَم!(رحم کرو، رحم کرو!) اور اسی طرح فریاد کرتا رہا۔

میں خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا، میرا چند لمحوں پہلے کا سارا ڈر اب ختم ہو چکا تھا۔ ابراہیم نے عراقی افسر کو دوبارہ قیدیوں میں پلٹایا۔ اس دن حقیقت میں خدا نے ابراہیم کو ہماری مدد کے لئے بھیج دیا۔ پھر ایک ساتھ مل کر ہم سارے قیدیوں کو بعثی افسر سمیت نیچے لے کر آئے۔

* * *

۱۵ شعبان

(شہید کے بعض دوست)

نیمہ شعبان کے سہ پہر کا وقت تھا، ابراہیم کیمپ میں داخل ہوا، آدھی رات سے ابراہیم کا کوئی پتہ نہیں تھا اور اب ایک عراقی اسیر کو اپنے ساتھ لے کر آرہا تھا! میں نے پوچھا: ابراہیم صاحب! کہاں ہو؟ یہ قیدی کون ہے؟

کہا: آدھی رات کو میں دشمن کی طرف گیا اور سڑک کے کنارے چھپ گیا، میں عراقی گاڑیوں کے گذرنے کو غور سے دیکھ رہا تھا، جب سڑک پر سناٹا چھا گیا تو ایک اکیلی جیپ آرہی تھی جس پر صرف ایک ہی فوجی سوار تھا، میں فوراً سڑک کے بیچوں بیچ گیا اور اس عراقی افسر کو قیدی بنا کر لایا۔

راستے میں، میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ آج ہمیں امام زمان(عج) کا تحفہ ہے لیکن پھر میں اپنی بات پر نادم ہوا اور کہا: ہماری کیا حیثیت اور امام زمانہ(عج) کا تحفہ کہاں!

اسی دن ہم سبھی ساتھی ایک جگہ اکٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے اور ہر کوئی کچھ نہ کچھ بول رہا تھا یہاں تک کہ ایک نے ابراہیم سے پوچھا:

تمہاری نظر میں محاذ جنگ کے بہترین کمانڈر حضرات کون کون سے ہیں اور کیوں؟!

ابراہیم نے تھوڑا سوچ کر کہا:

سپاہ پاسداران میں سے محمد بروجردی جیسا کمانڈر کوئی نہیں ہے کیونکہ اس نے ایسا کارنامہ انجام دیا کہ جو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

کردستان میں اتنی ساری مشکلات کے باوجود اس نے کُردی خود کش دستے بنا کر کردستان میں امن وسکون قائم کر دیا۔

آرمی افسران میں سے میجر علی صیاد شیرازی جیسا کوئی نہیں ہے، کیونکہ یہ رضاکار فوجوں سے بھی زیادہ سادہ زندگی گذارتا ہے۔ فوج میں آنے سے پہلے صیاد صاحب ایک حزب اللٰہی اور مومن جوان تھے۔

فضائیہ کمانڈران میں سے بھی کیپٹن شیرودی جیسا آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔ شیرودی نے سرپل ذہاب میں اپنے ہیلی کاپٹر سے اکیلے ہی کئی عراقی حملوں کا توڑ کیا۔

فوجی ہوائی اڈے کا چیف کمانڈر بننے کے باوجود بھی وہ اتنی سادہ زندگی گذارتا ہے کہ آپ لوگ تعجب کریں گے۔ جب محکمۂ کھیل کی طرف سے کئی سارے ورزشی جوتے ہمارے لئے لائے گئے تو میں نے ان میں سے ایک جوڑا شیرودی صاحب کو بھی دیدیا، کمانڈر ہونے کے باوجود بھی ان کے پاس ایک مناسب جوتا نہیں تھا۔

اسی دن بات یہاں تک پہونچی کہ کس کی کیا آرزو ہے اور ہر کوئی کچھ نہ کچھ بتاتا تھا، اکثر دوستوں کی آرزو شہادت تھی۔ بعض دوستوں جیسے شہید سید ابوالفضل کاظمی نے مذاق میں کہا:

خدا اپنے نیک اور پاک بندوں کو الگ کرتا ہے، اسی لئے ہم مسلسل گناہ کرتے ہیں تاکہ ملائکہ ہماری تلاش میں نہ آئیں! ہم تو ابھی زندہ ہی رہنا چاہتے ہیں۔ سب لوگ ہنسنے لگے اور پھر ابراہیم کی نوبت آئی۔

سب لوگ ابراہیم کی آرزو کے منتظر تھے۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ابراہیم نے کہا:

میری آرزو بھی شہادت ہے لیکن ابھی نہیں! میں اسرائیل کے ساتھ جنگ میں شہید ہونا چاہتا ہوں!

***

یہ صبح سویرے کا وقت تھا، میں گھات لگانے والے مورچوں سے گیلان غرب کی طرف آیااور سپاہ پاسداران کے ہیڈ کواٹر میں داخل ہوا۔ معمول کے بر خلاف وہاں پر کوئی نہیں تھا، میں نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن کوئی نظر نہیں آیا۔ میں ڈر سا گیا کہ کہیں عراقیوں نے شہر پر قبضہ تو نہیں کیا ہے! میں نے صحن میں آکر زور سے آواز دی:

ارے یہاں پر کوئی ہے ؟ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک جوان نے مجھے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

میں کمرے میں داخل ہوا تو سبھی جوان اکٹھے بیٹھے رو رہے تھے! اور ابراہیم اکیلے پاس والے کمرے میں بلند آواز سے مرثیہ و نوحہ پڑھ رہا تھا۔ وہ یہ نوحہ اکیلے اپنے لئے پڑھ رہا تھا اور امام زمان (عج) کے ساتھ مناجات کر رہا تھا لیکن اس کی آواز میں اتنا عجیب و غریب درد تھا کہ سب لوگوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔

***

انعام

(قاسم شعبان)

مغربی خطے میں ہمارا ایک انٹلی جنس مشن پورا ہو گیا تھا اور ہم نے جوانوں کو پیچھے کی طرف بھیج دیا۔ مشن کی تکمیل کے بعد ایک ایک کر کے سارے مورچوں کو ہم نے دیکھا، اب یہاں پر کوئی نہیں بچا تھا، ہم ہی چند آخری لوگ بچے تھے، رات کے ایک بج رہے تھے اور ہم پانچ لوگ تھے، کچھ راستہ چلنے کے بعد میں نے ابراہیم سے کہا:

ابراہیم صاحب! ہم لوگ تو بہت تھکے ہوئے ہیں اگر کوئی مشکل نہ ہو تو تھوڑی دیر یہیں پر آرام کرتے ہیں۔

ابراہیم نے تائید کی اور مورچے جیسی ایک مناسب جگہ ڈھونڈ کر ہم لوگ آرام کرنے لگے۔ ابھی میری آنکھ گرم بھی نہیں ہونے پائی تھیں کہ عراقیوں کی طرف سے میں نے کسی کو اپنے قریب آتے محسوس کیا۔ میں فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور اس مورچے کے ایک کونے سے دیکھنے لگا۔ جی ہاں! میرا اندازہ بالکل صحیح تھا، چاند کی روشنی میں بالکل صاف دکھائی دے رہا تھا، ایک عراقی فوجی کسی کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے ہم سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔

میں نے آہستہ سے ابراہیم کو آواز دی اور چاروں طرف دیکھا، یہ فوجی اکیلا تھا اور دور دور تک کوئی دوسرا دکھائی نہیں دے رہا تھا، جب وہ بالکل ہمارے قریب پہونچا تو ہم لوگوں نے مورچے سے باہر کی طرف چھلانگ ماری اور عراقی کے روبرو کھڑے ہو گئے، عراقی فوجی کافی ڈر گیا اور وہیں پر بیٹھ گیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ اس کے کندھے پر ہمارا ایک بسیجی جوان ہے جو زخمی ہے اور جو وہیں پر چھوٹ گیا تھا۔

میں حیران ہو گیا۔

بندوق اپنے کندھے پر رکھی اور دوسروں کی مدد سے اس کے کندھے پر سے زخمی کو اتارا۔

رضا نے اس سے پوچھا: تم کون ہو اور یہاں پر کیا کر رہے ہو؟!

عراقی فوجی نے کہا: آپ لوگوں کے جانے کے بعد میں آپ کے مورچوں کا چکر لگا رہا تھا کہ اچانک میں نے اس جوان کو دیکھا، آپ کا یہ مجاہد درد کی شدت سے بے تاب تھا اور مولا امیر المومنینؑ اور امام زمانہ (عج) کو فریاد دے رہا تھا۔

میں نے کہا: مولا علیؑ کے واسطے جب تک اندھیرا ہے اور بعثی افواج ادھر نہیں آتے، اس جوان کو ایرانی مورچوں تک پہنچادوں اور خود واپس پلٹوں!

اس کے بعد اس نے کہا: آپ لوگ بعثی افسروں کے ساتھ ہم شیعہ سپاہیوں کو شمار مت کرو، ہم لوگ جنگ پر آنے کے لئے مجبور ہیں۔

تعجب سے ہم لوگ انگشت بدنداں رہ گئے تھے۔

ابراہیم نے عراقی فوجی سے کہا: اب اگر تم چاہو تو یہیں پر ہمارے ساتھ رہ سکتے ہو اور واپس مت پلٹو، تم ہمارے شیعہ بھائی ہو!

عراقی فوجی نے اپنی جیب سے ایک فوٹو نکالی اور کہا:

یہ میرے گھر والے ہیں، اگر میں آپ کے ساتھ مل جاؤں تو صدام ان سب کو مار ڈالے گا۔ اس کے بعد وہ ابراہیم کے چہرے کو تکنے لگا اور تھوڑی سی خاموشی کے بعد عربی لہجے میں کہا:

اَنتَ ابراهیم هادی؟

ہم سب لوگ چپ ہو گئے اور حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ یہ جملہ ترجمہ کا محتاج نہیں تھا، آنکھیں سکڑ کر مسکراتے ہوئے ابراہیم نے تعجب سے پوچھا:

تم میرا نام کیسے جانتے ہو؟! میں نے مذاق میں کہا:

بھائی ابراہیم، تم نے تو نہیں کہا تھا کہ عراقیوں میں بھی تمہارے دوست ہیں!

عراقی سپاہی نے کہا:

ایک مہینہ پہلے تمہاری اور اس محاذ کے دیگر کمانڈروں کی فوٹو تمام عراقی فوجی دستوں میں بانٹ دی گئی اور کہا گیا کہ: جو بھی ان ایرانی کمانڈروں کا سر لے کر آئے گا، صدام کی طرف سے اسے ایک بڑا انعام دے دیا جائے گا!

ان ہی دنوں یہ خبر آئی کہ سپاہ پاسداران کی مغربی کمان کی طرف سے شہید اندرزگو فوجی ٹکڑی کے لئے ایک نیا کمانڈر انتخاب کیا گیا جو گیلان غرب کی طرف اپنا آڈر سمیت آرہا ہے۔ ہم لوگ بھی انتظار کرنے لگے لیکن کافی دنوں تک کسی کمانڈر کا کوئی اتہ پتہ نہیں ملا، یہاں تک کہ یہ بات معلوم ہوئی کہ کافی دنوں سے اس گروپ میں ایک عام بسیجی کے عنوان سے مصروف ''جمال تاجیک'' وہی مذکورہ کمانڈڑ ہے۔

ہم، ابراہیم اور چند دوستوں کے ساتھ ان کے پاس گئے اور پوچھا:

آپ نے اپنا تعارف کیوں نہیں کرایا؟ !آپ نے کیوں نہیں کہا کہ آپ ہی اس گروپ کے کمانڈر ہیں؟

جمال نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا:

مسئولیت اس لئے ہوتی ہے کہ کام انجام پائے، خدا کا شکر ہے کہ یہاں پر کام بہترین طریقے سے انجام پا رہا ہے، میں بھی آپ لوگوں کے درمیان اپنی موجودگی کو بہت اچھا محسوس کر رہا ہوں اور تم لوگوں سے آشنائی پر میں خدا کا شکر بجالاتا ہوں۔ تم لوگ بھی کسی سے کچھ مت کہو تا کہ مجاہدوں کی نظر میرے بارے میں بدل نہ جائے!

اس کے کچھ دنوں بعد تک ہی جمال تاجیک ہمارے ساتھ تھا اور مطلع الفجر نامی فوجی آپریشن میں ایک ''فدائین فوجی بٹالین'' کے کمانڈر کی حیثیت سے جام شہادت نوش کر گیا۔

* * *

ابو جعفر

(حسین اللہ کرم، فرج اللہ مرادیان)

۱۹۸۱ء کے اوائل میں ہمیں یہ اطلاع دی گئی کہ مجاہدین نے "بازی دراز" نامی چوٹیوں پر ایک اور فوجی آپریشن شروع کیا ہے، لہٰذا طے پایا کہ اندرزگو کمپنی اس آپریشن کے درمیان، دشمن کے ٹھکانوں کے اندر بھی گھس کر کچھ کاروائیاں انجام دے گی ۔

اس مشن کیلئے ابراہیم کے علاوہ وہاب قنبری[1]، رضا غودینی اور مجھے انتخاب کیا گیا۔ مقامی کُردوں میں سے شاہرخ نورائی اور حشمت کوہ پیکر بھی ہمارے ساتھ ہو لئے۔ کھانے پینے کا سامان، ہتھیار اور چند بارودی سرنگوں پر مشتمل ضروری سامان بھی اپنے ساتھ اٹھایا۔

اندھیرا ہوتے ہی ہم اونچی چوٹیوں کی طرف روانہ ہوئے اور پہاڑیاں پار کر کے "دشت گیلان" نامی علاقے میں پہونچ گئے، اُجالا ہوا تو پھر ہم ایک مناسب جگہ پر چھپ گئے۔

دن بھر میں ہم لوگوں نے آرام کرنے کے علاوہ دشمن کے ٹھکانوں اور اس "دشت" میں موجود سڑکوں کی شناسائی کر لی اور دشمن کی دراندازی والے علاقے کا بھی

1۔ وہاب قنبری: سپاہ پاسداران کرمانشاہ کا بانی ایک مقامی کُرد فوجی تھا۔ یونیورسٹی سے سند یافتہ یہ مجاہد قرآن و نہج البلاغہ پر مسلط تھا۔ اکثر فوجی جوانوں کے مطابق کردستان کی بغاوت میں شہر کرمانشاہ کے شامل نہ ہونے کا سہرا ان ہی کی بہادری اور تدبیر کے سر جاتا ہے اور اگر یہ نہ ہوتے تو کرمانشاہ بھی بغاوت میں پیش پیش ہوتا۔ وہاب کو اپنی زحمتوں کا اجر مل گیا اور وہ اپنے شہید دوستوں سے جاملا۔

ایک نقشہ تیار کر لیا۔ ہمارے سامنے اس وسیع و عریض صحراء میں دو سڑکیں موجود تھیں جس میں ایک پختہ سڑک (دشت گیلان ہائی وے) تھی اور دوسری کچی سڑک (لوکل روڈ) کہ جو صرف فوجی گاڑیوں کی رفت و آمد کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ ان دونوں سڑکوں کے درمیان فاصلہ تقریباً پانچ کلو میٹر تھا۔ ایک عراقی فوجی ٹکڑی ان سڑکوں کے دونوں طرف موجود ٹیلوں پر سڑکوں کی حفاظت کے لئے پہرہ دے رہی تھی۔

اندھیرا ہوا، ہم نے نماز پڑھی اور چل دئے۔ میں اور رضا غودینی ہائے وے کی طرف اور باقی جوان کچے راستے کی طرف روانہ ہوگئے۔ ہم لوگ سڑک کے کنارے چُھپ گئے، جب سڑک پر سناٹا چھا گیا تو فوراً سڑک پر آکر دو بارودی سرنگیں سڑک پر موجود گڑھوں میں لگا دیں اور ان کے اوپر تھوڑی سی مٹی ڈال کر انہیں چھپا دیا اور تیزی سے کچے روڈ کی طرف چل دئے۔ عراقی فوجیوں کی نقل و حرکت سے صاف واضح تھا کہ بازی دراز کی چوٹیوں پر ابھی بھی لڑائی جاری ہے، زیادہ تر عراقی فوجی اور ان کی گاڑیاں اسی طرف جاتی تھیں۔ ابھی ہم کچے روڈ پر پہونچ بھی نہیں پائے تھے کہ ہمارے پیچھے سے ایک زوردار دھماکے کی آواز سنائی دی۔ لاشعوری طور پر ہم دونوں بیٹھ گئے اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔

ایک عراقی ٹینک بارودی سرنگ پر چڑھ بیٹھی تھی اور اب بُری طرح جل رہی تھی، اس کے کچھ لمحے بعد ٹینک میں موجود گولے بھی یکے بعد دیگرے پھٹنے لگے۔ ٹینک سے اٹھنے والے شعلوں سے پورا صحرا دن کی طرح روشن ہو چکا تھا۔ عراقی فوجوں کے دلوں میں زبردست خوف و ہراس پھیل گیا تھا اور یہ پاگلوں کی طرح چاروں طرف بغیر نشانے کے گولیوں کی بوچھار کر رہے تھے۔

جب ہم ابراہیم وغیرہ کے پاس پہونچے تو وہ بھی اپنا کام پورا کر چکے تھے اور پھر ہم لوگ واپس چوٹیوں کی طرف روانہ ہوئے۔

ابراہیم نے کہا: صبح ہونے تک ہمارے پاس بہت زیادہ وقت بچا ہے، اس کے علاوہ ہمارے پاس ہتھیار بھی ہیں اور امکانات بھی، کیوں نہ ہم گھات لگا کر ایک حملہ بھی کر لیں جس سے دشمن کے دل میں اور بھی مزید دہشت بڑھ جائے گی!

ابراہیم کی بات ابھی پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ اچانک کچے روڈ سے ایک زوردار دھماکے کی آواز سنائی دی، جی ہاں! ایک عراقی فوجی گاڑی بارودی سرنگ سے تباہ ہو چکی تھی۔

ہماری اس کاروائی کی کامیابی پر ہم بہت خوش تھے، عراقی فوجوں کی فائرنگ میں اور بھی شدّت آگئی اور وہ اب سمجھ چکے تھے کہ ہمارے مجاہدین نے ان کے ٹھکانوں میں دراندازی کی ہے لہٰذا انہوں نے مارٹر گولے برسانا شروع کر دئے اور روشنی والی ہوائی گولیاں آسمان کی طرف فائر کی تاکہ روشنی میں ہمیں دیکھ یا پکڑ سکیں، لیکن ہم لوگ جلدی جلدی پہاڑ کی طرف بھاگے۔

ہمارے سامنے ایک ٹیلہ آیا اور اچانک ایک عراقی جیپ اس طرف سے ہماری طرف آنے لگی، وہ ہم سے اتنی قریب تھی کہ کوئی فیصلہ لینے کے لئے اب بہت دیر ہو چکی تھی، دوستوں نے فوراً اپنا اپنا مورچہ سنبھالا اور جیپ پر فائر کھول دیا۔

کچھ دیر بعد ہم لوگ جیپ کے پاس گئے تو دیکھا ایک عراقی اعلیٰ افسر اور اس کا ڈرائیور مارا گیا ہے اور صرف ان کا وائرلس مین زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا ہے۔ اس وائرلس مین کے پیر پر گولی لگی تھی اور درد سے مسلسل چلا رہا تھا۔

ایک دوست نے اپنی بندوق لوڈ کر لی اور اس وائرلس مین کی طرف گیا، عراقی فوجی جوان "الامان، الامان" کر کے جان بخشی کی التماس کرنے لگا۔

ابراہیم چِلایا: یہ تم کیا کر رہے ہو؟!

اس نے کہا: کچھ نہیں، اسے سلانا چاہتا ہوں!

ابراہیم نے کہا:

میرے دوست ! جب تک ہم ان پر فائر کر رہے تھے تب تک یہ ہمارے دشمن تھے لیکن اب جب ہم اس کے قریب آگئے ہیں تو اب یہ ہمارا قیدی ہے !

پھر ابراہیم وائرلس مین کی طرف آیا اور اسے زمین پر سے اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھا اور چل دیا۔ ہم سب لوگ ابراہیم کے اس برتاؤ پر کافی حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

ایک دوست نے کہا:

ابراہیم صاحب، یہ تم کیا کر رہے ہو؟ کیا تمھیں پتہ ہے کہ یہاں سے اپنے مورچے تک تیرہ کلومیٹر پہاڑوں پر سے طے کرنا ہے؟

ابراہیم نے پیچھے کی طرف مڑتے ہوئے کہا:

خدانے یہ مضبوط جسم مجھے اسی جیسے دن کے لئے دیا ہے !

اور پھر پہاڑ کی طرف چل دیا۔

ہم لوگوں نے بھی جیپ میں سے سارا سامان اور وائرلس اٹھا کر آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ پہاڑ کے دامن میں تھوڑا سا آرام کر کے اور عراقی فوجی کا زخمی پیر باندھ کر ہم لوگ دوبارہ اپنا راستہ ہو لئے۔

مسلسل سات گھنٹے چلنے کے بعد ہم لوگ محاذ جنگ پر پہونچے۔ راستے بھر میں ابراہیم عراقی قیدی سے گفتگو کرتا رہا اور وہ بھی مسلسل ابراہیم کا شکریہ کرتا رہا۔

اذان صبح کے وقت ہم نے ایک پُرامن جگہ پر نماز جماعت پڑھی اور اس عراقی قیدی نے بھی ہمارے ساتھ باجماعت نماز پڑھی !

یہاں پر ہمیں معلوم ہوا کہ یہ شیعہ ہے۔

نماز کے بعد ہم نے تھوڑا کھانا کھایا، جو کچھ ہمارے پاس تھا اس کو برابر برابر آپس میں بانٹ دیا، یہاں تک کہ اس عراقی قیدی کو بھی وہی دیا جو ہم نے کھایا۔

عراقی قیدی کہ جسے ہمارے اس نیک برتاؤ کی کوئی توقع نہ تھی، نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا:

میں ابو جعفر کربلا کا رہنے والا ایک شیعہ جوان ہوں! مجھے بالکل نہیں لگتا تھا کہ آپ لوگ ایسے ہوں گے وغیرہ وغیرہ... المختصر کافی ساری باتیں اس نے کیں جس میں ہم لوگ صرف بعض کلمات سمجھ سکے اور بس! ابھی اُجالا نہیں ہوا تھا، ہم لوگ "بان سیر ان" نامی ایک قریبی غار میں گئے اور آرام کرنے لگے۔ رضا غودینی بھی کچھ ضروری وسائل لانے کے لئے اپنے فوجی مورچے کی طرف گیا۔

گھنٹے بھر کے بعد رضا ضروری وسائل اور افرادی امداد لے کر آیا اور ہمیں جگایا۔

میں نے کہا: رضا، کیا ہوا؟

اس نے کہا: جب میں غار کی طرف آرہا تھا تو اچانک میں ششدر رہ گیا! غار کے سامنے ایک مسلح شخص بیٹھا ہوا تھا، پہلے میں نے سوچا تم لوگوں میں سے کوئی ایک ہے لیکن جب میں نزدیک پہونچا تو نہایت تعجب کے ساتھ دیکھا کہ وہی عراقی قیدی ابو جعفر مسلح ہو کر پہرہ دے رہا ہے! اسے دیکھتے ہی میرے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ لیکن ابو جعفر نے سلام کیا اور اسلحہ میرے ہاتھ میں دے دیا۔

عربی زبان میں اس نے کہا:

تمہارے دوست لوگ سب سو رہے تھے کہ اچانک یہاں سے میں نے ایک عراقی گشتی پارٹی کو گذرتے دیکھا، اسی وجہ سے میں یہاں پر آیا تا کہ اگر یہ لوگ اس طرف آگئے تو ان پر فائرنگ کر دوں!

دوستوں کے ساتھ ہم لوگ ہیڈ کواٹر پر گئے اور کچھ دنوں تک ابو جعفر کو اپنے ساتھ ہی رکھا۔ چونکہ راستے بھر میں ابراہیم پر دباؤ کافی پڑ گیا تھا لہٰذا کچھ دنوں کے لئے اسے اسپتال میں بھرتی ہونا پڑا، چند روز بعد اسے دیکھتے ہی سبھی جوان بہت خوش ہو گئے۔

میں نے ابراہیم کو بلا کر کہا:

سپاہ پاسداران کی مغربی کمان کے اعلیٰ افسران تمہیں شکریہ ادا کرنے کے لئے یہاں آئے ہوئے ہیں!

تعجب بھرے لہجے میں اس نے پوچھا: کس بات کا شکریہ، میں نے ایسا کون سا کمال کیا ہے؟! میں نے کہا: آؤ تو، پتہ چل جائے گا!

ہم لوگ ابراہیم کے ساتھ سپاہ پاسداران کے ہیڈ کواٹر پر چلے گئے اور مذکورہ ایک افسر نے کہنا شروع کیا: عراقی قیدی ابو جعفر کہ جسے تم لوگ اپنے ساتھ یہاں لائے ہو، عراقی ملٹری کی چوتھی لشکر کے ہیڈ کواٹر کا وائرلس مین ہے۔ اس نے عراقی فوج کی تیاری، پوزیشن، بریگیڈ ہیڈ کواٹرس، اعلیٰ افسران و کمانڈران، دراندازی کے راستے وغیرہ سب کے بارے میں جو معلومات ہمیں فراہم کی ہیں وہ بہت بہت زیادہ اہم اور قابل قدر ہیں، وہ تین دنوں سے ہمیں عراقی فوج کے بارے میں معلومات دے رہا ہے اور اس کی ساری معلومات صحیح اور دقیق ہیں۔ یہ فوجی جنگ کے پہلے ہی دن سے یہاں اس علاقے میں موجود رہا ہے، اس نے تو عراقی فوج کے رفت وآمد کے تمام راستے اور ان کے وائر سیٹوں کے سارے پاس ورڈ ہمیں بتادئے ہیں۔

ہم اس اہم کارنامے کے سلسلے میں آپ کا شکریہ ادا کرنے یہاں آئے ہوئے ہیں۔

ابراہیم نے مسکراتے ہوئے کہا:

نہیں بھائی، ہماری کیا حیثیت ہے، یہ تو سب خدا کا لطف ہے۔

اس کے دوسرے دن ابو جعفر کو کیمپ میں بھیج دیا گیا؛ ابراہیم نے سخت کوشش کی کہ ابو جعفر ہمارے پاس ہی رہے کیونکہ ابو جعفر کا سخت اصرار تھا کہ:

مجھے یہیں پر رہنے دو، میں عراقیوں کے خلاف لڑنا چاہتا ہوں! لیکن اس بات کی انہیں اجازت نہیں دی گئی۔

* * *

کچھ مدت بعد ہمیں معلوم ہوا کہ " گروہِ توّابین "نامی عراقی قیدیوں کی ایک جماعت محاذ جنگ پر آئی ہوئی ہے، یہ لوگ عراقی جوانوں پر مشتمل "بدر "نامی بریگیڈ کے مجاہدوں کے ساتھ عراقیوں کے خلاف لڑتے تھے۔

سہ پہر کا وقت تھا، اپنے گروپ کا ایک پرانا ساتھی مجھ سے ملنے آیا اور خوش ہو کر کہا: آپ کے لئے میرے پاس ایک دلچسپ خبر ہے، وہ عراقی قیدی ابو جعفر بدر بریگیڈ کے ہیڈ کواٹر میں کام کرتا ہے!

چونکہ فوجی آپریشن ہونے ہی والا تھا لہٰذا ہم لوگ اس آپریشن کے بعد اپنے بقیہ ساتھیوں کے ہمراہ بدر بریگیڈ کے ہیڈ کواٹر پر گئے۔ سوچا یہ تھا کہ ہر صورت میں ہم ابو جعفر کو ڈھونڈ کر اپنے گروپ میں اسے ملحق کریں گے۔

لیکن بریگیڈ کی بلڈ نگ میں داخل ہونے سے پہلے ہی ہم لوگوں نے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا۔ بریگیڈ کے شہیدوں کی تصویریں دیوار پر لگائی گئی تھیں اور بدر بریگیڈ کے آخری فوجی آپریشن میں شہید ہونے والے فوجی جوانوں کی تصویریوں کے درمیان ابو جعفر کی بھی تصویر لگی ہوئی تھی!

اب میرا دماغ پھٹا جارہا تھا، ایک عجیب و غریب حالت مجھ پر طاری ہوگئی تھی، میں مات و مبہوت ہو کر اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اب ہم لوگ بلڈ نگ میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس ہیڈ کواٹر سے باہر آئے اور اس کی ساری یادیں یکے بعد دیگرے میرے ذہن میں آنے لگیں۔ اس رات کی معرکہ آرائی! ابراہیم کی فداکاری! عراقی وائرلس مین! قیدیوں کا کیمپ! بدر بریگیڈ! شہادت! کیا خوش قسمتی ہے!

* * *

دوست

(مصطفیٰ ہرندی)

بہت بے تاب تھا، اس کا دُکھ اس کے چہرے پر نمایاں تھا۔ میں نے پوچھا: کیا ہوا؟!

ابراہیم نے دُکھ بھرے لہجے میں کہا:

کل رات کو ہم دوسرے دوستوں کے ساتھ دشمن کے ٹھکانوں کی شناسائی کے لئے گئے لیکن واپسی پر ٹھیک دشمن کے ٹھکانے کے کنارے ماشاء اللہ عزیزی کا پیر بارودی سرنگ پر پڑ گیا اور وہ شہید ہو گیا۔

عراقیوں نے ہم پر فائرنگ کر دی اور ہم لوگ وہاں سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

اب مجھے اس کی ناراضگی کی وجہ معلوم ہوئی۔ لیکن اندھیرا ہوتے ہی وہ نکل پڑا اور آدھی رات کو بہت خوش اور تازہ دم ہو کر چِلاتا ہوا آیا:

ڈاکٹر! ڈاکٹر! جلدی آجاؤ، ماشاء اللہ زندہ ہے!

سارے دوست لوگ خوش ہو گئے اور ہم لوگوں نے ماشاء اللہ کو ایمبولینس میں بٹھا کر روانہ کر دیا۔ لیکن میں نے ابراہیم کو ایک کونے میں بیٹھے سوچ میں ڈوبا دیکھا!

میں گیا، اس کے کنارے بیٹھا اور حیرت انگیز لہجہ میں پوچھا: تم سوچ کیا رہے ہو؟!

تھوڑا ٹھہر کر کہا:

ماشاء اللہ بارودی سرنگوں کے میدان کے بیچوں بیچ پڑا ہوا تھا عراقی مورچے کے بالکل قریب میں، لیکن جب میں اسے ڈھونڈھنے گیا تو یہ وہاں پر نہیں تھا۔

تھوڑا پیچھے ہٹ کر دشمنوں کی طرف نظر سے دور ایک پُرامن جگہ پر میں نے اسے دیکھا! یہ میرے ہی انتظار میں وہاں بیٹھا ہوا تھا!

* * *

..."میرے پاؤں سے کافی خون بہہ چکا تھا اور میں بے حس پڑا ہوا تھا اور عراقیوں کو پورا یقین تھا کہ میں مر چکا ہوں! ایک عجیب حالت مجھ پر طاری تھی۔ زیر لب میں "یا صاحب الزمان ادرکنی" کہہ رہا تھا۔

اب اندھیرا ہو چکا تھا اور ایک خوبصورت اور نورانی چہرہ میرے سرہانے آیا، کافی زحمت سے میں نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اس نے مجھے نہایت آرام سے اٹھایا اور مجھے درد کا ذرّہ برابر بھی احساس نہیں ہوا، بارودی سرنگوں کے میدان سے مجھے باہر نکالا اور ایک پُرامن جگہ پر بٹھا دیا، نہایت آرام اور آہستہ آہستہ!

اس کے بعد کہا:

ایک شخص آئے گا جو تمہیں یہاں سے لے جائے گا وہ ہمارا چاہنے والا ہے!

کچھ ہی لمحے بعد ابراہیم آیا جو پہلے ہی کی طرح مضبوط اور چُست تھا۔ اس نے مجھے کندھے پر اٹھایا اور چل دیا۔ اس نورانی خوبصورت چہرے نے ابراہیم کو اپنا چاہنے والا کہا، کتنا خوش قسمت ہے وہ!"...

یہ ماشاءاللہ کے وہ حروف و کلمات ہیں جو اس نے گیلان غرب کے محاذ جنگ پر اپنی ڈائری میں لکھے تھے۔ (1)

* * *

1۔ سربلند جانباز ماشاءاللہ عزیزی گیلان غرب کا ایک مخلص اور پرہیزگار اسکول ٹیچر تھا جو جنگ شروع ہونے کے پہلے دن سے لے کر آٹھ سال بعد ختم ہونے والے آخری دن تک تمام فوجی کاروائیوں میں محاذ جنگ پر بڑی بہادری سے شامل تھا اور جنگ ختم ہونے کے بعد ایک سڑک حادثے میں اپنے شہید دوستوں سے جا ملا۔

گمنامی

(مصطفی ہرندی)

اذان صبح سے پہلے وہ واپس آگیا اور شہید کا جنازہ بھی اس کے کندھے پر تھا، تھکاوٹ کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں تھے، اس نے چُھٹی کا پرچہ لیا اور نماز کے بعد ہم لوگ شہید کا جنازہ لے کر روانہ ہو گئے۔ وہ کافی تھکا ہوا لیکن خوش تھا!

کہتا تھا:

ایک مہینہ پہلے "بازی دراز" چوٹیوں پر ہمارا ایک فوجی آپریشن چل رہا تھا اور اب یہی ایک شہید وہاں پر رہ گیا تھا۔ اب خدا کے لطف و کرم سے اس علاقے میں جنگ ختم ہونے کے بعد ہم اس شہید کو واپس لا سکے ہیں!

یہ خبر بہت جلد تہران پہونچ گئی تھی اور سارے لوگ شہید کے جنازے کے منتظر تھے، دوسرے دن تہران کے خراسان چوک سے اس شہید کی بڑے شان و شوکت سے تشییع جنازہ ہوئی۔

ہم تہران میں کچھ دن اور رُکنا چاہتے تھے لیکن ہمیں اطلاع دی گئی کہ ایک اور فوجی کاروائی ہونے جارہی ہے لہٰذا یہ طے پایا کہ ہم لوگ کل رات مسجد سے روانہ ہوں گے۔

***

ابراہیم اور چند دیگر ساتھیوں کے ساتھ ہم لوگ نماز کے بعد مسجد کے باہر کھڑے گفتگو میں مصروف تھے کہ اتنے میں ایک معمر شخص ہمارے سامنے آکر کھڑا ہو گیا، میں

اسے پہچانتا تھا، یہ اسی شہید کا باپ تھا جسے ابراہیم پہاڑ کی چوٹیوں سے لے کر آیا تھا، ہم نے سلام کیا اور اس نے جواب سلام دیا۔

سب لوگ خاموش کھڑے تھے، ہمارے سارے دوست انہیں نہیں پہچانتے تھے، یہ ہم سے کچھ کہنا چاہ رہے تھے لیکن!

تھوڑی دیر بعد اس نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا:

ابراہیم صاحب! میں آپ کا شکر گذار ہوں، آپ نے تکلیف اٹھائی، لیکن میرا بیٹا! بوڑھے شخص نے تھوڑا ٹھہر کر کہا: میرا بیٹا آپ سے ناراض ہے!!

ابراہیم کے ہنس مکھ چہرے سے مسکراہٹ ناپید ہو گئی اور تعجب سے آنکھیں سکڑ چکی تھیں، لیکن کیوں؟!!

بوڑھے شخص کے گلے میں آواز جیسے بند ہو گئی اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا، تھرتھراتی اور نحیف آواز میں کہا:

کل رات میں نے بیٹے کو خواب میں دیکھا جو کہہ رہا تھا:

جب تک ہم محاذ جنگ پر گمنام اور بے نام ونشان پڑے ہوئے تھے، مادر سادات حضرت زہرا(س) ہر رات ہم سے ملنے آتی تھیں، لیکن اب ایسی کوئی بات نہیں ہے، کہتے ہیں کہ:

گمنام شہداء حضرت فاطمہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کے خصوصی مہمان ہوتے ہیں!

اس کے بعد بوڑھا شخص کچھ بول نہیں پایا۔

ہم لوگوں پر خاموشی چھائی ہوئی تھی، میں نے ابراہیم کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر آنسوؤں کے بڑے بڑے قطرے جاری تھے۔ ایسے وقت میں، میں اچھی طرح اس کے ذہن کو پڑھ سکتا تھا، اسے اپنی کھوئی ہوئی چیز مل چکی تھی: گمنامی!

***

اس ماجرا کے بعد جنگ اور شہداء کے سلسلہ میں ابراہیم کی نظر بالکل بدل گئی، اس کا کہنا تھا: اب مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے اس جنگ کے شہداء، رسول خداؐ اور

امیر المومنینؑ کے اصحاب سے کچھ کم نہیں ہیں، خدا کے نزدیک ان کا درجہ بہت بلند ہے۔

میں نے ان کو بارہا یہ کہتے ہوئے سنا کہ: اگر کسی کے دل میں یہ تمنا تھی کہ کاش وہ امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں ہوتا، تو اب امتحان کا وقت آچکا ہے۔

ابراہیم کو اس بات پر پورا یقین تھا کہ دفاع مقدس، انسانی کمال و سعادت اور منزل مقصود تک پہونچنے کے لئے ایک بہترین راستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جہاں بھی جاتا، شہداء کی بات کرتا، مجاہدوں اور جنگجوؤں کے بارے میں کہتا۔

اس کا اخلاق و کردار بھی دن بہ دن بدلتا جارہا تھا اور اس کے اندر روحانیت ہر روز بڑھتی جارہی تھی۔

اسی اندرزگو کمپنی کے بیس کیمپ میں رات کے پہلے دو تین گھنٹے سو جاتا اور پھر اٹھ کر باہر چلا جاتا اور اذان صبح کے وقت واپس آکر دوسرے جوانوں کو نماز صبح کے لئے جگاتا تھا۔

ایک دن میں نے سوچا کہ کافی دنوں سے ابراہیم رات کو یہاں نہیں سوتا، دیکھوں کہاں جاتا ہے! میں نے رات کے وقت اس کا پیچھا کیا تو دیکھا کہ سپاہ پاسداران کے باورچی خانے میں سونے گیا ہے۔

دوسرے دن صبح کو میں نے باورچی خانے میں کام کررہے ایک بوڑھے مجاہد سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ سپاہ پاسداران کے سارے باورچی حضرات نماز شب کے پابند ہیں اور ابراہیم بھی اسی لئے وہاں جاتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اپنے ہی ہیڈ کواٹر میں نماز شب پڑھے گا تو سب لوگ سمجھ جائیں گے۔

ان حالیہ دنوں میں ابراہیم کے اخلاق و رفتار کو دیکھ کر مجھے امام علیؑ کی وہ حدیث یاد آتی تھی کہ جس میں آپؑ نے اپنے صحابی ''نوف بکالی'' سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"میرے شیعہ وہ لوگ ہیں جو رات کے وقت عابد اور دن کے وقت شیر ہوتے ہیں۔"

* * *

صرف خدا کے لئے

(شہید کا ایک دوست)

میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا جو مغربی سرحد پر ایک فوجی آپریشن میں زخمی ہو گیا تھا، اس کے پیر میں شدید چوٹ لگی تھی، مجھے دیکھتے ہی وہ بہت خوش ہوا اور میرا بہت بہت شکریہ ادا کرنے لگا، البتہ میں اس کے شکریہ ادا کرنے کی وجہ نہیں سمجھ پایا!

میرے دوست نے مجھ سے کہا: سید جان! آپ نے بہت تکلیف اٹھائی، اگر تم مجھے اٹھا کر واپس نہ لاتے تو میں ضرور آج عراق کے زندان میں ہوتا!

میں نے کہا: تمھیں پتہ ہے تم کہہ کیا رہے ہو؟! میں تو سب سے پہلے اسلحہ والی گاڑی میں پیچھے واپس پلٹا اور چُھٹی پر گھر آ گیا۔

میرے دوست نے تعجب سے کہا: نہیں بھائی، تم تو خود ہی تھے، تم نے میری مدد بھی کی اور میرے پیر کی مرہم پٹی بھی کر دی!

لیکن میں نے جتنا بھی کہا کہ بھائی میں نے یہ کام نہیں کیا، میں تو بالکل وہاں پر تھا ہی نہیں، اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

ایک زمانہ گذرنے کے بعد میں دوبارہ اپنے دوست کی باتوں پر غور کرنے لگا کہ اچانک میرے دماغ میں ایک بات آئی اور میں فوراً ابراہیم کے پاس گیا۔ ابراہیم بھی اس فوجی آپریشن میں موجود تھا اور اب چُھٹی لے کر گھر آیا ہوا تھا۔

میں ابراہیم کے ساتھ اپنے دوست کے گھر گیا اور اسے کہا:

تمہیں جس شخص کا شکریہ ادا کرنا چاہئے وہ میں نہیں یہ ابراہیم ہے! کیونکہ میرے اندر اتنی طاقت نہیں ہے کہ میں آٹھ کلو میٹر دور پہاڑی راستوں سے کسی کو کندھے پر اٹھا کر کیمپ تک لا سکوں! اسی لئے میں سمجھ گیا کہ یہ کس شخص کا کارنامہ ہونا چاہئے!

میرے قد و قامت کا طاقتور، مضبوط اور کم بولنے والا کہ جو مجھے بھی پہچانتا ہو کون شخص ہو سکتا ہے؟ سمجھ گیا یہ کس کا کام ہے!

لیکن ابراہیم کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔ میں نے کہا:

ابراہیم صاحب! میرے جدّ امجد کی قسم اگر تم نہیں بولوگے تو میں تم سے ناراض ہو جاؤں گا۔

ابراہیم بھی میرے اس کام سے بہت ناراض ہو چکا تھا، اس نے کہا:

کیا کہوں سید؟!

تھوڑا ٹھہر کر بڑے اطمینان سے کہا:

میں خالی ہاتھ واپس آرہا تھا اور یہ ایک کونے میں پڑا ہوا تھا، میرے پیچھے اب کوئی دوسرا آنے والا بھی نہ تھا، شاید میں واپس آنے والا آخری شخص تھا۔ اس اندھیرے میں، میں نے اس کے پیر کا زخم جوتے کے فیتے سے باندھا اور اسے اٹھا کر لے آیا۔ راستے بھر یہ مجھ سے سید، سید کہتا رہا اور میں سمجھ گیا کہ یہ آپ کے دوستوں میں سے ہونا چاہئے، لہٰذا میں نے کچھ نہیں کہا، یہاں تک کہ ہم ہلال احمر (ریڈ کراس) والوں کے پاس پہونچ گئے۔

اس مسئلہ کے بعد ابراہیم مجھ پر بہت غصہ ہوا اور چند دنوں تک مجھ سے بات بھی نہیں کی۔ مجھے اس ناراضگی کی وجہ معلوم تھی۔ وہ ہمیشہ یہ کہتا کہ جو کام خدا کے لئے ہو، وہ زبان پر نہیں لانا چاہئے۔

***

ہم لوگ انٹلی جنس کی ایک ٹیم کے ساتھ دشمن کے علاقے میں گئے اور شناسائی میں مصروف ہوگئے کہ اچانک بھیڑ بکریوں کا ایک گلّہ دکھائی دیا۔ اس گلّہ کا چرواہا ہمارے پاس آیا اور سلام کیا اور پھر پوچھا:

کیا تم لوگ خمینی کے سپاہی ہو؟!

ابراہیم نے آگے بڑھ کر کہا:

ہم لوگ خدا کے بندے ہیں۔ اور پھر ابراہیم نے بوڑھے آدمی سے پوچھا:

تم اس کوہ و بیابان میں کیا کر رہے ہو؟ بوڑھے نے کہا: زندگی بسر کرتا ہوں۔

ابراہیم نے پوچھا: کوئی مشکل تو نہیں؟! بوڑھے آدمی نے مسکراتے ہوئے کہا: اگر مشکلات نہ ہوتیں تو میں یہاں نہ ہوتا!

ابراہیم نے فوراً کھانے پینے کے سامان سے ایک خرمے کا ڈبہ، چند روٹیاں اور کچھ مزید کھانے پینے کا سامان بوڑھے آدمی کو دیدیا اور کہا:

یہ امام خمینیؒ کی طرف سے آپ کے لئے تحفہ ہے۔

بوڑھا آدمی بہت خوش ہوا اور دعائیں دینے لگا اور پھر ہم لوگ وہاں سے نکل پڑے۔

بعض دوستوں نے ابراہیم پر اعتراض کیا کہ ہمیں ایک ہفتے تک اس علاقے میں رہنا ہے جبکہ تم نے ہمارے کھانے پینے کا کافی سارا سامان اس بوڑھے شخص کو دیدیا!

ابراہیم نے کہا:

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہی نہیں ہے کہ یہاں پر ہمیں کتنا وقت لگے گا اور دوسرے یہ کہ اس بات پر یقین کرو کہ اب یہ بوڑھا آدمی ہمارے ساتھ دشمنی نہیں کرے گا۔ تم لوگ شک مت کرو کہ خدا کی خوشنودی کیلئے انجام دیا جانے والا کام اپنا کام کرلیتا ہے۔

یہ بات صحیح ثابت ہوئی، کیونکہ اس شناسائی کے مشن میں ہمارا کھانا پینا کم ہونے کے باوجود بہت جلد ہمارا کام انجام پا گیا، یہاں تک کہ کھانا پینے کا تھوڑا سامان بچ بھی گیا۔

* * *

بزم علماء میں

(امیر منجر)

جنگ کا پہلا ہی سال تھا اور ہم چھُٹی پر آئے ہوئے تھے۔ ہم بائیک پر سوار ہو کر خراسان چوک کی طرف جارہے تھے، ابراہیم موٹر سائیکل کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ ہم لوگ ایک سڑک سے گذرے تو ابراہیم نے اچانک کہا:

امیر ٹھہرو! میں نے بھی فوراً سڑک کے کنارے بائیک کھڑی کر لی اور تعجب بھرے لہجے میں کہا: کیا ہوا؟!

اس نے کہا: کچھ نہیں، اگر تمہارے پاس وقت ہے تو ایک آدمی سے ملنے جاتے ہیں!

میں نے بھی کہا: ٹھیک ہے مجھے بھی کوئی کام نہیں ہے۔

ہم ایک گھر میں داخل ہوئے، تو ابراہیم نے چند بار یااللہ یااللہ کہا اور پھر ہم لوگ ایک کمرے میں گئے جہاں پہلے ہی کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ کالی عبا اور ٹوپی پہنے ایک معمر شخص صاحبِ مجلس تھے۔

ابراہیم اور میں نے سلام کیا اور ایک کونے میں بیٹھ گئے۔

آقا صاحب ایک جوان کے ساتھ محوِ گفتگو تھے، گفتگو ختم ہونے کے بعد آپ نے ہماری طرف رُخ کر کے مسکراتے ہوئے کہا:

ابراہیم صاحب! آج آپ کیسے راستہ بھول کر ادھر آئے ہیں!!

ابراہیم کہ جو اپنا سر نیچے رکھے ہوئے تھا، نے نہایت ادب سے کہا:

آقا صاحب! معاف کیجئے گا، آپ کی خدمت میں آنے کے لئے وقت نہیں مل پاتا۔

ان دونوں کی طرز گفتگو سے میں سمجھ گیا کہ یہ ابراہیم کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔آقا صاحب نے دوسروں کے ساتھ بھی تھوڑی بات چیت کی اور جب کمرہ لوگوں سے خالی ہوا توآپ نے ابراہیم کی طرف رُخ کر کے بڑی انکساری سے کہا:

ابراہیم صاحب! ہمیں تھوڑی سی نصیحت کیجئے!

ابراہیم شرمندگی سے لال ہو چکا تھا،اس نے اپنا سر اٹھاتے ہوئے کہا:

آقا صاحب! خدا کے واسطے ہمیں شرمندہ مت کیجئے! خدارا آپ ایسی باتیں مت کیجئے!

اس کے بعد کہا: ہم لوگ آپ کی زیارت کے لئے آئے تھے،انشاءاللہ ہفتہ وار جلسوں میں آپ کی خدمت میں ضرور آئیں گے۔

اس کے بعد ہم لوگ اٹھے، خداحافظی کی اور باہر آگئے۔راستے میں، میں نے ابراہیم سے کہا: ابراہیم! تھوڑا اس بابا کو نصیحت کر دیتے، لیکن لال پیلا ہونے کی کیا ضرورت تھی!

اس نے بڑے غصہ سے میری بات کاٹتے ہوئے کہا:

امیر صاحب! تجھے معلوم ہے یہ کون صاحب ہیں؟

میں نے کہا: ہاں یہ بات تو صحیح ہے،آخر یہ تھے کون؟

اس نے کہا: یہ خدا کے اولیاء میں سے ایک ہیں لیکن اکثر لوگ ان کو نہیں جانتے،یہ حاجی مرزا اسماعیل دولابی ہیں۔

سالہا سال گذرنے کے بعد لوگوں نے حاجی دولابی صاحب کو پہچانا۔اور "طوبائے محبت" نامی کتاب پڑھنے کے بعد مجھے سمجھ میں آیا کہ انہوں نے ابراہیم سے کتنی بڑی بات کہی تھی۔

* * *

مغربی سرحد کا ایک اہم اور بڑا فوجی آپریشن ختم ہوگیا۔ پہلے سے ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق اکثر مجاہدین حضرت امام خمینیؒ کی زیارت کے لئے چلے گئے۔ اگرچہ ابراہیم بھی اس فوجی آپریشن میں شامل تھا لیکن وہ تہران نہیں آیا۔

میں نے جاکر اس سے پوچھا: تم تہران کیوں نہیں گئے ؟!

اس نے کہا: سب لوگ محاذ جنگ چھوڑ کر جائیں گے تو یہاں کون رہے گا؟ کچھ لوگ تو یہاں پر بھی رہنے چاہئیں نا!

میں نے کہا: حقیقت میں تم اسی وجہ سے نہیں گئے ؟!

اس نے تھوڑا ٹھہر کر کہا: ہم رہبر اور قائد کو دیکھنے یا زیارت کرنے کے لئے نہیں چاہتے بلکہ ہم رہبر کو اطاعت اور فرمانبرداری کرنے کے لئے چاہتے ہیں۔ میں اگر رہبر کو دیکھ بھی نہ سکوں تو کوئی بڑی بات نہیں ہے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ میں اس کے حکم کا فرمانبردار رہوں اور وہ مجھ سے راضی رہے!

ولایت فقیہ کے سلسلہ میں ابراہیم کافی حساس تھا، امام خمینی کے بارے میں بھی اس کے خیالات کافی عجیب و غریب تھے، کہتا تھا: بزرگان دین اور قدیم و جدید علماء میں سے امام خمینی جیسی جرأت اور بہادری کسی میں بھی نہیں تھی۔

جب بھی امام خمینی کا کوئی پیغام نشر ہوتا تو بڑے غور سے سنتا اور کہتا:

اگر ہمیں دنیا اور آخرت چاہئے تو ہمیں امام خمینی کی باتوں پر عمل کرنا چاہئے۔

ابراہیم بچپنے سے ہی اپنے علاقے کے علماء کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا۔ جب علامہ جعفری ہمارے محلے میں رہتے تھے تو ابراہیم نے ان سے کافی استفادہ کیا۔

ابراہیم شہید آیت اللہ بہشتی اور شہید آیت اللہ مطہری کو جوان نسل کے لئے ایک مکمل نمونۂ عمل سمجھتا تھا۔

* * *

زیارت

(جبّار ستودہ، مہدی فرید وند)

جنگ کا پہلا ہی سال تھا اور ہم اندرزگو کمپنی کے جوانوں کے ساتھ گیلان غرب کی شمالی چوٹیوں پر چڑھے، ایک دن بالکل صبح سویرے ہم لوگ ایک ایسی چوٹی پر چڑھے جہاں سے بارڈر لائن صاف دکھائی دے رہی تھی اور ایرانی سرحدی چوکی عراقیوں کے قبضے میں تھی۔ عراقی فوجی گاڑیاں آس پاس کی سڑکوں پر بڑے سکون سے گذر رہی تھیں۔

ابراہیم نے دعاء کا کتابچہ کھولا اور ہم سب نے زیارت عاشورا پڑھی۔ اس کے بعد دشمن کے قبضہ کئے ہوئے علاقوں کو بڑی حسرت سے دیکھتے ہوئے میں نے کہا:

ابراہیم! اس سرحدی سڑک کو دیکھو، دیکھو کتنے سکون سے عراقی لوگ یہاں سے گذر رہے ہیں اور پھر حسرت بھرے لہجے میں کہا:

کیا ایسا بھی دن آئے گا جب ہمارے عوام بھی نہایت سکون سے ان سڑکوں سے گذر کر اپنے اپنے شہروں کو جاتے ہوں گے ؟!

ابراہیم جیسے کہ میری باتیں سن ہی نہیں رہا تھا اور اپنی دوراندیش نگاہ سے آنے والے زمانے کو دیکھ رہا تھا، مسکراتے ہوئے کہا: کیا کہہ رہے ہو تم...! ایک دن ایسا آئے گا جب ہمارے عوام فوج در فوج اسی سڑک سے کربلا جا رہے ہوں گے!

واپس پلٹتے وقت میں نے دوستوں سے پوچھا کہ اس سرحدی چوکی کا کیا نام ہے؟
ایک نے کہا: خسروی بارڈر!

بیس سال کے بعد ہم کربلا جارہے تھے، میری نظرانہی چوٹیوں پر پڑی، یہ وہی چوٹیاں تھیں جہاں ابراہیم نے زیارت عاشوراپڑھی تھی، جیسے میں ابراہیم کو دیکھ رہا تھا جو ہمیں الوداع کہہ رہاہے۔ یہ چوٹیاں خسروی سرحد کے بالکل سامنے ہیں۔ ساری بسیں سرحد کی طرف رواں دواں تھیں اور اس سڑک سے ہمارے عوام فوج در فوج کربلا کی زیارت کو جارہے تھے۔

جب ہم تہران میں ہوتے تو ابراہیم ہر شب جمعہ کو حضرت عبدالعظیم حسنی کی زیارت کو جاتااور کہتا:

شب جمعہ، رحمتِ خدا کی رات ہے یہ شب حضرت اباعبداللہ الحسینؑ کی زیارت کی رات ہے۔ سارے اولیاء اور ملائکہ اس رات کو کربلا جاتے ہیں، ہم لوگ بھی ایسی جگہ جائیں گے جہاں کی زیارت کاثواب کربلاکے برابر ہے!

اس کے بعد دعائے کمیل بھی وہیں پر پڑھتااور ایک بجے رات کو وہاں سے واپس آجاتا! جب سے بسیج (رضاکار فورس) بنی اور اس کا پروگرام شروع ہوا تب سے زیارت کے بعد سیدھے بسیجی دوستوں کے پاس مسجد چلا جاتا تھا۔

ایک بار شب جمعہ کو ہم اکٹھے حرم سے باہر آئے اور چونکہ مجھے جلدی تھی لہٰذا ایک دوست کے ساتھ بائیک پر بیٹھ کر مسجد آیا، لیکن ابراہیم اس کے دو تین گھنٹے بعد مسجد پہونچا؛ میں نے کہا: ابراہیم! تم نے تو کافی دیر کر دی؟!

اس نے کہا: میں حرم سے پیدل ہی نکل پڑا تاکہ راستے میں شیخ صدوق کی بھی زیارت کرتا چلوں، کیونکہ تہران کے بزرگوں کا کہنا ہے کہ شب جمعہ کو امام زمان(عج) شیخ صدوق کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لاتے ہیں۔

میں نے کہا: ٹھیک ہے لیکن پیدل کیوں؟!

اس نے کوئی صحیح جواب نہیں دیا۔

میں نے کہا: تم تو جلدی مسجد میں آنا چاہ رہے تھے لیکن پھر پیدل کیوں آئے، ضرور کوئی اہم وجہ ہے!

کافی پوچھ تاچھ کے بعد اس نے کہا:

جب میں حرم سے باہر آیا تو ایک محتاج شخص میرے پاس آیا۔ میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر پیسے نکالے اور اسے دیدئے۔ جب ٹیکسی پر بیٹھنا چاہا تو دیکھا اب میری جیب میں کوئی پیسہ نہیں بچا ہے۔ اس لئے پیدل ہی چلا آیا!

ان آخری ایام میں ہم لوگ ایک ساتھ زیارت پر جاتے اور آدھی رات کو پھر بہشت زہراء میں شہیدوں کی قبروں پر جاتے تھے اور اس کے بعد ابراہیم ہمارے لئے مرثیہ و نوحہ پڑھتا تھا۔

بعض اوقات وہ قبر کے اندر چلا جاتا اور وہیں پر بڑی درد بھری آواز میں دعائے کمیل پڑھتا اور روتا رہتا۔

* * *

ہینڈ گرینڈ

(علی مقدم)

"مطلع الفجر" نامی فوجی آپریشن سے پہلے کی بات ہے، مزید بہتر ہماہنگی کے لئے آرمی اور سپاہ پاسداران کے کمانڈروں نے اندرزگو کمپنی کے ہیڈ کواٹر پر ایک میٹنگ بلائی۔ میرے اور ابراہیم کے علاوہ آرمی کے تین کمانڈر اور سپاہ پاسداران کے تین کمانڈر اس میٹنگ میں موجود تھے اور کچھ جوان صحن میں فوجی مشقوں میں مصروف تھے۔

تقریباً میٹنگ کے درمیانی وقت میں جبکہ سب لوگ گفتگو میں مصروف تھے، اچانک کھڑکی سے ایک ہینڈ گرینڈ اندر آکر گرا! یہ گرینڈ کمرے کے بالکل بیچوں بیچ گرا، ڈر کے مارے میرا رنگ ہی اڑ گیا۔ میں جہاں پر بیٹھا تھا وہیں پر فوراً دیوار کی طرف منہ کر کے اپنے دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے ڈال کر اپنے سر کو دونوں بازؤں کے درمیان رکھا اور سجدے کی حالت میں اپنی سانس سینے میں بند کر دی۔ دوسرے لوگ بھی میری ہی طرح کمرے کے ایک ایک کونے میں جم سے گئے تھے۔

ایک ایک لمحہ بڑی سختی سے گذر رہا تھا لیکن دھماکے کی آواز نہیں آرہی تھی، آہستہ آہستہ میں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور ہاتھوں کے نیچے سے پیچھے کی طرف دیکھنے لگا، جو منظر دیکھا وہ بڑا عجیب تھا، آہستہ آہستہ میں نے اپنے سر سے اپنے ہاتھ اٹھائے اور سر اوپر کرتے ہوئے حیرت انگیز نظروں سے ابراہیم کو دیکھتے ہوئے کہا: ابراہیم صاحب!!

کمرے کے چاروں طرف پھیلے ہوئے بقیہ افراد نے بھی اپنے اپنے سر اوپر اٹھائے جبکہ سب کے چہروں کا رنگ اڑا ہوا تھا اور سب کی نظریں کمرے کے بیچوں بیچ جم سی گئی تھیں۔

بڑا عجیب منظر تھا، ایسے وقت میں کہ جب ہم سب لوگ کمرے کی دیواروں کے ساتھ چپک گئے تھے، ابراہیم ہینڈ گرینڈ پر لیٹا ہوا تھا!

اتنے میں فوجی تربیت دینے والا ایک افسر کمرے میں داخل ہوا اور کافی زیادہ عذر خواہی کرتے ہوئے کہنے لگا کہ:

میں بہت بہت شرمندہ ہوں، یہ گرینڈ سکھانے کے لئے ہے اور غلطی سے کمرے میں چلا گیا۔

یہ سن کر ابراہیم گرینڈ پر سے اٹھ گیا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ ابھی جنگ کا پہلا ہی سال تھا اور ابھی تک ایسا اتفاق کسی بھی دوسرے جوان کے ساتھ پیش نہیں آیا تھا۔

اس کے بعد یہ گرینڈ کا ماجرا باتوں باتوں میں سارے فوجی جوانوں میں منتقل ہو گیا۔

* * *

مطلع الفجر

(حسین اللہ کرم)

بنی صدر کو چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے سے عزل کئے ہوئے کچھ عرصہ گذر چکا تھا۔ عراقی فوج کی عظمت اور برتری توڑنے کے لئے ملک کی جنوبی، مغربی اور شمالی جنگی محاذوں پر چند فوجی آپریشنوں کا نقشہ تیار کیا گیا۔ ۲۸ نومبر ۱۹۸۲ء کو "طریق القدس" (بُستان کی آزادی) نامی سب سے پہلا بڑا فوجی آپریشن انجام دیا گیا اور بعثی افواج کو سب سے پہلی بھاری شکست سے دوچار کیا گیا۔

کمانڈروں کے پروگرام کے مطابق دوسرا بڑا فوجی آپریشن گیلان غرب سے سرپل ذہاب تک کے علاقے کہ جو شہر بغداد سے سب سے زیادہ نزدیک جنگی محاذ تھا، میں انجام پانا تھا۔ لہٰذا کافی عرصہ پہلے سے علاقے کی شناسائی اور فوجوں کی تیاری کا کام مکمل ہو چکا تھا۔

یہ آپریشن گیلان غرب کی سپاہ پاسداران کی کمان کے تحت ہونے والا تھا۔ اندرزگو کمپنی کے جوان مربوطہ کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ دشمن کے علاقے کی شناسائی کی ذمہ داری ابراہیم کے سر تھی اور یہ کام نہایت قلیل مدت میں بحسن وخوبی انجام پایا تھا۔

معلومات فراہم کرنے کے لئے ابراہیم ایک کُردی جوان کے ہمراہ دشمنوں کے ٹھکانوں کے کافی پیچھے تک گئے اور ایک ہفتے کے اندر یہ لوگ شناسائی کرتے کرتے "نفت شہر" تک پہونچ چکے تھے۔

ابراہیم نے اس مدت میں مطلوبہ آپریشن کے علاقے کے بہترین نقشے تیار کر لئے تھے اور پھر واپسی پر چار عراقیوں کو اپنے ساتھ اسیر کر کے کیمپ میں لایا تھا! ابراہیم نے

قیدیوں سے بھی پوچھ تاچھ کر کے معلومات میں مزید اضافہ کیا اور آپریشن کے نقشے مکمل کر کے ایک میٹنگ میں کمانڈر حضرات کے سامنے رکھ دئے۔

ہیڈ کواٹر سے یہ اطلاع ملی کہ اس آپریشن کے فوراً بعد تیسرا حملہ "مریوان" نامی علاقے میں شروع ہوگا۔آرمی کی ذوالفقار بریگیڈ کے جنرل علی یاری اور میجر سلامی بھی سپاہ پاسداران کے افواج کے ساتھ ہماہنگ ہوئے۔ بہت سارے مقامی فوجی سرپل ذہاب سے لے کر گیلان غرب تک چند منظم بٹالینوں میں تقسیم کئے گئے۔ اندرزگو کمپنی کے اکثر جوان ان بٹالینوں کے کمانڈر قرار دئے گئے۔

سپاہ پاسداران اور رضا کار فوجوں کی بٹالینوں کو فدائین دستوں کے عنوان سے یہ آپریشن شروع کرنے کی ذمہ داری دی گئی۔

فائنل میٹنگ میں ابراہیم کو درمیانی محاذ کا کمانڈر، صفر خوش روان کو بائیں محاذ کا کمانڈر اور داریوش ریزہ وندی کو دائیں محاذ کا کمانڈر انتخاب کیا گیا۔

اس آپریشن کا مقصد ''گیلان غرب'' شہر کی چوٹیوں سے قبضہ ہٹانا، اور سرحدی چوٹیوں، حاجیان اور گورک درّوں اور سرحدی چوکیوں پر قبضہ کرنا بتایا گیا۔

اس آپریشن کا علاقہ تقریباً ستر کلو میٹر وسیع تھا، سارے کام ہماہنگی کے ساتھ انجام پارہے تھے۔

آپریشن شروع ہونے سے چند دن پہلے ہی سپاہ پاسداران کی کمان سے یہ اطلاع ملی کہ عراق نے "بستان" پر واپس قبضہ کرنے کے لئے ایک وسیع حملے کی تیار کی ہے۔آپ لوگ فوراًاپنی کاروائی شروع کریں تاکہ بستان کے محاذ سے عراق کی توجہ ہٹ جائے۔

لہٰذا ۱۰ دسمبر ۱۹۸۲ء کادن کاروائی شروع کرنے کے لئے انتخاب کیا گیا۔

ایک عجیب سی حالت مجھ پر طاری تھی۔ کل مغربی سرحد اور اونچی چوٹیوں پر سب سے پہلی بری فوجی کاروائی شروع ہونے جارہی تھی۔ کسی بھی چیز کے سلسلہ میں پیشگوئی نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس رات جوانوں کی آخری خداحافظی قابل دید تھی۔

آخر کار حملہ کا دن آن پہونچا۔

مختلف محاذوں پر جوانوں کے وسیع پیمانے پر حملہ کرنے سے بہت سارے اہم اور اسٹریٹجک علاقے جیسے حاجیان اور گورک درّے، بر آفتاب کا علاقہ، سر تتان، چر میان، دیزہ کش اور فریدون ہوشیار کی چوٹیاں، شیاکوہ کی بعض چوٹیاں اور دشت گیلان کے سارے گاؤں آزاد کر دیئے گئے۔

درمیانی محاذ پر متعدد ٹیلوں اور دریاؤں پر قبضہ کر کے مجاہدین "انار" نامی ٹیلوں کی طرف روانہ ہوئے اور دشمن، پاگلوں کی طرح گولے باری کر رہا تھا۔

بعض بٹالین متعدد ٹیلوں سے گذر کر شیاکوہ چوٹیوں پر پہونچ گئے۔ دشمن کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ اگر شیاکوہ کی چوٹیاں ہاتھ سے نکل گئیں تو عراق کا "خانقین" شہر بھی ہاتھ سے جائے گا، اسی وجہ سے اس نے کافی ساری افواج ان چوٹیوں اور محاذوں کی طرف بھیج دیں۔

آدھی رات کے وقت وائرلس پر یہ اعلان ہوا کہ :

حسن بالاش اور جمال تاجیک اپنے جوانوں کے ہمراہ درمیانی محاذ سے شیاکوہ کی چوٹیوں پر پہونچ چکے ہیں اور مدد کا تقاضا کر رہے ہیں۔

کچھ ہی لمحوں کے بعد ابراہیم نے بھی وائرلس پر یہ اطلاع دی کہ "انار" کی ساری چوٹیاں بھی آزاد ہو چکی ہیں، صرف ایک ہی ٹیلے پر سے شدید مزاحمت کا سامنا ہے اور وہ ٹیلہ اہم بھی ہے لیکن ہمارے پاس اب زیادہ جوان نہیں بچے ہیں۔

میں نے ابراہیم سے کہا:

صبح ہونے سے پہلے ہی میں امدادی افواج کے ہمراہ تم تک پہونچ جاؤں گا، تم آرمی کمانڈروں کے ساتھ بھی اس سلسلہ میں ہماہنگی کرو اور ہر صورت میں اس اہم ٹیلے کو بھی آزاد کرادو!

ایک بٹالین فوج کو لے کر ہم لوگ درمیانی محاذ کی طرف روانہ ہوئے، راستے میں سپاہ پاسداران کی کمان سے یہ اطلاع دی گئی کہ دشمن "بستان" پر حملہ کرنے سے منصرف ہو گیا ہے لیکن اس نے اکثر افواج کو تمہارے محاذ کی طرف روانہ کیا ہے۔

تم لوگ ڈٹ کر مقابلہ کرو، انشاءاللہ حاجی احمد متوسلیان کی کمان میں مریوان کی سپاہ پاسداران جلدی ہی ایک اور فوجی آپریشن شروع کر رہی ہے۔

اس کے علاوہ آرمی اور سپاہ پاسداران کے جوانوں کے درمیان اچھی ہماہنگی پر شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ موصولہ اطلاع کے مطابق آپ کے آپریشن والے علاقے میں عراق کو بہت زیادہ بھاری نقصان اٹھانا پڑا ہے اور عراقی آرمی کمان نے اپنے کمانڈروں کو اس علاقے میں ریزرو فوج بھیجنے کا دستور دیا ہے۔

آہستہ آہستہ اجالا ہو رہا تھا، راستے میں ہی ہم لوگوں نے نماز صبح پڑھی، ابھی ہم لوگ انار کے علاقے میں پہونچے بھی نہیں تھے کہ گیلان غرب کے محاذ سے غلام علی پیچک کی شہادت کی خبر ملی جس سے ہم لوگوں کو بہت دُکھ ہوا۔

انار کی چوٹیوں پر پہونچتے ہی ایک جوان آیا اور مشہدی لہجے میں مجھ سے کہنے لگا:

حاجی حسین! کیا آپ کو معلوم ہے کہ ابراہیم کو گولی لگی ہے!!

یہ سنتے ہی میرا بدن کانپنے لگا، میں نے اپنا تھوک نگلتے ہوئے کہا: کیا ہوا؟!

اس نے کہا: ابراہیم کی گردن پر ایک گولی لگ گئی۔

میرا رنگ اُڑ چکا تھا، سر پھٹا جا رہا تھا، بغیر کچھ دیکھے سامنے والے مورچوں کی طرف دوڑ پڑا، راستے میں اس کے ساتھ میری تمام یادیں میرے ذہن میں دوڑ رہی تھیں، میں امدادی مورچے میں داخل ہوا اور اس کے سرہانے کھڑا ہوا۔

گولی اس کی گردن میں لگی تھی اور کافی زیادہ خون بہہ چکا تھا۔ میں نے جواد کو ڈھونڈ کر پوچھا کہ ابراہیم کو گولی کیسے لگی؟! تھوڑا ٹھہر کر اس نے کہا:

نہیں معلوم، میں کیا کہہ سکتا ہوں؟

میں نے کہا: کیا مطلب؟

اس نے کہا:

ہم لوگوں نے آرمی افسران سے کہا کہ اس ٹیلے پر ہم کیسے حملہ کریں، عراقی فوج تو شدید مقابلہ کر رہی ہے اور ٹیلہ پر اور اس کے آس پاس کافی ساری عراقی فوج موجود ہے، ابھی تک جو بھی نقشہ ہم نے آزمایا، کوئی نتیجہ بخش ثابت نہ ہو سکا! اذان صبح کا وقت نزدیک تھا، کچھ نہ کچھ ضرور کرنا تھا لیکن ہمیں نہیں معلوم تھا کہ کیا کیا جائے؟!

اتنے میں اچانک ابراہیم مورچے سے باہر آیا اور عراقی ٹیلے کی طرف جانے لگا اور پھر ایک بڑے پتھر پر قبلہ رُخ ہو کر کھڑا ہوا اور بلند آواز سے اذان کہنا شروع کر دی!

ہم لوگ کافی چیخے، چلائے کہ ابراہیم! واپس آجاؤ، ابھی عراقی تجھے مار ڈالیں گے، لیکن ہماری ان فریادوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

تقریباً اس نے آخر تک اذان کہی۔ تعجب کی بات یہ کہ عراقیوں نے فائرنگ بند کر دی! لیکن اچانک ایک گولی آئی اور سیدھے ابراہیم کی گردن پر لگی اور پھر ہم لوگ اسے واپس مورچے میں لے کر آئے!

* * *

اذان کا معجزہ

(حسین اللہ کرم)

ہم لوگ "انار" کی چوٹیوں پر تھے۔ اجالا ہو چکا تھا اور امدادی جوان نے ابراہیم کی گردن کی ڈرسنگ کی۔ میں جوانوں کو تقسیم کرنے اور وائرلس پر بات کرنے میں مصروف تھا کہ اچانک ایک جوان دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا:

حاجی، حاجی، کچھ عراقی فوجی اپنے ہاتھ اوپر کر کے ہماری طرف آ رہے ہیں!

میں نے تعجب سے پوچھا: کہاں، کدھر؟

ہم دونوں مل کر اس مورچے پر گئے جہاں سے عراقی ٹیلہ دکھائی دے رہا تھا، تقریباً اس طرف سے بیس لوگ اپنے ہاتھوں میں سفید رومال لہرا کر ہماری طرف آ رہے تھے۔ میں نے فوراً کہا کہ سب لوگ مسلح ہو کر تیار رہیں، شاید یہ ایک چال ہو؟!

کچھ دیر بعد اٹھارہ عراقیوں نے اپنے آپ کو ہمارے حوالے کیا جن میں سے ایک ان کا کمانڈر تھا۔ میں بھی اس بات پر خوش تھا کہ اس علاقے میں ہم نے اسیر بھی پکڑ لئے۔ میں نے سوچا کہ ضرور یہ ہمارے جوانوں کے شدید حملے اور بھاری فائرنگ سے ڈر کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

میں اس عراقی افسر کو مورچے میں لایا اور عربی جاننے والے ایک جوان کو بھی بلایا۔

میں نے انٹروگیشن کے انداز میں اس سے پوچھا:

تمہارا نام؟ عہدہ؟ اور سٹار کیا ہے؟ جلدی بتاؤ!

اس نے اپنا تعارف کرتے ہوئے کہا:

میں میجر ہوں اور اس ٹیلے اور اس کے اطراف میں موجود فوجوں کا کمانڈر ہوں۔ ہم لوگ بصرہ کے ریزرو فوج میں سے ہیں اور ہمیں ادھر بھیجا گیا ہے۔

میں نے پوچھا: ابھی اس ٹیلے پر کتنے فوجی موجود ہیں؟

اس نے کہا: کچھ نہیں!

میری آنکھیں سکڑ گئیں، میں نے کہا: کچھ نہیں!؟

اس نے کہا: ہم آپ لوگوں کے پاس آئے اور ہتھیار ڈال دئے اور باقی بچے فوجوں کو بھی میں نے پیچھے بھیج دیا اور اب یہ ٹیلہ بالکل خالی ہے۔

میں نے تعجب سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: کیوں؟!

اس نے کہا: کیونکہ وہ لوگ ہتھیار نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔

میری حیرت میں اور بھی اضافہ ہو گیا، میں نے کہا: کیا مطلب؟!

عراقی کمانڈر نے میری بات کا جواب دینے کے بجائے پوچھا: آین الموذّن؟!

یہ جملہ ترجمہ کا محتاج نہیں تھا، میں نے تعجب سے کہا: موذّن؟!

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس نے تھرتھراتی اور کٹی کٹی آواز میں کہا جس کا ترجمہ مترجم جلدی جلدی کرتا رہا:

"ہم سے کہا گیا تھا کہ تم ایرانی لوگ مجوس اور آگ پرست ہو! ہم سے کہا گیا کہ ہم اسلام کی خاطر ایران پر حملہ کر رہے ہیں، ہمیں ایرانیوں کے ساتھ اسلام کے لئے جنگ کرنا ہے۔ آپ لوگ یقین کریں کہ ہم سارے لوگ شیعہ ہیں"

جب ہم لوگوں نے دیکھا کہ عراقی افسران شراب خور ہیں اور نماز بھی نہیں پڑھتے تو تم لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے میں ہم لوگ تذبذب میں پڑ گئے۔ آج صبح کے وقت جب میں نے آپ کے ایک مجاہد کی اذان سنی جو بلند آواز دے رہا تھا تو میرا پورا بدن کانپنے لگا۔

جب اس نے امیر المومنینؑ کا نام لیا تو میں نے سوچا کہ ہم تو اپنے ہی بھائیوں کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں، کہیں ہم کربلا کی طرح...

پھر وہ اتنا رو یا کہ بات بھی نہیں کر سکا۔

اس کے کچھ منٹ بعد اس نے کہا:

اسی وجہ سے میں نے یہ فیصلہ لیا کہ ہتھیار ڈال دوں گا تا کہ میرے گناہوں کا پلڑا اب اس سے زیادہ بھاری نہ ہونے پائے۔ لہٰذا میں نے اپنے جوانوں کو فائرنگ بند کرنے کا دستور دیا۔ اجالا ہوتے ہی میں نے اپنی فوج کو جمع کر کے کہا:

میں ایرانیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دینا چاہتا ہوں، جو چاہے میرے ساتھ آسکتا ہے اور یہ جو لوگ میرے ساتھ آئے ہیں، یہ سبھی افراد میرے ہم عقیدہ ہیں۔ میرے باقی فوجی پیچھے کی طرف واپس چلے گئے ہیں۔

البتہ جس سپاہی نے مؤذن پر گولی چلائی، اسے میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔ اگر آپ کہیں تو میں اسے یہیں پر مار ڈالتا ہو! اب خدارا صرف اتنا بتایئے کہ وہ مؤذن زندہ ہے کہ نہیں؟!

میں حیران و پریشان عراقی کمانڈر کی باتیں سن رہا تھا، کچھ بول نہیں پا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد میں نے کہا:

جی ہاں، وہ زندہ ہے۔ ہم لوگ ایک ساتھ مورچے سے باہر آئے اور اس مورچے کی طرف گئے جہاں ابراہیم لیٹا ہوا تھا۔

ہمارے ساتھ سارے اٹھارہ عراقی قیدی بھی آئے اور انہوں نے ابراہیم کا ہاتھ چوما اور چلے گئے، آخری شخص ابراہیم کے پیروں پر پڑا اور رو کر کہہ رہا تھا:

مجھے معاف کر دو میں نے ہی گولی چلائی تھی۔

میری آواز بھی میرے گلے ہی میں پھنس گئی تھی، ایک عجیب حالت مجھ پر طاری تھی، اب میری توجہ فوجیوں اور آپریشن سے بھی ہٹ چکی تھی۔ میں عراقی قیدیوں کو پیچھے کی طرف بھیجنا چاہ رہا تھا کہ عراقی کمانڈر نے مجھے بلا کر کہا:

اس طرف دیکھو! ایک کمانڈر بٹالین اور ساتھ میں کچھ ٹینکیں اس طرف سے پیش قدمی کرنا چاہ رہے ہیں! تم لوگ فوراً جاؤ اور اس ٹیلے پر جلدی سے اپنا قبضہ جمالو!

میں نے بھی فوراً اندرزگو کمپنی کے کچھ جوانوں کو اس ٹیلے کی طرف بھیجا اور اس طرح اس چوٹی کی آزادی کے بعد "انار" کا پورا علاقہ دشمن کی موجودگی سے صاف ہو گیا۔

اس کے بعد عراقی کمانڈو بٹالین نے بھی حملہ کیا لیکن چونکہ اس کے مقابلے کے لئے ہم پہلے سے ہی مکمل طور پر تیار تھے لہٰذا ان کے اکثر کمانڈو جوانوں کی ہلاکت سے ان کا یہ حملہ ناکام رہا۔ اس کے بعد والے دنوں میں "مریوان" میں محمد رسول اللہؐ بریگیڈ کے ایک وسیع آپریشن کے شروع ہونے سے گیلان غرب پر عراقی آرمی کا دباؤ نسبتاً کم ہو گیا۔

بہر حال "مطلع الفجر" آپریشن سے ہمارے اکثر اہداف پورے ہو چکے تھے، ہماری سرزمین کے اکثر علاقے آزاد ہو چکے تھے، اگرچہ اس دوران غلام علی پیچک، جمال تاجیک اور حسن بالاش جیسے برجستہ اور ہر دلعزیز کمانڈران جام شہادت نوش کر گئے۔

کچھ دنوں کے بعد مکمل طور پر ٹھیک ہو کر ابراہیم دوبارہ اپنی کمپنی میں واپس آگیا اور اسی دن یہ اعلان ہوا کہ:

"یا مہدی ادرکنی" کے پاسورڈ کے ساتھ انجام پانے والے آپریشن "مطلع الفجر" کے دوران عراقی آرمی کے اسپیشل چودہ بٹالین مکمل طور پر تباہ ہو گئے اور تقریباً دو ہزار فوجی مارے جانے یا زخمی ہونے کے علاوہ عراقی فوج کے دو سو جوانوں کو اسیر بھی کر لیا گیا اور اسی طرح مجاہدین کی زبردست فائرنگ سے دشمن کے دو جنگی جہاز بھی تباہ کر دئے گئے۔

* * *

"مطلع الفجر" آپریشن کے پانچ سال گذر چکے تھے۔ فروری ۱۹۸۷ء میں ہم "شلمچہ" میں "کربلائے ۵" نامی آپریشن میں مشغول تھے۔ انٹلی جنس رپورٹیں حاصل کرنے اور لشکروں[1] کے درمیان ہماہنگی کرنے کی ذمہ داری ہم ہی پر تھی۔

بدر بریگیڈ کو کچھ ضروری ہدایات دینے اور ان کے ساتھ مکمل ہماہنگی کرنے کے لئے میں اس کے ہیڈ کواٹر پر گیا۔ پلان کے مطابق اس بریگیڈ کے کچھ بٹالین کہ جو سارے کے سارے عرب زبان اور صدام کے مخالف عراقی جوانوں پر مشتمل تھے، آپریشن کے دوسرے مرحلے میں محاذ جنگ پر بھیجے جانے تھے۔

بریگیڈ کے اعلیٰ افسران اور بٹالین کمانڈروں کے ساتھ گفتگو اور لازمی ہماہنگی کے بعد میں جانے ہی والا تھا کہ دور سے لشکر بدر کے ایک فوجی جوان کو دیکھا جو کافی دیر سے مجھے تک رہا تھا۔ میں جانے ہی والا تھا کہ وہ اچانک سامنے آیا اور سلام کیا۔

میں نے بھی جواب سلام دیا اور اس نے فوراً عربی لہجہ میں کہا:

کیاآپ گیلان غرب میں نہیں تھے؟!

میں نے تعجب کے ساتھ ہاں کر دی! میں سمجھا شاید یہ اسی علاقے کا ایک جوان ہے۔

اس نے کہا: کیا مطلع الفجر آپریشن آپ کو یاد ہے، "انار" کی چوٹیاں، آخری ٹیلہ؟!

میں نے تھوڑا سوچ کر کہا: ہاں! تو؟

اس نے کہا: وہ اٹھارہ عراقی جوان جو اسیر ہوئے تھے، یاد ہے؟!

میں نے حیران ہو کر کہا: یاد تو ہے، لیکن تم؟!

اس نے خوش ہو کر جواب دیا: میں ان ہی میں سے ایک ہوں!!

میری حیرت اور بڑھ گئی۔ میں نے پوچھا: تم یہاں کیا کر رہے ہو؟!

اس نے کہا:

1- ایک لشکر، ایک بریگیڈ کو کہتے ہیں۔

ہم سارے کے سارے اٹھارہ لوگ یہاں اسی بٹالین میں شامل ہیں۔آیت اللہ حکیم کی ضمانت پر ہمیں رہا کر دیا گیا، وہ ہمیں اچھی طرح پہچانتے تھے۔اب ہم لوگ محاذ جنگ پر بعثیوں سے لڑنے کے لئے آئے ہیں!

یہ بات میرے لئے کافی عجیب تھی، میں نے کہا:

بارک اللہ! تم لوگوں کا کمانڈر کہاں ہے؟

اس نے کہا: وہ بھی اسی بٹالین میں ایک اہم عہدے پر ہے۔ابھی ہم محاذ جنگ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔

میں نے کہا:

اپنے بٹالین کا نام اور اپنا نام اس کاغذ پر لکھو، ابھی مجھے جلدی ہے۔اس آپریشن کے بعد میں دوبارہ یہاں آؤں گا اور تم سبھی لوگوں کے ساتھ تفصیلی ملاقات کروں گا۔

کاغذ پر نام لکھنے کے دوران اچانک اس نے میری طرف دیکھ کر پوچھا:

آپ کے مؤذن کا نام کیا تھا؟!

میں نے کہا: ابراہیم، ابراہیم ہادی!

اس نے کہا:

ان پورے پانچ سال کے دوران ہم اس کی تلاش میں تھے اور ہم نے اپنے کمانڈروں سے بھی کہہ رکھا ہے کہ اسے ضرور ڈھونڈ نکالیں۔ہم لوگ ایک بار پھر اس خدائی انسان کو دیکھنا چاہتے ہیں۔

میں چُپ ہو گیا، میری آواز بھی میرے گلے میں پھنس گئی، اس نے ایک بار پھر اپنا سر اوپر کی طرف اٹھایا اور میری طرف دیکھنے لگا۔

میں نے کہا:

انشاءاللہ تم لوگ بہشت میں ایک دوسرے کو ضرور دیکھ لوگے!

یہ سن کراس کے چہرے کا رنگ ہی اڑ گیا، یہ خبر اس کے لئے کافی غمناک تھی۔

بہر حال اس نے سارے نام لکھ کر کاغذ مجھے دیدیا۔ میں بھی جلدی جلدی خداحافظی کر کے چل دیا۔ یہ ماجرا میرے لئے کافی دلچسپ تھا۔

یہ فوجی آپریشن مارچ ۱۹۸۷ء میں ختم ہوا اور اکثر فوجی جوان چھٹیوں پر چلے گئے۔ ایک دن اچانک مجھے وہ کاغذ جو اس عراقی جوان نے لکھ کر دیا تھا، اپنے سامان میں سے ملا۔ میں فوراً "بدر" بریگیڈ کے فوجیوں سے ملنے گیا اور ایک کمانڈر سے اس بٹالین کے بارے میں پوچھا جس کا نام اس جوان نے اس کاغذ پر لکھا تھا۔

اس کمانڈر نے کہا: یہ بٹالین اب کالعدم ہو چکا ہے۔

میں نے کہا: ٹھیک ہے لیکن میں اس کے فوجی جوانوں سے ملنا چاہتا ہوں!

کمانڈر نے کہا:

جس بٹالین کی تم بات کر رہے ہو، اس کے کمانڈر سمیت فوجی جوان "شلمچہ" میں عراق کے ایک بھاری حملہ کے خلاف ڈٹ گئے اور عراقی فوج کو بہت بھاری نقصان سے دوچار کر دیا لیکن پسپائی بھی نہیں کی اور آخری فوجی کے بچ جانے تک بھی وہ ڈٹے رہے۔ پھر اس نے چند لمحے سکوت کے بعد اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا:

اس بٹالین کا ایک بھی فوجی جوان زندہ واپس نہیں آیا!

میں نے کہا: اٹھارہ لوگ عراقی قیدی تھے جن کے نام یہ ہیں، میں ان ہی سے ملنے آیا تھا۔

وہ سامنے آیا، ان کے نام مجھ سے لئے اور پھر ایک دوسرے جوان کو دیدئے کہ ان کے بارے میں پوچھ تاچھ کرے۔

کچھ منٹ بعد وہ جوان آیا اور کہا: یہ سبھی افراد شہید ہو چکے ہیں!

اب میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔ میں وہیں پر بیٹھا اور اپنی سوچ میں ڈوب گیا۔ میں نے من ہی من میں کہا:

ایک اذان کہہ کر ابراہیم نے کیا کارنامہ انجام دیا!

ایک اہم چوٹی آزاد کرائی۔

ایک اہم آپریشن کامیاب کر دیا۔

اور اٹھارہ لوگوں کو حضرت حرؑ کی طرح آتش جہنم سے نجات دلا کر جنت الفردوس لے گیا۔

اس کے بعد مجھے وہ بات یاد آئی جو میں نے اس عراقی جوان سے کہی تھی کہ:

انشاءاللہ تم لوگ بہشت میں ایک دوسرے کو دیکھ لوگے!

میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل رہے تھے۔

پھر میں خداحافظی کر کے وہاں سے چل دیا۔

اس بات میں مجھے کوئی شک نہیں کہ ابراہیم جانتا تھا اسے کہاں اور کس وقت اذان کہنی ہے جس سے دشمن کے دل میں زلزلہ پیدا ہو جائے اور جن کے دلوں میں ابھی بھی نور ایمان کا چراغ نہیں بجھا ہے، انہیں ہدایت کی روشنی سے منور کر دے!

* * *

چفیہ (مفلر)

(عباس ہادی)

۱۹۸۰ء کے اوائل میں ابراہیم چھٹی پر آیا ہوا تھا۔ رات دیر گئے وہ گھر پر آیا تو تھوڑی سی بات چیت کے بعد میں نے دیکھا کہ اس کی جیب میں کافی زیادہ پیسے ہیں، میں نے کہا:

بھائی، یہ بتایئے کہ اتنے سارے پیسے آپ کہاں سے لاتے ہیں؟!

میں نے آج تک کئی بار دیکھا کہ آپ لوگوں کی مدد کرتے ہیں، عزاداری کی انجمن وغیرہ پر پیسہ خرچ کرتے ہیں اور اس وقت بھی آپ کی جیب اتنے سارے پیسوں سے بھری پڑی ہے! پھر میں نے مذاق میں کہا:

سچ سچ بتایئے، کہیں آپ کو کسی جگہ خزانہ تو نہیں ملا ہے؟!

ابراہیم نے ہنستے ہوئے کہا:

نہیں میرے بھائی، یہ سب مجھے میرے دوست لوگ دیتے ہیں اور وہ خود ہی کہتے ہیں کہ میں ان پیسوں کو کہاں پر خرچ کروں!

دوسرے دن میں ابراہیم کے ساتھ بازار گیا اور متعدد بازاروں اور دکانوں سے گذرتے ہوئے ہم مطلوبہ دکاندار کے پاس پہونچ گئے، یہ تقریباً ایک بڑی دکان تھی اور معمر دکاندار اور اس کے شاگردوں نے ایک ایک کرکے ابراہیم کے ساتھ ہاتھ ملایا اور احوال پرسی کی۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ لوگ ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔

تھوڑی سی بات چیت کے بعد ابراہیم نے دکاندار شخص سے کہ

ا: حاجی! کل میں گیلان غرب محاذ پر جارہا ہوں۔

دکاندار نے کہا: ابراہیم! بتاؤ جوانوں کو اس وقت کس چیز کی ضرورت ہے؟

ابراہیم نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر بوڑھے دکاندار کو دیا اور کہا:

ان ساری چیزوں کے علاوہ ایک ویڈیو کیمرے کی ہمیں اشدّ ضرورت ہے، کیونکہ یہ کارنامے، قربانیاں اور معرکے محفوظ رہنے چاہئیں تاکہ آنے والی نسلوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ دین اور یہ مملکت کس طرح سے بچائی گئی ہے۔

اس کے بعد مزید کہا:

خود مجاہدین کے لئے بہت زیادہ تعداد میں ہمیں چفیہ (مفلر) چاہئیں!

یہ بات سنتے ہی اس دکاندار کا بیٹا، جو ابراہیم کی باتیں سن رہا تھا، آگے آیا اور کہا:

ویڈیو کیمرہ تک تو ٹھیک ہے لیکن ابراہیم صاحب یہ مفلر کا آپ کیا کریں گے؟ کیا آپ جیسے دیندار اور فداکار جوان بھی اوباش اور لفنگے لوگوں کی طرح اپنے گلے میں چفیہ (مفلر) ڈالے پھریں گے؟!

ابراہیم نے تھوڑا ٹھہر کر کہا:

میرے بھائی! یہ مفلر اوباشوں کے گردن کا رومال نہیں جیسا کہ تم سوچ رہے ہو، بلکہ جب مجاہدین وضو کرتے ہیں تو یہ انہیں تولیہ کا کام دیتا ہے، جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو یہ جائے نماز کا کام دیتا ہے، (سردیوں یا گرمیوں میں انہیں مختلف چیزوں کے لئے اس کی ضرورت پڑتی ہے) اور جب وہ زخمی ہو جاتے ہیں تو یہ زخم باندھنے کے کام آتا ہے وغیرہ وغیرہ...

بوڑھا دکاندار اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا:

ٹھیک ہے ابراہیم صاحب! سب کچھ ہم تیار کر کے رکھیں گے۔

دوسرے دن صبح کو میں اپنے دروازے پر تھا کہ یہ بوڑھا دکاندار پورا ایک لوڈ کیریر بھر کر لایا۔ میں جلدی سے گھر کے اندر آیا اور ابراہیم کو آواز دی۔

بوڑھے آدمی نے ایک ویڈیو کیمرہ اور کچھ مزید چیزیں ابراہیم کو دیتے ہوئے کہا:

ابراہیم! یہ رہی مفلروں سے بھری ایک پوری لوڈڈ گاڑی!

ایک عرصے بعد جب ابراہیم واپس گھر آیا تو اس نے کہا:

ہم مجاہدین نے "فتح المبین" نامی فوجی آپریشن میں ان چفیوں (مفلروں) کا خوب استعمال کیا۔

بات یہاں تک پہونچی کہ آہستہ آہستہ اس مفلر کا استعمال اسلامی مجاہدوں کی ایک اہم علامت کے طور پر جانا گیا۔

***

مذاقیہ طبیعت

(علی صادقی، اکبر نوجوان)

ابراہیم اپنے کام میں بہت زیادہ سنجیدہ ہوتا تھا، لیکن جہاں ہنسی خوشی اور مذاق کا ماحول ہوتا تو وہاں پر اس سے زیادہ ہنس مکھ اور مذاقیہ انسان دیکھنے کو بھی نہیں ملتا۔ دراصل یہی ایک بڑی وجہ تھی کہ سبھی لوگ ابراہیم کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔

ابراہیم کے کھانا کھانے کا بھی ایک الگ انداز تھا۔ جب کھانا زیادہ ہوتا تو خوب اچھی طرح کھاتا اور کہتا تھا:

ورزش اور کام زیادہ ہونے کی وجہ سے ہمیں زیادہ کھانے کی بھی ضرورت ہے۔

ایک بار وہ کرمانشاہ میں ایک مقامی دوست کے ساتھ ایک ہوٹل پر پاچے نہاری کھانے گیا، ان دونوں لوگوں نے ایک کے بجائے تین تین پلیٹ پاچے نہاری کھائی!

یا ایک دوست نے ابراہیم کو دن کے کھانے پر دعوت کی۔ اس میزبان نے صرف تین لوگوں کے لئے چھ مرغے اور کافی زیادہ چاول بھی پکا لئے تھے، ان تین لوگوں نے سارا کچھ کھایا اور اس میں سے کچھ بھی نہیں بچایا!

جب ابراہیم جنگ میں زخمی ہوا تھا تو میں اس کی عیادت کو گیا۔ اس کے بعد ہم دونوں مل کر ایک دوست کے گھر افطار کرنے گئے۔ میزبان، ابراہیم کا نزدیکی دوست تھا اور زیادہ سے زیادہ کھانے پر اصرار کر رہا تھا اور چونکہ ابراہیم کو بھی اصرار کرنے کی ضرورت نہیں تھی لہٰذا اس نے بھی خوب کھایا اور دستر خوان پر موجود کھانے میں سے کچھ بھی نہیں بچ پایا!

جعفر بھی وہیں پر تھا۔ وہ افطار کے بعد دوسرے کمرے میں گیا اور اپنے ایک دوست کو بلا کر ابراہیم کا تعارف کرایا۔

پھر جب ابراہیم بیٹھ گیا تو ایک اور دوست کو بلا کر تعارف کروایا، ایسے ہی اس نے کئی بار کیا اور بار بار ابراہیم کو بیٹھ کر دوبارہ اٹھنا پڑتا تھا،

اس نے کہا: ابراہیم! ان لوگوں کو تم سے ملنے کا بہت شوق تھا۔ اور چونکہ ابراہیم نے کافی کھانا کھایا تھا اور اس کا پیر بھی زخمی تھا لہٰذا اسے اٹھنے بیٹھنے میں تکلیف ہوتی تھی لیکن دوسروں کے احترام میں اسے یہ تکلیف اٹھانی ہی پڑتی تھی اور جعفر بھی ہر بار اپنے دوستوں کے پیچھے چھپ کر ہنستا رہتا۔

بہر حال ابراہیم سمجھ گیا کہ جعفر مجھے ستانے کے لئے جان بوجھ کر یہ سب کر رہا ہے، اس نے بڑے پُر سکون انداز میں کہا:

جعفر! یاد رکھنا ہماری باری بھی آئے گی!

رات دیر گئے ہم لوگ جب وہاں سے نکلے تو ابراہیم میری بائیک پر جلدی سے بیٹھ کر کہنے لگا: جلدی نکلو اور تھوڑا تیز چلو!

جعفر بھی اپنی بائیک پر سوار ہو کر ہمارے پیچھے پیچھے آنے لگا۔ ہم چونکہ ذرا تیز چل رہے تھے لہٰذا جعفر کو ہم نے کافی پیچھے چھوڑ دیا اور ہم لوگ ایک چک پوسٹ پر پہونچے!

میں رُکا اور ابراہیم نے جلدی سے ایک مسلح پولیس جوان سے کہا:

دوست! میں جنگی زخمی ہوں اور یہ ڈرائیور بھی سپاہ پاسداران کا ایک فوجی جوان ہے۔ ایک موٹر سائیکل سوار ہمارا پیچھا کر رہا ہے کہ جو...! پھر ذرا ٹھہر کر کہا:
میں کچھ نہ کہوں تو بہتر ہے، لیکن ذرا اپنا خیال رکھنا، کیونکہ میری نظر میں وہ مسلح ہے!

اس کے بعد کہا: اچھا اجازت چاہتے ہیں!

اور پھر ہم لوگ چل دیے۔ تھوڑی دور رُک کر ہم لوگ فٹ پاتھ پر کھڑے تماشا دیکھنے لگے اور ہنسنے لگے۔

جعفر جونہی اپنی بائیک پر چک پوسٹ کے پاس پہونچا تو فوراً چار مسلح پولیس والوں نے اسے گھیر لیا اور اس کی تلاشی لی اور جب اس کے پاس سے ایک پسٹل برآمد ہوئی تو پھر پولیس والوں نے اس کی ایک بھی نہ سنی! اس نے بہت کوشش کی لیکن کسی نے اس کی باتوں کو اہمیت ہی نہیں دی۔

تقریباً آدھے گھنٹے کی پوچھ تاچھ کے بعد ایک پولیس افسر آیا اور اس نے حاجی جعفر کو پہچان لیا اور پولیس والوں کی پوچھ تاچھ کے لئے ان سے بہت زیادہ عذر خواہی کی اور اپنے افراد سے کہا:

یہ حاجی جعفر جنگروی ہیں جو "لشکر سید الشہداءؑ" کے ایک کمانڈر ہیں![1]

سارے پولیس والوں نے شرمندہ ہو کر ان سے معذرت خواہی کی۔

جعفر بھی غصے سے آگ بگولہ ہو چکا تھا اور بغیر کچھ بولے اس نے اپنا ہتھیار ان سے لیا اور موٹر سائیکل پر سوار ہو کر چل دیا۔

جب وہ تھوڑا آگے بڑھا تو ابراہیم کو فٹ پاتھ پر کھڑے زور زور سے ہنستے دیکھا!

اب وہ سمجھا کہ اصلی ماجرا کیا ہے!!!

ابراہیم آگے آیا اور جعفر کو گلے لگایا، پھر جا کر ابراہیم کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور وہ بھی ہنسنے لگا۔

خدا کا شکر کہ ہنستے ہنستے ہی یہ ماجرا ختم ہو گیا!

***

1۔ لشکر: مختلف بریگیڈوں پر مشتمل فوج کو "لشکر" کہتے ہیں۔

دو بھائی

(علی صادقی)

شہید شہبازی کی مجلس ترحیم میں شرکت کے لئے ہم لوگ ایک سرحدی شہر گئے۔ وہاں کے رسم کے مطابق یہ مجلس صبح سے ظہر تک جاری رہنی تھی اور آخر میں مہمانوں کے ہاتھ دھونے کے لئے ایک طشت اور لوٹا لایا جاتا اور پھر کھانا کھلا کر یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہونچتا تھا۔

میں جب اس مجلس میں داخل ہوا تو جواد مجلس کے بالائی حصے پر بیٹھا ہوا تھا اور ابراہیم بھی اس کے کنارے! اور میں پھر ابراہیم کے کنارے بیٹھ گیا۔

ابراہیم اور جواد ایک دوسرے کے کافی صمیمی دوست تھے اور دو بھائیوں کی طرح رہتے تھے۔ ان لوگوں کے مذاق بھی اپنی نوعیت میں کافی دلچسپ ہوتے تھے۔

مجلس ختم ہوتے ہی دو لوگ طشت اور لوٹا لے کر داخل ہوئے اور سب سے پہلے وہ جواد کے پاس گئے اور وہیں سے شروع کیا۔

ابراہیم نے جواد کے کان میں کچھ کہا جبکہ ابراہیم کو بھی ان رسومات کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم تھا تو جواد نے تعجب سے زور سے پوچھا: سچ میں؟!

ابراہیم نے آہستہ سے کہا: آہستہ! کچھ بولو مت!

اس کے بعد میری طرف پلٹ کر بغیر آواز کے کافی زور زور سے ہنسنے لگا۔ میں نے کہا: کیا ہوا ابراہیم؟! بُری بات ہے، مت ہنسو!

ابراہیم نے کہا: میں نے جواد سے کہا جب لوٹا لایا جائے گا تو سر کو بھی اچھی طرح دھلنا پڑتا ہے!!

کچھ لمحے بعد ایسا ہی ہوا۔ جواد نے ہاتھ دھلنے کے بعد اپنے سر کو بھی وہیں پر دھلنا شروع کر دیا اور...

جواد کے سر اور داڑھی سے پانی ٹپک رہا تھا اور وہ تعجب بھری نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

میں نے کہا: جواد! یہ تم نے کیا کیا! یہ تھوڑی باتھ روم ہے۔

پھر میں نے اسے اپنا مفلر دیا تاکہ اپنے سر کو پونچھ لے!

***

ایک دن یہ اطلاع ملی کہ ابراہیم، جواد اور رضا غودینی چند دن کے ایک مشن کے بعد سرحدی چوکی سے ہیڈ کوارٹر کی طرف واپس آرہے ہیں، اس خبر سے کہ وہ سب لوگ صحیح و سالم ہیں، ہم سب خوش تھے۔

شہید اندرزگو کمپنی کے ہیڈ کوارٹر کے سامنے ہم سب لوگ جمع ہو کر ان کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ منٹ بعد ان کی گاڑی آئی اور کھڑی ہو گئی اور اس میں سے ابراہیم اور رضا اترے۔ دوستوں نے سلام ودعاء اور مصافحہ کیا اور گلے لگایا۔

ایک جوان نے کہا:

ابراہیم صاحب! جواد کہاں ہے؟ ایک لمحے کے لئے سب لوگ خاموش ہو گئے۔ ابراہیم بھی کچھ نہ بولا، اس کی آواز اس کے گلے میں بند سی گئی تھی، بڑے غمناک لہجے میں کہا:

جواد...!

پھر اس نے آہستہ سے گاڑی کے پیچھے والے حصے کی طرف دیکھا۔

گاڑی میں ایک شخص لیٹا ہوا تھا اور سر سے پاؤں تک اس کے اوپر کمبل ڈالا ہوا تھا۔

ابراہیم نے کہا:

جواد... ! جواد... ! اچانک اس کی آنکھ سے آنسو بہنے لگے۔

سارے دوستوں نے بھی رونا پیٹنا شروع کر دیا:

جواد ! جواد ! اور یہ کہتے ہوئے گاڑی کے پیچھے والے حصے کی طرف گئے !

یہ لوگ اسی طرح رو پیٹ رہے تھے کہ اچانک جواد نیند سے جاگ گیا ! وہ بیٹھ کر کہنے لگا: کیا ہوا؟ کیا ہوا؟ !

جواد حیران و پریشان چاروں طرف دیکھ رہا تھا !

سارے جوان ویسے ہی روتے ہوئے چہروں کے ساتھ غصہ میں ابراہیم کو ڈھونڈنے لگے، لیکن ابراہیم فوراً بھاگ کر بلڈنگ میں داخل ہو چکا تھا !

***

پسٹل

(امیر منجر)

۱۹۸۲ء کے اوائل کے دن تھے۔ سب لوگوں نے اپنا سامان جمع کیا اور اسلحہ وغیرہ واپس کر دیا اور سب لوگ جنوبی سرحد کی طرف روانہ ہونے کے لئے تیار ہو گئے، چونکہ جنگ کی ہائی کمان کی طرف سے خوزستان میں ایک بڑا فوجی آپریشن انجام پانے والا تھا اور اسی لئے بسیج اور سپاہ پاسداران کے اکثر فوجوں کو جنوبی سرحد کی طرف منتقل ہونا پڑا۔

شہید اندرزگو کمپنی بھی گیلان غرب کی سپاہ پاسداران کے ہمراہ جنوب کی طرف جانے کے لئے تیار تھی۔ جانے کے بالکل آخری ایام میں کرمانشاہ کے سپاہ پاسداران کی طرف سے یہ خبر آئی کہ ابراہیم ہادی صاحب نے ایک پسٹل بھی لی تھی جو انہوں نے ابھی تک واپس نہیں کی ہے!

ابراہیم نے جتنا بھی کہا کہ بھائی میرے پاس نہیں ہے لیکن افسران نے ایک بھی نہ سنی۔

میں نے کہا: ابراہیم! شاید تم نے لی ہو لیکن اب بھول گئے ہو اور واپس بھی نہ کی ہو!

اس نے تھوڑا سوچا اور پھر کہا:

ہاں بھائی! میں نے لی تو تھی لیکن مجھے یاد ہے کہ میں نے وہ محمد کو دے دی تھی تاکہ وہ اسے واپس کر دے!

پھر اس نے تھوڑی اور پوچھ تاچھ کی تو معلوم ہوا کہ پسٹل محمد ہی کے پاس ہے اور اس نے ابھی تک اسے واپس نہیں کیا ہے۔ پتہ چلا کہ محمد ایک ہفتہ پہلے تہران گیا ہوا ہے۔

ہم لوگ اس کی تلاش میں تہران چلے آئے اور اس کی تہران کے ایڈریس پر گئے لیکن وہاں بتایا گیا کہ وہ اپنے گاؤں "کوہ پایہ" گیا ہوا ہے جو اصفہان سے یزد جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے اور تہران سے تقریباً آٹھ سو کلو میٹر دوری پر واقع ہے۔ یہ پسٹل واپس دینا بھی ابراہیم کے لئے کافی اہم تھا لہٰذا اس نے کہا: چلو کوہ پایہ چلتے ہیں!

شام ہوتے ہی ہم لوگ اصفہان کی طرف روانہ ہوئے اور پھر وہاں سے کوہ پایہ چلے گئے اور صبح سویرے اس گاؤں میں پہونچے، ٹھنڈک کا موسم تھا میں نے ابراہیم سے کہا:

اچھا تو یہ رہا کوہ پایہ! لیکن یہاں اب کدھر اور کس کے گھر جائیں گے؟

اس نے کہا: خدا مسبّب الاسباب ہے وہ خود ہی ہمیں راستہ دکھائے گا!

ہم لوگوں نے تھوڑا سا گاؤں کا ایک چکر لگایا تو ایک بڑھیا دکھائی دی جو اپنے گھر کی طرف جا رہی تھی، چونکہ دور سے لگ رہا تھا ہم لوگ اس گاؤں میں اجنبی ہیں لہٰذا وہ ہمیں دیکھ رہی تھی، ابراہیم گاڑی سے اُترا اور زور سے بولا: سلام علیکم دادی جان!

بوڑھی عورت نے بھی کافی اچھے اخلاق سے جواب دیا:

علیکم السلام، پیارے بیٹے! تم کسے ڈھونڈ رہے ہو!؟

ابراہیم نے کہا: دادی جان! کیا آپ محمد کوہ پائی کو جانتی ہیں؟!

بڑھیا نے کہا: کون سا محمد!؟

ابراہیم نے کہا: جو ابھی محاذ جنگ سے واپس آیا ہے اور تقریباً بیس سال کا ہے!

بڑھیا نے مسکراتے ہوئے کہا: آؤ ادھر میرے ساتھ!

ابراہیم نے کہا: امیر! گاڑی یہیں پر کھڑی کر لو!

پھر ہم لوگ بڑھیا کے ساتھ چل دئے اور وہ ہمیں اپنے گھر لے گئی، ہمیں ناشتہ کرایا اور کافی اچھے سے کھلایا پلایا اور کہا:

تم لوگ اسلام کے مجاہد ہو، اچھی طرح کھاؤ تا کہ طاقتور بن سکو!

اس کے بعد کہا؛ محمد میرا پوتا ہے اور اسی گھر میں رہتا ہے، لیکن ابھی وہ شہر گیا ہوا ہے اور اب رات ہی میں واپس آئے گا۔

ابراہیم نے کہا: دادی جان! آپ کے پوتے نے کچھ ایسا کام کیا ہے کہ ہمیں سرحد سے یہاں تک اس کی تلاش میں آنا پڑا!

بڑھیا نے حیران ہو کر پوچھا: لیکن اس نے ایسا کون سا کام کیا ہے؟

ابراہیم نے کہا: اس نے مجھ سے پسٹل لیا اور اسے واپس دینے کے بجائے اپنے ساتھ یہاں لایا اور افسر لوگ مجھ سے وہ واپس مانگ رہے ہیں!

بڑھیا نے کہا: کیا بتاؤں اس بچے کے کرتوت!

ابراہیم نے کہا: دادی جان! آپ تکلیف نہ کریں، ہم لوگ چلتے ہیں!

بڑھیا نے کہا: ٹھیک ہے آؤ میرے ساتھ!

ہم سبھی لوگ ایک دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ بڑھیا نے کہا: اس کا سارا سامان اس الماری میں ہے۔ کچھ روز پہلے میں نے اسے اس الماری میں کوئی اہم چیز رکھتے دیکھا تھا۔ تم لوگ خود ہی اس کا تالا کھول کر دیکھو!

ابراہیم نے کہا: دادی جان! اجازت کے بغیر کسی کے سامان کو ہاتھ لگانا اچھی بات نہیں ہے!

بڑھیا نے کہا: اگر مجھے آتا تو خود ہی کھول دیتی!

اس کے بعد وہ ایک پیچ کش لائی اور میں نے بھی اس سے وہ تالا کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی ہم نے دیکھا کہ پسٹل ایک سفید کپڑے میں لپٹا ہوا سامنے ہی رکھا ہے۔ پسٹل لے کر ہم لوگ باہر آئے اور خدا حافظی کرتے وقت ابراہیم نے بڑھیا سے پوچھا: دادی جان! آپ نے ہم لوگوں پر کیوں اتنا بھروسہ کیا؟!

بڑھیا نے کہا: اسلام کا سپاہی کبھی جھوٹ نہیں بولتا! تم لوگ اس نورانی چہرے کے ہوتے ہوئے کیسے جھوٹ بول سکتے ہو؟

وہاں سے ہم واپس چل دئے اور تہران کی طرف واپس آنے لگے۔ اصفہان کے بائی پاس پر میری نظر آرمی توپخانے پر پڑی، میں نے کہا: ابراہیم! تجھے یاد ہے سرپل ذہاب میں توپ خانے کا ایک کمانڈر تھا جس نے مختلف آپریشنوں میں ہماری کافی مدد بھی کی تھی!

ابراہیم نے کہا: تم مداح صاحب کی بات تو نہیں کر رہے ہو؟

میں نے کہا: صحیح سمجھا تم نے! وہ اب اصفہان کے توپ خانے کا چیف کمانڈر بن گیا ہے اور شاید اس وقت وہ اسی کیمپ میں ہو گا!

اس نے کہا: ٹھیک ہے چلو اس سے ملنے جاتے ہیں۔

ہم لوگ کیمپ کے دروازے پر پہونچے اور میں نے گاڑی پارک کر لی اور ابراہیم گاڑی سے اتر کر ایک نگہبان کے پاس چلا گیا اور پوچھا:

کیا مداح صاحب یہیں پر ہیں؟

نگہبان نے ابراہیم کو دیکھا اور سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیا۔ کردی شلوار، لمبا کرتا اور سیدھا سادہ چہرے والا آدمی کیمپ کے چیف کمانڈر کو ڈھونڈ رہا ہے!

میں نے سامنے جا کر کہا: بھائی صاحب! ہم لوگ مداح صاحب کے دوستوں میں سے ہیں اور محاذ جنگ سے آئے ہیں، اگر ہو سکے تو ہم لوگ ان سے ملنا چاہتے ہیں۔

نگہبان نے کمانڈر کے آفیس کو میسج کیا اور ہمارا نام بتایا۔

چند منٹ بعد دو جیپیں کمانڈر کے آفیس سے نگہبانی کی طرف آتے دکھائی دیں۔

میجر مدّاح نے ہمیں دیکھتے ہی ابراہیم کو گلے لگایا، میرے ساتھ بھی گلے ملنے کے بعد زبردستی ہمیں اپنے دفتر میں لے گیا۔ اس کے بعد ہمیں میٹنگ روم لے گیا جہاں تقریباً بیس فوجی کمانڈران میٹنگ میں مصروف تھے۔

مداح صاحب اس میٹنگ کے صدر تھے اور ہمارے لئے بھی دو کرسیاں لائی گئیں اور ہم بھی بیٹھ گئے۔اس کے بعد مداح صاحب نے اپنی گفتگو اس طرح شروع کی:

دوستو! تم سبھی لوگ مجھے اچھی طرح پہچانتے ہو، چاہے انقلاب سے پہلے ۹ دنوں کی جنگ میں یا جنگ تحمیلی[1] کے پہلے سال میں، میں نے بہادری اور پرموشن کا مڈل حاصل کیا ہے۔ میرے تحت کام کرنے والی توپ خانے کی فوجی کمپنی نے سب سے سخت اور مشکل ترین مشنوں کو بہترین انداز میں پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ ہمارے سارے فوجی آپریشن کامیاب ہوئے۔ ملک اور بیرون ملک کی بہترین فوجی ٹریننگیں میں نے حاصل کی ہیں!

لیکن اس درمیان کچھ ایسے لوگ بھی ظاہر ہوئے جنہوں نے میرے ان سارے میڈل اور فوجی تربیتوں پر سوالیہ نشان لگایا!

پھر ایک مثال دی:

دنیاوی جنگ کا قانون ہے کہ اگر تمہیں کہیں پر حملہ کرنا ہے اور تمہارے دشمن کے پاس ایک سو فوجی ہیں تو حملہ کامیاب کرنے کے لئے تمہارے پاس بہت زیادہ فوجی ساز و سامان کے علاوہ تین سو فوجی جوانوں کی ضرورت ہے!

اس کے بعد تھوڑا ٹھہر کر کہا:

یہ ابراہیم ہادی اور اس کے ساتھیوں نے محاذ جنگ پر کچھ ایسا کام کیا کہ جو اپنی مثال آپ تھے اور جن پر یقین کرنا شاید فوجی نقطۂ نظر سے کافی عجیب بھی ہو!

1۔ جنگ تحمیلی: ۱۹۸۰ء میں عراق کی طرف سے ایران پر حملہ کے ساتھ شروع ہونے والی ۸ سالہ جنگ کو کہتے ہیں کیونکہ یہ جنگ زبردستی عراق نے ایران پر تھوپی تھی۔

مثلاً یہ لوگ سو سے کم تعداد میں ہونے کے باوجود دشمن پر حملہ کرتے تھے اور اپنی تعداد سے زیادہ دشمن کے فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتارتے یا اسیر کر لیتے تھے۔ میں بھی ان کی پشت پناہی کرتا تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب یہ لوگ "بازدراز" نامی چوٹیوں پر ایک بار حملہ کرنا چاہتے تھے اور میں نے ان کی تعداد اور سازوسامان کو دیکھا تو اپنے ایک دوست سے کہا:

یہ لوگ ضرور شکست کھا کر واپس آئیں گے!

لیکن اپنی آنکھوں سے میں نے دیکھا کہ انہوں نے دشمن کے سارے ٹھکانوں پر قبضہ کرنے کے علاوہ اپنی تعداد سے زیادہ دشمن کے فوجیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔

میٹنگ میں حاضر ایک جوان افسر نے کہا:

اچھا تو ہادی صاحب! اپنے طریق کار کی تھوڑی ہمارے سامنے وضاحت کیجئے تاکہ ہم لوگ بھی کچھ سیکھ لیں۔

ابراہیم جو کہ سر نیچے کئے ہوئے تھا، نے کہا:

نہیں بھائی، ہم نے کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دیا، مداح صاحب نے کچھ زیادہ ہی ہماری تعریف کر دی، ہم لوگوں نے کچھ کیا نہیں بلکہ یہ سب خدا کا لطف و کرم تھا۔

مداح صاحب نے کہا:

انہوں نے اپنے ساتھیوں سمیت ہمیں یہ سکھایا کہ اسلحہ جات کے گودام اور فوجیوں کی تعداد کارساز نہیں ہوتی بلکہ جنگ میں جو چیز حرفِ اول ہوتی ہے وہ فوجیوں کے حوصلے اور ان کے جذبات ہیں۔ یہ لوگ اپنی ایک ہی تکبیر کے ذریعہ دشمن کے دل میں ایسا رعب و وحشت ڈالتے تھے کہ جو سیکڑوں توپوں اور ٹینکوں سے بھی زیادہ مؤثر ہوتی تھی۔

اس کے بعد مزید کہا:

میں نے ان بسیجی اور مخلص دوستوں سے قرآن کی اس آیت کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ :"اگر تم بیس صابر اور مضبوط لوگ ہوگے تو دو سو لوگوں پر غلبہ حاصل کرلوگے !"

ان لوگوں کا ایک اور دوست تھا جو جسم کے لحاظ سے ناٹا اور چھوٹا تھا لیکن طاقت اور بہادری کے لحاظ سے جہاں تک تمہاری سوچ جا سکے گی،اس سے بھی زیادہ بڑا تھا، جس کا نام اصغر وصالی تھا کہ جس نے جنگ کے شروع ہی میں اپنے افراد کے ساتھ مل کر دشمن کی دراندازی کو روکا اور اسی دوران درجہ شہادت پر فائز ہوا۔

ایک گھنٹے کے بعد ہم لوگ اس میٹنگ سے باہر آئے اور جلسے میں موجود افراد سے تکلیف کی بناپر عذرخواہی کی اور تہران کی طرف روانہ ہوگئے۔ پورے راستے بھر میں اس دن کے واقعات پر سوچ رہا تھا۔

بہر حال ابراہیم نے یہ عجیب و غریب پسٹل سپاہ پاسداران کے حوالے کر دیا اور اندرزگو کمپنی کے ساتھ جنوب کی طرف روانہ ہوگئے اور خوزستان پہونچ گئے۔

گیلان غرب کا چودہ مہینے کا دور اپنے کھٹے میٹھے واقعات کے ساتھ ختم ہوگیا۔

یہ دور اپنے ساتھ بڑے بڑے معرکوں کو تاریخ میں درج کر کے گذر گیا۔

اس طویل مدت میں ایک چھوٹے سے چھاپہ مار گروپ نے عراقی ملٹری کے جدید ٹیکنالوجی سے لیس اور کمپیوٹرائزڈ ہتھیاروں سے مسلح درجنوں کمانڈو بٹالینوں پر مشتمل تین بریگیڈوں کو اپنے حملات سے زمین گیر کر کے رکھ دیا۔

* * *

فتح المبین

(شہید کے بعد دوست)

خوزستان میں ہم سب پہلے شہر "شوش" گئے اور حضرت دانیال نبیؑ کی زیارت کی۔ یہیں پر ہمیں یہ اطلاع ملی کہ سارے رضاکار فوجی (جو اب "بسیجی" نام سے جانے جاتے تھے) مختلف جنگی بٹالینوں اور بریگیڈوں میں تقسیم کئے گئے ہیں اور ایک بڑے فوجی آپریشن کی تیاری ہو رہی ہے۔

زیارت کے دوران ہم حاجی علی فضلی سے بھی ملے اور انہوں نے بڑی خوشی سے ہمارا استقبال کیا۔ حاجی علی نے فوجیوں کی تقسیم کی وضاحت کرتے ہوئے ہمیں اپنے ساتھ ہی "المہدی" بریگیڈ میں رکھ لیا۔

المہدی بریگیڈ میں بسیجیوں کے کئی بٹالین اور سرکاری سپاہیوں کے بھی کئی ایک بٹالین موجود تھے۔

حاجی حسین نے بھی اندرزگو کمپنی کے افراد کو مختلف بٹالینوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کمپنی کے اکثر فوجیوں نے شناسائی اور انٹلی جنس عہدوں کی ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں۔ رضا غودینی ایک بٹالین کے ساتھ، جواد افراسیابی ایک دوسرے بٹالین کے ساتھ اور ابراہیم ایک اور بٹالین کے ساتھ رکھے گئے۔

فوجیوں کی تیاری کا کام بہت جلدی سے انجام پا گیا۔ سپاہ پاسداران کے انٹلی جنس کے افراد کئی مہینوں سے اس علاقے میں شناسائی کا کام انجام دے رہے تھے۔

عراقی فوج کے قبضے میں آنے والے سارے علاقوں کی شناسائی مکمل ہو چکی تھی، یہاں تک کہ عراقی بکتر بند بریگیڈوں اور بٹالینوں کے مورچوں کی بھی شناسائی انجام پا چکی تھی۔ ۲۱ مارچ ۱۹۸۳ء نوروز کے دن "یازہرا(س)" پاسورڈ کے ساتھ "فتح المبین" نامی آپریشن شروع ہو گیا۔

اسی دن سہ پہر کو سپاہ پاسداران کی طرف سے بٹالین کمانڈروں اور ڈپٹی کمانڈروں کو اس علاقے میں لے جایا گیا جہاں یہ آپریشن ہونے والا تھا۔ دور سے ہی علاقے اور طریق کار کے بارے میں وضاحت کر دی گئی۔ اس آپریشن کا ایک سب سے سخت مرحلہ "المہدی" بریگیڈ کو سونپا گیا تھا۔

۲۱ مارچ کے سورج ڈوبنے کے ساتھ ہی فوجوں کے حوصلے اور جذبات کافی بلند ہو چکے تھے۔ نماز مغربین کے بعد فوجوں کی روانگی شروع ہوئی، میں ایک پل کے لئے بھی ابراہیم سے الگ نہیں چل رہا تھا۔ ہمارا بٹالین بھی چل دیا، لیکن کچھ مسائل کی بنا پر ہم لوگ پیچھے ہی رہ گئے اور رات کے دو بجے ہم لوگ بھی اپنے بٹالین کی طرف چلے گئے۔

رات کی تاریکی میں ہم جب ایک جگہ پہونچے تو دیکھا ہمارے بٹالین کے سارے فوجی ایک صحراء کے بیچوں بیچ حیران و پریشان بیٹھے ہوئے ہیں۔

ابراہیم نے پوچھا: تم لوگ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو!؟ اب تک تو دشمن پر حملہ کر دینا چاہئے تھا!!!

انہوں نے کہا: کمانڈر کا آڈر ہے۔

ابراہیم نے آگے جا کر کمانڈر سے کہا: تم نے فوجوں کو اس صحراء کے بیچوں بیچ کیوں بٹھا رکھا ہے، ابھی صبح ہو جائے گی اور یہاں پر مورچہ وغیرہ بھی نہیں ہے اور یہ بیچارے مکمل طور پر دشمن کے نشانے پر ہیں!؟!

کمانڈر نے کہا:

ہمارے سامنے بارودی سرنگوں سے بھرا ہوا پورا میدان ہے لیکن ہمارے پاس تخریبی فوجی دستہ (جو اپنی جان سے گذر کر بارودی سرنگوں کو صاف کرتا ہے اور فوجیوں کے لئے راستہ ہموار کرتا ہے) نہیں ہے، ہم نے ہیڈ کواٹر کو میسج کر لیا ہے اور ایک تخریبی دستہ یہاں پہونچنے والا ہے۔

ابراہیم نے کہا: یہاں پر ٹھہرنا صحیح نہیں ہے۔ اس کے بعد فوجوں کی طرف رخ کر کے کہا:

اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر چند رضاکار جوان میرے ساتھ آئیں تاکہ ہم لوگ راستہ صاف کریں!

چند فوجی جوان اس کے ساتھ آگے کی طرف دوڑے اور بارودی سرنگیں بچھے ہوئے میدان میں وارد ہوئے۔ ابراہیم اپنے پیر زمین پر گھسیٹ کر چلتا اور آگے کی طرف بڑھتا جاتا اور باقی لوگ بھی اسی طرح اس کے پیچھے پیچھے چلتے تھے!! میں حیران و پریشان ابراہیم کو دیکھ رہا تھا اور میرے سینے میں سانس بھی بند ہو چکی تھی۔ میں بٹالین کے باقی سارے جوانوں کے ساتھ کھڑا تھا اور وہ بارودی سرنگوں کے اوپر سے چل رہا تھا، میرے چہرے کا رنگ اڑ چکا تھا اور ہر ہر لحہ میں بارودی سرنگ کے پھٹنے اور ابراہیم کی شہادت کا منتظر تھا، ایک ایک لحہ قیامت کی طرح گذر رہا تھا، لیکن خدا کا شکر کہ وہ لوگ آخر تک پہونچ گئے اور اس پورے راستے میں کوئی بارودی سرنگ ان کے سامنے نہیں آئی۔

اُس رات ہم لوگوں نے بارودی سرنگ کے اس میدان کو پرامن طور پار کر کے دشمن پر حملہ بول دیا اور دشمن کے ٹھکانوں پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ہم لوگوں نے زیادہ پیش قدمی نہیں کی اور صبح کے نزدیک ابراہیم کے پاس ایک توپ کا گولہ پھٹا جس سے اس کی پسلیاں زخمی ہو گئیں اور دوستوں نے اسے فوراً پیچھے کی طرف منتقل کر دیا۔

صبح ہوتے ہی ابراہیم کو ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعہ شہر کے اسپتال میں لے جانا چاہ رہے تھے لیکن وہ کافی ضد کرکے جہاز سے واپس اترا اور وہیں پر اپنی ڈریسنگ کروائی اور ٹانکے لگوائے اور پھر دوبارہ محاذ جنگ پر واپس پلٹا۔

پہلی رات کے حملے میں ہمارے بٹالین کمانڈر اور ڈپٹی کمانڈر سارے زخمی ہو گئے لہٰذا علی موحد صاحب کو ہمارے کمانڈر کے طور پر انتخاب کیا گیا۔

اسی دن کمانڈروں کی ایک میٹنگ بھی ہوئی جس میں محسن وزوائی بھی موجود تھے اور اس میں آپریشن کے دوسرے مراحل کے بارے میں کمانڈروں کو وضاحت دی گئی۔

دوسرے مرحلے کے اہم کام دشمن کے توپ خانے پر حملہ کرنا اور "رفائیہ" پُل کو پار کرنا تھا۔ سپاہ پاسداران کے انٹلی جنس کے افراد کافی عرصے سے اس مشن پر کام کر رہے تھے، اس کے بعد والے مراحل کی کامیابی اسی مرحلے کی کامیابی پر منحصر تھی۔

دوسری رات آئی اور پیش قدمی شروع ہو گئی۔ تخریبی دستہ فدائین دستے کے طور پر سب سے آگے آگے چل رہا تھا، ان کے پیچھے پیچھے علی موحد صاحب، ابراہیم اور دوسرے باقی فوجی جوان چل رہے تھے۔

ہم لوگ جتنا بھی آگے بڑھتے گئے لیکن دشمن کا مورچہ اور توپ خانے کے ٹھکانے کہیں پر نظر نہیں آئے۔

چھ کلو میٹر راستہ آگے بڑھنے کے بعد تھکے ماندہ ہم لوگ ایک صحراء کے بیچوں بیچ ٹھہر گئے۔ علی موحد اور ابراہیم اِدھر اُدھر گئے اور کافی تلاش کیا لیکن توپ خانے کا کہیں نام و نشان تک نہیں ملا۔ ہم لوگ صحراء اور دشمن کے علاقے میں کھو گئے تھے۔

لیکن پھر بھی سارے فوجی جوانوں پر ایک عجیب قسم کا اطمینان طاری تھا اور تقریباً سبھی لوگ آدھے گھنٹے کے لئے سو گئے۔ ابراہیم نے بعد میں اپریل ۱۹۸۳ء کے "پیام انقلاب" نامی میگزین کے شمارے میں اپنے ایک انٹرویو میں کہا:

اس رات اس صحراء و بیابان میں ہم لوگ جتنا بھی اِدھر اُدھر گئے لیکن صحراء کے علاوہ ہمیں کچھ بھی نہیں دکھائی دے رہا تھا، لہٰذا ہم لوگ وہیں پر سجدے میں گرے اور چند منٹ تک اسی حالت میں رہے۔ ہم لوگ خدا کو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اور ائمہ معصومین علیہم السلام کا واسطہ دے رہے تھے۔

اس لق و دق صحراء میں صرف ہم لوگ تھے اور ہمارا امام زمان (عج)...!

ہم لوگ اپنے آقا کو صدا دے رہے تھے اور مدد طلب کر رہے تھے۔ ہمیں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں۔ صرف ایک ہی چیز جو ہمارے ذہن میں آرہی تھی وہ توسل تھا اور بس!

اس رات کوئی نہ سمجھ سکا کہ کیا ہوا۔ اس عجیب و غریب سجدے میں ان کے اور ان کے خدا کے درمیان کیا گفتگو ہوئی۔

لیکن کچھ ہی منٹ بعد ابراہیم اس جگہ سے کہ جہاں ہمارے فوجی آرام کر رہے تھے، بائیں طرف کی جانب چلا گیا اور تقریباً ایک کلو میٹر طے کرنے کے بعد ایک بہت بڑے مورچے کے پاس پہونچ گیا۔ مورچے کے پیچھے کی طرف اس نے جو ایک نظر کی تو دیکھا کہ انواع و اقسام کی توپیں اور جدید بھاری ہتھیار وہاں پر حملے کے لئے تیار رکھے گئے ہیں۔

عراقی فوج اس وقت مکمل طور پر آرام و سکون کی نیند سو رہی تھی، صرف چند نگہبان اور واچ مین اس مورچے میں گشت کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

ابراہیم فوراً اپنے بٹالین کی طرف واپس پلٹا!

اس نے یہ پورا ماجرا علی موحد کو بتادیا اور وہ اپنی فوج کو اس مورچے کے قریب لے آئے اور فوجیوں سے کافی تاکید کی کہ جب تک ہم نہ کہیں، کوئی گولی نہیں چلائے گا۔

لڑائی کے دوران بھی جہاں تک ممکن ہو سکے، عراقیوں کو اسیر کرلیں۔

دوسری طرف سے محسن وزوائی کی کمان میں حبیب بٹالین نے بھی عراق کے توپ خانے کے کیمپ پر حملہ بول دیا۔

اس رات ہماری فوجوں نے نہایت مختصر سی لڑائی اور "اللہ اکبر" و "یا زہرا (س)" کے نعروں سے عراق کے توپ خانے پر اپنا قبضہ کر لیا اور اکثر عراقی فوجوں کو اسیر بنا لیا۔

خوزستان میں عراقی آرمی کے توپ خانے پر ایرانی فوج کے قبضے نے عراقی ملٹری کو کافی بڑی مشکل سے دوچار کر دیا۔

ہمارے فوجوں نے فوراً توپوں کی نلیوں کو عراق کی طرف موڑ دیا، لیکن توپ خانے کے ماہر فوجوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے اسے استعمال نہیں کیا۔

توپ خانے پر قبضہ ہو گیا اور ہم لوگ بھی اس کے اِرد گرد کے علاقوں کو دشمن سے صاف کرنے میں مصروف ہو گئے۔

کچھ منٹ بعد میں نے ابراہیم کو دیکھا جو ایک عراقی افسر کو اپنے ساتھ لا رہا تھا اور پھر لا کر دوستوں کے حوالے کر دیا۔

میں نے پوچھا: ابراہیم صاحب! یہ کون تھا؟

اس نے کہا: میں اس کیمپ کے اطراف میں گشت کر رہا تھا کہ یہ افسر میری طرف آیا، اس بیچارے کو نہیں معلوم تھا کہ یہ علاقہ آزاد ہو چکا ہے، میں نے اسے خود سپردگی کرنے کو کہا لیکن اس نے مجھ پر حملہ کر دیا، اس کے پاس چونکہ اسلحہ نہیں تھا لہٰذا میں نے بھی اس کے ساتھ کُشتی لڑنا شروع کر دی اور اسے زمین دوز کر دیا، پھر اس کے ہاتھ باندھ کر اسے یہاں لایا۔

ہم لوگوں نے نماز صبح توپ خانے کے پاس ہی پڑھی۔ امدادی افواج کے پہونچنے کے ساتھ ہی ہم لوگوں نے صحراء میں آگے کی طرف پیش قدمی شروع کر دی، کیونکہ ابھی ہمارے مقابل والا علاقہ پوری طرح دشمن سے صاف نہیں ہوا تھا...!

اچانک ہم لوگوں نے دیکھا کہ دو عراقی ٹینکیں ہماری طرف آرہی ہیں، لیکن کچھ دیر بعد وہ واپس پلٹ کر بھاگنے لگیں، ابراہیم فوراًایک کی طرف دوڑااور ٹینک پر چڑھ کر اس کا اوپری دروازہ کھولا اور عربی میں ان سے کچھ کہا۔ ٹینک رک گئی اور اس میں سوار چند فوجی نیچے اترے اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کیا۔

ابھی اُجالا بھی نہیں ہوا تھا۔ فوجوں کو دوبارہ اپنی پوزیشن میں لایا گیااور ایک بار پھر پیش قدمی شروع ہوئی۔

راستے میں، میں نے ابراہیم سے کہا: ابراہیم! تم نے غور کیا کہ ہم نے پیچھے سے دشمن کے توپ خانے پر حملہ کیا ہے!!!

اس نے تعجب سے کہا: نہیں تو! کیوں کیا ہوا؟

میں نے کہا: دشمن سامنے سے اپنے کافی فوجوں کے ساتھ ہمارا منتظر تھا(یعنی انہیں پہلے سے ہی ہمارے ممکنہ حملے کی خبر مل چکی تھی) لیکن خدا کے لطف سے ہم لوگ (راستہ کھونے کی وجہ سے) توپ خانے کے پیچھے سے پہونچ گئے، اسی وجہ سے ہم لوگ اتنے سارے اسیر اور جنگی غنیمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے! اور دوسری طرف سے دشمن کی افواج رات کے دو بجے تک ہمارے ممکنہ حملے کے پیش نظر الرٹ تھے پھر وہ آرام کرنے لگے اور اس کے بعد ہم نے ان پر حملہ کر دیا۔

ہم لوگوں نے ایک بار پھر عراقی قیدیوں کو جمع کیا اور چند فوجی جوانوں کے ہمراہ انہیں پیچھے کی طرف بھیج دیا اور خود باقی فوجی جوانوں کے ساتھ آگے کی طرف پیش قدمی کرنے لگے اور آپریشن کے آخری مرحلے کی تیاری کرنے لگے۔

***

زخمی

(مرتضیٰ پارسائیان، علی مقدم)

سارے بٹالینوں نے اپنے اپنے علاقوں میں پیش قدمی کی۔ ہمیں اپنے سامنے والے دشمن کے ٹھکانوں اوراس کے اطراف کے مورچوں سے گذر کرآگے بڑھنا تھا، لیکن اُجالا ہونے کی وجہ سے اب کام کافی دشوار ہو چکا تھا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ پُل "رفائیہ" کے نزدیک ایک اور بڑی مشکل پیش آئی تھی، ایک عراقی گارڈ کنکریٹ سے بنے ایک مورچے سے ایل ایم جی سے شدید فائر کر رہا تھااور ایک بھی فوجی کوآگے بڑھنے نہیں دے رہا تھا، ہم لوگوں نے جتنی بھی کوشش کی لیکن اس کنکریٹ سے بنے مورچے کو نہیں گراپائے۔

میں نے ابراہیم کو بلایااور دور سے وہ مورچہ دکھایا۔

اس نے کافی غور سے اس مورچے کو دیکھ کر کہا: صرف ایک ہی راستہ ہے کہ اس مورچے سے کسی طرح نزدیک ہونا ہےاوراس کے اندرایک گرینڈ پھینکنا ہے!

اس کے بعد اس نے مجھ سے دو گرینڈ لئے اور سینے کے بل اس مورچے کی طرف چلنے لگااور میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

میں نے ایک مورچے میں پناہ لی، ابراہیم آگے بڑھتا گیااور میں اسے دیکھتا رہا، ابراہیم نے اس کنکریٹ مورچے کے نزدیک ایک مناسب جگہ ڈھونڈ لی اور وہیں پر چھپ گیا، لیکن یہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا!

ایک کم عمر بسیجی نوجوان اپنا ہوش وحواس کھو بیٹھا تھا، اس نے اپنی کلاشنکوف ابراہیم کے سینے پر رکھی اور مسلسل چلانے لگا: عراقی! میں تجھے مار ڈالوں گا!

ابراہیم بھی بیٹھے بیٹھے اپنے ہاتھ اوپر کئے ہوئے تھااور کچھ نہیں کہہ رہا تھا، ہم سبھوں کے سینوں میں ہماری سانسیں بند ہو چکی تھیں، ہمیں بالکل سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں! کچھ لمحے ایسے ہی گذر گئے، ادھر عراقی مشین گن کی فائرنگ بھی کسی صورت میں بند نہیں ہورہی تھی۔

میں آہستہ آہستہ سینے کے بل آگے کی طرف گیااور اس مورچے تک پہونچا جہاں یہ لوگ تھے، میں صرف خدا سے دعا کررہا تھا کہ :

خدایا! خود ہی ہماری مدد فرما! کل رات تک تو دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے میں بھی کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی، لیکن اب یہ مشکل پیش آگئی!

اچانک ابراہیم نے اس بسیجی کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ ماراااور اس سے کلاشنکوف چھین لی۔ پھر اس نوجوان بسیجی کو گلے لگایا! یہ بسیجی نوجوان جواب ہوش میں آچکا تھا، زور زور سے رورہا تھا، ابراہیم نے مجھے بلا کر بسیجی کو میرے حوالے کر دیااور کہا:

آج تک میں نے کسی کے چہرے پر تھپڑ نہیں مارا ہے، لیکن یہاں پر ضروری تھا۔ اس کے بعد وہ عراقی مشین گن والے کی طرف گیا۔

اس نے پہلا گرینڈ پھینکا لیکن وہ مورچے کے اندر نہیں پھٹا، پھر اٹھ کر مورچے سے باہر آیااور عراقی مورچے کی طرف دوڑتے ہوئے دوسرا گرینڈ پھینکا، گرینڈ نشانے پر لگ گیا اور ایک ہی لمحے میں عراقی مشین گن مورچہ تباہ ہو گیا۔

سارے جوان "اللہ اکبر" کا نعرہ لگاتے ہوئے کھڑے ہوئے اور آگے بڑھنے لگے۔ میں بھی خوشی سے جوانوں کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایک جوان کے اشارے پر میں واپس پلٹااور مورچے سے باہر کی طرف دیکھا۔

میرے چہرے کا رنگ ہی اُڑ گیا اور مسکراہٹ ہونٹوں پر سوکھ کر رہ گئی، ابراہیم خون میں لت پت زمین پر پڑا ہوا تھا، میں نے اپنا ہتھیار وہیں پر پھینک دیا اور اس کی طرف دوڑنے لگا۔

ٹھیک دھماکے کے وقت ایک گولی اس کے منہ میں اور ایک گولی اس کے پاؤں میں لگی تھی، اس سے کافی زیادہ خون بہہ چکا تھا اور وہ تقریباً بیہوش ہو کر زمین پر گرپڑا تھا، میں چلایا: ابراہیم!

میں نے ایک جوان کو ساتھ لے کر ابراہیم اور دوسرے زخمیوں کو گاڑی میں سوار کر کے دزفول کے ملٹری اسپتال میں پہونچادیا۔

آپریشن کے آخری مرحلے تک ابراہیم محاذ پر موجود رہا اور اس علاقے کے دشمن کے آخری مورچوں کو فتح کرتے ہوئے وہ شدید زخمی ہو گیا۔

پورے راستے بھر میں رو رہا تھا، نہایت غمگیں تھا کہ کہیں ابراہیم... !

نہیں، نہیں، خدا نہ کرے!

دوسری طرف سے ابراہیم آپریشن کی پہلی ہی رات میں ایک بار زخمی ہو چکا تھا اور اس کے جسم سے کافی خون بہہ چکا تھا، اب معلوم نہیں تھا کہ وہ یہ زخم سہہ بھی پائے گا کہ نہیں!؟

دزفول میں اسپتال کے ڈاکٹر نے کہا کہ جو گولی اس کے منہ کے اندر لگی تھی وہ معجزاتی طور پر گردن سے باہر نکل گئی ہے اور اس سے کوئی خطرناک زخم نہیں لگا ہے، لیکن جو گولی اس کے پیر میں لگی ہے اس نے اس کے چلنے کی طاقت ہی فی الحال چھین لی ہے، پاؤں کی پیچھے والی ہڈی چکنا چور ہو چکی ہے لہٰذا اسے علاج کیلئے تہران بھیجنا ہوگا اور دوسری طرف سے اس کا پسلیوں والا زخم بھی کھل گیا ہے اور اس سے بھی خون بہہ رہا ہے۔

ابراہیم کو تہران منتقل کیا گیا اور ایک مہینے تک وہ "نجمیہ" اسپتال میں بھرتی تھا، اس دوران ابراہیم کے کئی ایک آپریشن کئے گئے اور اس کے بدن سے کئی چھوٹے بڑے دھماکوں کے پُرزے نکالے گئے۔ ابراہیم نے اپنے انٹرویو میں ایک رپورٹر کو کہ جو اس سے انٹرویو لینے اسپتال گیا ہوا تھا، اس طرح کہا:

باوجود اس کے کہ دوستوں نے اس آپریشن میں کافی محنت و مشقت کی اور معلومات جمع کرنے کا کام بحسن و خوبی انجام دے دیا تھا لیکن خدا کے لطف و کرم سے ہم نے فتح المبین میں کوئی خاص کام نہیں دیا! ہم نے تو سرف دوڑ دھوپ کی، وہاں پر جو کچھ بھی ہوا وہ بانوی دوعالم حضرت فاطمہ صدیقہ طاہرہ (س) کی عنایت تھی۔

ابراہیم نے مزید کہا:

ہم لوگ جب اس صحراء میں جوانوں کو اس طرف اور اُس طرف لے جا رہے تھے اور سبھی لوگ تھک ہار چکے تھے تو میں سجدے میں گیا اور توسل کیا اور امام زمان (عج) سے التماس کی کہ وہ خود ہی ہمیں ہمارا راستہ دکھادے۔ جب میں نے سجدے سے سر اٹھایا تو دیکھا سارے جوانوں پر ایک عجیب سی آرامش اور سکون طاری ہے، اکثر لوگ سو چکے تھے، ایک ٹھنڈی ہلکی نسیم سی چل رہی تھی۔ اچانک میں نے اسی نسیم کے رُخ پر چلنا شروع کر دیا اور تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد میں توپ خانے کے اِرد گرد کے مورچوں پر پہونچ گیا۔

آخر میں جب رپورٹر نے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں کو کوئی پیغام دینا چاہتے ہیں؟

تو کہا:

ہم اپنے اس عوام کے سامنے شرمندہ ہیں جو اپنا رات کا کھانا نہیں کھاتے اور اسے مجاہدین کے لئے بھیجتے ہیں۔ خود میرا جسم جب ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے تب جا کے شاید میں اپنے عوام کا قرض چکا سکوں!

ٹانگ کی ہڈی ٹوٹنے کی وجہ سے ابراہیم ہل بھی نہیں سکتا تھا۔

اسپتال میں ایک عرصہ تک بھرتی رہنے کے بعد وہ گھر آیا اور اس طرح تقریباً چھ مہینہ تک وہ محاذ جنگ سے دور تھا، لیکن پھر بھی اس دوران وہ مسجد اور محلہ کے جوانوں کے درمیان مذہبی اور سماجی سرگرمیوں سے غافل نہیں تھا۔

***

ذاکری(نوحہ خوانی)

(امیر منجر، جواد شیرازی)

ابراہیم نے اپنی ہائی اسکول کی پڑھائی کے دوران اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر "وحدت اسلامی" نامی جوانوں کی ایک انجمن بنائی۔ جو بہت سارے دوستوں کے لئے سبب خیر بنی۔

وہ ہمیشہ اپنے دوستوں کو تاکید کرتا کہ اپنے مذہبی اور دینی جذبات برقرار رکھنے کے لئے ہر محلہ میں ایک انجمن بنانے سے غافل نہ ہوں! ایسی انجمن کہ جس کا اصلی ہدف خطابت اور تقریر ہو!

اس کے ایک دوست کا کہنا ہے کہ ابراہیم کی شہادت کے برسوں بعد، میں ایک مسجد میں ثقافتی سرگرمیوں میں مصروف تھا۔ایک دن میں اس فکر میں تھا کہ کس طرح جوانوں کو مسجد اور ثقافتی سرگرمیوں کے ساتھ جوڑا رکھا جاسکے...! ٹھیک اسی رات میں نے ابراہیم کو خواب میں دیکھا کہ اس نے مسجد کے سارے جوانوں کو جمع کرر کھا ہے اور کہہ رہا ہے کہ انجمن بنا کر جوانوں کو مسجد کے ساتھ جوڑے رکھو! ... اور پھر وہ کام کے طریق کار کی وضاحت کرتا رہا۔

ہم نے بھی اسی طرح کیا۔البتہ شروع میں ہمیں اپنی کامیابی کی کوئی امید نہیں تھی لیکن برسوں گذر جانے کے بعد ابھی بھی ہم ہفتہ وار پروگراموں کے ذریعہ جوانوں کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔

محلہ کے جوانوں کے ساتھ ابراہیم اسی طریقے کا برتاؤ کرتا تھا۔ پہلے وہ جوانوں کو ورزش کی طرف مائل کرتااور پھر ورزشگاہ سے انہیں مسجد اورانجمن کی طرف راغب کرتا اور کہتا: جب جوانوں کا ہاتھ امام حسینؑ کے ہاتھ میں آجائے تو ساری مشکلیں حل ہو جائیں گی،آقاخود ہی ان پر اپنی نظرِعنایت کرے گا۔

ابراہیم نے ہائی اسکول کے دور سے ہی ذاکری شروع کی تھی اور تبھی سے وہ دوسروں کو بھی نوحہ سرائی اورذاکری کی طرف اُکساتا تھا۔

وہ ہر ہفتہ شہید عبداللہ مسگر کے ساتھ "وحدت اسلامی" نامی جوانوں کی انجمن میں آتااورذاکری اورنوحہ خوانی کرتا تھا۔

یہ جماعت انجمن سے بالاتر ایک چیز تھی۔ جوانوں کے اعتقادی اور سیاسی مسائل کی فکری سطح بڑھانے میں اس نے کافی مؤثر کردارادا کیا۔

علامہ محمد تقی جعفری اور حجۃالاسلام آقای نجفی جیسے بزرگ علماءاوراسی طرح مختلف سیاسی اور مذہبی شخصیتوں کو دعوت دینا اور ان سے علمی استفادہ کرنا،اسی انجمن کی ایک فعالیت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ شہنشاہی انٹلی جنس ایجنسی "ساواک" اس انجمن پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھی اور کئی مرتبہ اس کے جلسوں کے انعقاد پر پابندی لگادی تھی۔

ابراہیم نے اپنی ذاکری کا سلسلہ اسی انجمن اور اس کے علاوہ روایتی ورزش کے پہلوان کلب سے آغاز کیا تھا۔

انقلاب کے ایام میں اور انقلاب کی کامیابی کے بعد اس کی ذاکری اپنے اوج کو پہونچی، لیکن جس اہم بات کی وہ رعایت کرتا تھا،وہ اس کے بقول یہ تھی کہ :

"میں یہ سب اپنے دل کے لئے پڑھتا ہوں اور خود ہی اس سے استفادہ کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرتا ہوں اور غیر خدائی نیت کو میں اپنی ذاکری میں داخل نہیں ہونے دیتا...!"

* * *

بائیک پر بیٹھے بیٹھے اس نے حضرت زہرا(س) کے سلسلہ میں بڑے نفیس اشعار پڑھنے شروع کر دئے۔ یہ اشعار نہایت دلچسپ اور غمناک تھے۔ میں نے ابراہیم سے انجمن کے جلسہ میں یہی اشعار اسی دُھن سے پڑھنے کی گزارش کی لیکن اس نے ایک بھی نہیں مانی اور کہنے لگا:

یہاں پر تو ذاکر موجود ہے اور میری آواز بھی کوئی اچھی نہیں ہے، چھوڑو جانے دو..!

لیکن مجھے معلوم تھا کہ جب بھی اسے کسی کام کے غیر خدائی ہونے کا احساس ہو جائے یا اس کی شہرت کا سبب بن جائے تو وہ اسے چھوڑ دیتا ہے۔

ذاکری میں اس کی ایک اچھی عادت یہ تھی کہ وہ لاؤڈ اسپیکر یا اِیکو وغیرہ کا قائل نہیں تھا، بلکہ اکثر وہ ان چیزوں کے بغیر ہی ذاکری کرتا تھا۔

نوحہ خوانی کے وقت وہ زور زور سے سینہ زنی کرتا اور کہتا:

ہمارے اہل بیتؑ نے اپنے پورے وجود کو اسلام کے لئے فدا کر دیا، کم از کم ہمیں تو یہ سینہ زنی ہی اچھی طرح انجام دینی چاہئے!

جشن کی محفل ہو یا عزاداری کی مجلس، جہاں اسے ذمہ داری کا احساس ہوتا وہاں پڑھنا شروع کر دیتا تھا۔ لیکن اگر اسے پتہ چلتا کہ اس کے علاوہ کوئی اور ذاکر مجلس میں موجود ہے تو ہرگز نہیں پڑھتا اور زیادہ تر استفادہ کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

ابراہیم امام رضاؑ کی اس نورانی حدیث کا مصداق تھا کہ:

"جو شخص ہماری مصیبتوں پر روئے اور دوسروں کو رُلائے، اگرچہ وہ ایک ہی شخص کیوں نہ ہو تو اس کا اجر و ثواب صرف خدا ہی دے سکتا ہے، جس شخص کی آنکھیں ہماری

مصیبتوں پر اشک آلود ہو جائیں اور وہ روئے، خداوند عالم اسے ہمارے ساتھ محشور کرے گا۔"(1)

وہ عزاداری میں اتنا جذباتی ہو جاتا کہ اسے اور اس کی عزاداری کو دیکھ کر سب لوگوں میں جوش وولولہ آجاتا!

ابراہیم جہاں ہوتا وہاں پر کربلا برپا کر دیتا تھا۔

ابراہیم کی گریہ وزاری لوگوں کو جذباتی کر دیتی تھی جس کا ایک نمونہ ۱۹۸۲ء کا چہلم (۲۰ صفر) ہے جب اس نے "عاشقان حسینؑ" نامی انجمن میں عزاداری کی تھی، اس انجمن کے جوان اس دن کو ہر گز نہیں بھول سکتے!

اس دن ابراہیم نے حضرت زینبؑ کے مصائب پڑھے تھے۔ اس نے مجلس میں انقلاب برپا کر دیا اور پھر بیہوش ہو کر گر پڑا۔

اس دن جیسے جذبات اور حالات ہم نے پھر کبھی اپنے دوستوں اور جوانوں میں نہیں دیکھے۔ یقیناً ابراہیم کی گرم سانسوں اور اندرونی درد کی وجہ سے مجلس میں اس طرح کا انقلاب پیدا ہو گیا تھا۔

ذاکری کے سلسلہ میں ابراہیم کی یہ بات دلچسپ تھی کہ:

"ذاکر کو نوحہ اور مرثیہ پڑھتے وقت اہل بیتؑ کی عزت وآبرو کا خیال رکھنا چاہئے۔ ہر کوئی بات نہیں کہنی چاہئے۔ اگر کسی مجلس میں شرائط اور حالات مہیانہ ہوں تو وہاں پر مرثیہ نہیں پڑھنا چاہئے...!"

ابراہیم کبھی بھی اپنے آپ کو ذاکر نہیں کہتا تھا لیکن جہاں وہ مرثیہ پڑھتا، انقلاب برپا کر دیتا تھا۔

1۔ مستدرک الوسائل، جلد ا، صفحہ ۳۸۶

وہ شہداء کو ہر گز نہیں بھولتا تھا اور اس نے چند اشعار کہے تھے جس میں شہیدوں کے نام بالخصوص اصغر وصالی اور علی قربانی ذکر کئے تھے اور تقریباً ساری مجلسوں میں وہ یہ اشعار پڑھتا تھا۔

* * *

محرم کی نویں شب تھی اور مسجد میں ایک پر شکوہ مجلس منعقد ہوئی، شروع میں ابراہیم بہت اچھی طرح سینہ زنی کر رہا تھا لیکن بعد میں اندھیرے میں، میں نے دیکھا کہ وہ مجلس کے ایک کونے میں کھڑا آہستہ آہستہ سینہ زنی کر رہا ہے۔

نوحہ خوانی کافی طولانی ہو چکی تھی اور رات کے بارہ بجے مجلس ختم ہوئی۔ کھانا کھاتے وقت سب لوگ ابراہیم کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا: کیا زبردست عزاداری ہوئی، جوانوں نے بہت اچھی سینہ زنی کی۔

ابراہیم نے مجھے اور دوستوں پر ایک معنی خیز نظر ڈالتے ہوئے کہا:

اہلبیتؑ سے اپنا عشق و عقیدت اپنی ہی حد تک رکھو (اور زیادہ روی مت کرو)!

یہ بات ہماری سمجھ سے باہر تھی لہٰذا اس نے ہمارے حیرت زدہ چہرے دیکھ کر کہا:

یہ لوگ قمر بنی ہاشم حضرت عباسؑ کی مجلس میں آئے ہیں تاکہ ایک سال تک کے لئے اپنے آپ کو بیمہ کر لیں۔ جب تمہاری عزاداری طولانی ہو جاتی ہے تو یہ لوگ تھک جاتے ہیں (اور یہ اچھی بات نہیں ہے) آپ لوگ تھوڑی عزاداری کرنے کے بعد لوگوں میں کھانا بانٹ دیا کریں اور اس کے بعد جتنا تمہارا دل چاہے، عزاداری اور سینہ زنی کریں اور اہلبیتؑ سے اپنے عشق کا اظہار کریں۔

اہلبیتؑ کی مجلس میں لوگوں کو تھکن اور خستگی کا احساس نہ ہونے دیا جائے تو بہتر ہے!

* * *

مجلس حضرت زہراؑ

(شہید کے بعض دوست)

ہم لوگ مسجدِ حاجی ابو الفتح میں مجمع الذاکرین کے جلسہ میں گئے۔ اس جلسہ میں حضرت زہراؑ کے فضائل میں کچھ اشعار پڑھے جارہے تھے۔ ابراہیم یہ اشعار لکھ رہا تھا۔ جلسہ کے آخر میں حاجی علی انسانی نے مصائب پڑھنا شروع کردئے۔

ابراہیم نے اپنی ڈائری بند کردی اور زور زور سے رونے لگا اور رو رو کر بے حال ہو گیا۔ ابراہیم کی یہ حالت دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی۔

جلسہ ختم ہونے کے بعد ہم لوگ گھر کی طرف چل دئے۔ راستے میں اس نے کہا: جب کوئی انسان حضرت زہراؑ کے جلسہ میں داخل ہو جائے تو اسے حضرت زہراؑ کے حضور کا احساس ہونا چاہئے، کیونکہ یہ جلسہ آنحضرتؑ سے متعلق ہے۔

* * *

ایک دن میرے ہی اصرار پر ہم لوگ "عید زہراؑ" کے جلسہ میں گئے۔ میرا خیال تھا کہ ابراہیم بہت خوش ہو جائے گا کیونکہ وہ حضرت صدیقہؑ کا بڑا عاشق تھا۔ جلسہ میں ایک شاعر نے بزعم خود حضرت زہراؑ کی خوشی کے لئے (آپ کے دشمنوں کے سلسلہ میں) کچھ نازیبا باتیں کہیں۔ جلسہ کے درمیان ابراہیم نے مجھے اشارہ کیا اور ہم لوگ جلسہ سے باہر چلے آئے۔ راستے میں، میں نے کہا:

لگتا ہے آپ ناراض ہو گئے ؟ ہیں نا؟!

ابراہیم بہت ہی آشفتہ اور آگ بگولہ تھا، غصہ میں اپنا ہاتھ ہلاتے ہوئے اس نے کہا:

اس طرح کے جلسوں میں خدا نہیں ملتا۔ ہمیشہ ایسی جگہ جایا کرو جہاں خدا اور اہلبیتؑ کی بات ہو۔

اس نے کئی بار اس جملے کو دہرایا۔

ایک عرصہ گذرنے کے بعد جب میں نے اس طرح کے جلسوں اور اتحاد المسلمین کی ضرورت کے سلسلہ میں بزرگ علماء اور جلیل القدر فقہاء کے نظریات دیکھے تو تب مجھے ابراہیم کی دقت نظر اور دور اندیشی کا پتہ چلا!

* * *

"فتح المبین" نامی فوجی آپریشن میں جب ابراہیم زخمی ہوا تو ہم لوگوں نے فوراً اسے "دزفول" منتقل کر دیا اور آرمی اسپتال کے ایک ہال میں اسے لے گئے جہاں بہت سارے زخمی بھرتی تھے، پورا ہال بھرا ہوا تھا اور زخمی جوان درد کی شدّت سے آہ و بکا کر رہے تھے، ایک بھی زخمی سکون سے نہیں بیٹھا تھا، بہر حال ہم لوگوں نے ایک کونے میں تھوڑی سی جگہ بنالی اور ابراہیم کو زمین پر لٹا دیا۔

نرسوں نے ابراہیم کی گردن اور پیر کی ڈرسنگ کر دی۔ حالات اتنے خراب تھے کہ سب لوگ پریشان اور عاجز تھے، زخمیوں کی چیخ و پکار بے حد زیادہ تھی، ایسے میں اچانک ابراہیم نے اپنی خوبصورت آواز میں حضرت زہراؑ کی مدحت میں قصیدہ پڑھنا شروع کر دیا اور چونکہ اس فوجی آپریشن کا پاسورڈ بھی آپؑ ہی کا نام مقدس "یازہراءؑ" تھا، لہٰذا کچھ لمحوں کے لئے پورے ہال میں سناٹا چھا گیا، اب کسی زخمی کی آواز نہیں آرہی تھی، ہر طرف چین و سکون کا ماحول تھا، جہاں دیکھو وہاں آرام اور اطمینان دکھائی دے رہا تھا، صرف آنسوؤں کے قطرے تھے جو آہستہ آہستہ زخمیوں اور نرسوں کی آنکھوں سے جاری تھے، اب سب لوگ آرام سے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔

جب ابراہیم کی مدح سرائی ختم ہوئی تو ایک بوڑھی ڈاکٹر عورت جس کا حجاب بھی کچھ زیادہ اچھا نہیں تھا اور بہت زیادہ متأثر ہوئی تھی، نے آہستہ سے کہا:

تم میرے بیٹے جیسے ہو! تم جوانوں پر ہم قربان ہوں!

پھر وہ بیٹھی اور ابراہیم کے سر کو چوما! ابراہیم کی حالت دیکھنے کے لائق تھی، اس کے کان لال ہو چکے تھے، اس کے بعد اس نے شرم سے اپنے سر کے اوپر چادر ڈال دی!

* * *

ابراہیم ہمیشہ کہتا تھا:

خدا پر توکل کے بعد حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام اور بالخصوص حضرت زہرای مرضیہؑ سے توسل، ساری مشکلات کا حل ہے۔

ہم ابراہیم کی ملاقات کے لئے "نجمیہ اسپتال" چلے گئے تھے، ہم سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور ابراہیم نے پہلے اجازت لی اور پھر حضرت زہراءؑ کے مصائب پڑھنا شروع کر دئے۔ دو ڈاکٹر دور ہی سے ابراہیم کو دیکھ رہے تھے۔

میں نے تعجب سے پوچھا: کیا بات ہے، کوئی مشکل پیش آئی ہے؟!

انہوں نے کہا: نہیں، ہم لوگ ہوائی جہاز میں بھی ان ہی کے ساتھ تھے، یہ جانباز مسلسل بیہوش ہوتا اور پھر دوبارہ ہوش میں آجاتا تھا، لیکن اسی حالت میں بار بار یہ حضرت زہراءؑ کی مدحت میں اپنی خوبصورت آواز سے مدح سرائی کرتا رہا۔

* * *

موسم گرما ۱۹۸۲ء

(مرتضیٰ پارسائیان)

ابراہیم گرمیوں میں ایجوکیشنل بورڈ میں مصروف تھا۔ ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ کئی ڈپلوما کورس بھی کئے،اور اسی قلیل مدت میں کئی ایک ثقافتی پروگرام بھی منعقد کئے۔

اپنی بیسا کھیوں پر چل کر بورڈ کی بلڈنگ کے زینوں پر اوپر نیچے کر رہا تھا، میں سامنے گیا اور سلام کیا اور کہا:

ابراہیم صاحب! کیا بات ہے؟! اگر کوئی خاص کام ہو تو بتاؤ، ہم انجام دیں گے!

کہا: نہیں، میں خود ہی انجام دوں گا۔

پھر وہ مزید کئی کمروں میں گیا اور دستخط کروائے اور اپنا کام مکمل کر دیا۔

اب وہ بلڈنگ سے باہر جانا چاہ رہا تھا کہ میں نے پوچھا:

یہ کاغذ کیا تھا اور کیوں اپنے آپ کو اتنی زحمت میں ڈالا؟!

کہا: ایک بندۂ خدا دو سال سے ٹیچر پوسٹ پر کام کر رہا ہے لیکن ابھی تک اس کی نوکری پکی نہیں ہو پائی تھی،اس کی یہ مشکل حل کر رہا تھا۔

میں نے پوچھا: محاذ جنگ کے دوستوں میں سے ہے؟!

کہا: نہیں، مجھے نہیں لگتا، لیکن اس نے مجھ سے گذارش کی تو میں نے بھی اس کا یہ کام کر دیا، چونکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ کام میرے بس کا ہے تو میں نے انجام دے دیا۔

اس کے بعد مزید کہا:

انسان کے بس میں جو بھی ہو اسے خدا کے بندوں کے لئے انجام دینا چاہئے! بالخصوص ہمارے عوام جو اتنے اچھے ہیں، تو ہمیں ان کے لئے وہ سب کچھ کرنا چاہئے جو ہمارے بس میں ہو!

کیاآپ نے امام خمینیؒ کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ: "یہ عوام ہمارے ولیِّ نعمت ہیں۔"

***

اپنے محلہ میں ابراہیم کو سبھی لوگ پہچانتے تھے، کوئی بھی شخص پہلی ہی ملاقات میں اس کی شخصیت اور اخلاق کا عاشق ہو جاتا تھا۔ ابراہیم کا گھر ہمیشہ اس کے دوستوں سے بھرا رہتا تھا، جو لوگ محاذ جنگ سے واپس لوٹتے تھے تو گھر جانے سے پہلے وہ ابراہیم کے پاس ملاقات کے لئے آجاتے تھے۔

ایک دن صبح کی نماز میں مسجد محمدیہ (مسجد شہداء) کا پیش نماز نہیں آیا تھا، لوگوں نے زور زبردستی کرکے ابراہیم کو آگے کیا اور اسی کے پیچھے نماز جماعت پڑھی۔ جب مولانا صاحب کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے اور کہا:

اگر میں بھی ہوتا تو ہادی صاحب کے پیچھے نماز پڑھنے میں فخر کرتا!

***

میں نے ابراہیم کو کوچے میں اپنی بیساکھی پر ٹہلتے دیکھا، اس نے چند مرتبہ آسمان کی طرف دیکھا اور پھر نظریں نیچے کرلیں۔ میں سامنے گیا اور پوچھا:

ابراہیم صاحب، کیا بات ہے؟

پہلے تو اس نے جواب دینے سے انکار کردیا، لیکن میرے اصرار پر کہنے لگا:

ہر دن اس وقت تک خدا کا کوئی نہ کوئی بندہ میری طرف رجوع کرتا اور میں ہر صورت میں اس کی مشکل حل کردیتا تھا، لیکن آج صبح سے ابھی تک کسی نے میری طرف رجوع نہیں کیا! مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں نے کوئی ایسا کام تو نہیں کیا کہ خدا نے خدمت کی توفیق مجھ سے چھین لی ہو!

***

روش تربیت

(جواد مجلسی راد، مہدی حسن قمی)

ہمارا گھر ابراہیم کے گھر کے پڑوس میں تھا،اس وقت میری عمر سولہ سال کی تھی، ہم دوسرے بچوں کے ساتھ ہر روز کوچے میں والیبال کھیلتے تھے اور پھر میں اپنے مکان کی چھت پر کبوتر بازی میں مشغول ہو جاتا تھا!

اس وقت میرے پاس تقریباً ۷۰ کبوتر تھے، اذان ہوتے ہی میرا بھائی مسجد چلا جاتا تھا لیکن میں اہل مسجد نہیں تھا۔

سہ پہر کے وقت ہم لوگ والیبال کھیلنے میں مصروف تھے اور ابراہیم اپنے گھر کے دروازے پر اپنی بیساکھی پر کھڑا ہمارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ کھیل کے دوران ایک مرتبہ والیبال ابراہیم کے پاس چلی گئی اور میں والیبال لینے ابراہیم کی طرف گیا۔

ابراہیم نے والیبال اپنے ہاتھ میں لے لی اور پھر بڑے خوبصورت انداز میں اسے اپنے انگوٹھے پر نچاتے ہوئے کہنے لگا: یہ لیجئے جواد صاحب!

مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اسے میرا نام کیسے معلوم ہے! کھیل کے آخر تک میں ایک آدھی نظر ابراہیم پر بھی ڈالے ہوئے تھا،اس دوران میں صرف یہی بات سوچ رہا تھا کہ اسے میرا نام کیسے معلوم ہے؟!

کچھ دن بعد ہم لوگ دوبارہ وہیں پر کھیل رہے تھے اور ابراہیم صاحب سامنے آئے اور کہنے لگے:

دوستو! مجھے کھیلنے دو گے؟

ہم لوگوں نے کہا: کیسی بات کر رہے ہیں آپ، آپ کو اختیار ہے، کیا آپ والیبال بھی کھیلتے ہیں؟!

کہا: چلو اگر مجھے نہیں آتا ہو گا تو میں آپ لوگوں سے سیکھ لوں گا، بیسا کھی سائیڈ میں رکھی اور لنگڑ لنگڑ کر کھیلنا شروع کر دیا۔

اس دن تک میں نے کسی کو اتنے خوبصورت انداز میں والیبال کھیلتے نہیں دیکھا تھا، ابھی وہ زخمی ہی تھا اور ایک ہی جگہ کھڑے رہنے پر مجبور تھا لیکن پھر بھی بہت اچھا شاٹ مارتا تھا اور نہایت حسین انداز میں سروس بھی پکڑ لیتا تھا۔

رات میں، میں نے اپنے بھائی سے پوچھا کہ تم یہ ابراہیم صاحب کو پہچانتے ہو؟ وہ والیبال کتنی اچھی کھیلتا ہے!

میرا بھائی ہنستے ہوئے کہنے لگا: ابھی تم نے اسے پہچانا کہاں! ابراہیم تو ہائی اسکول میں والیبال چمپئن تھا اور اس کے علاوہ کُشتی کا بھی چمپئن تھا!

میں نے حیرت کے انداز میں پوچھا:

سچ میں!؟ پس تم نے اس سے پہلے کیوں کچھ نہیں کہا؟!

میرے بھائی نے کہا: نہیں معلوم، لیکن یہ جان لو کہ یہ بہت بڑا انسان ہے!

چند روز بعد ہم لوگ دوبارہ کھیلنے میں مصروف تھے اور ابراہیم صاحب آگئے، دونوں ٹیموں کی خواہش تھی کہ ہمارے ہی ساتھ کھیلے۔ بہر حال ہم لوگوں نے ان کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیا، کتنا خوبصورت وہ کھیل رہا تھا۔

کھیل کے آخری لمحات تھے کہ اتنے میں مسجد سے اذان کی آواز سنائی دی۔ ابراہیم نے والیبال اپنے ہاتھ میں لے لی اور کہا:

دوستو! چلو مسجد چلتے ہیں؟!

ہم لوگوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ پھر سب مل کر نماز جماعت پڑھنے مسجد چلے گئے۔

ایسے ہی چند روز گذر گئے اور ہم لوگ ابراہیم صاحب کے زبردست عاشق ہوگئے، ہم لوگ اس کی وجہ سے مسجد جاتے تھے۔ایک دن اس نے ہمیں دن کے کھانے پر دعوت دی اور وہاں ہم لوگوں نے خوب گفتگو کی، اس کے بعد ہم ہر دن ابراہیم صاحب کی تلاش میں رہتے تھے۔ اگر ایک دن اسے نہ دیکھتے تو حقیقت میں ہم پریشان ہو جاتے تھے، پھر ایک دن ہم سب لوگ مل کر روایتی ورزش کرنے پہلوان کلب چلے گئے۔

المختصر یہ کہ میں اس کے اخلاق و کردار کا زبردست عاشق ہو چکا تھا، اس نے محبت اور دوستی کی روش اپنا کر ہمیں نماز اور مسجد کی طرف کھینچ لیا تھا۔

* * *

ابراہیم کے زخم آہستہ آہستہ ٹھیک ہو رہے تھے اور وہ واپس محاذ جنگ پر لوٹنا چاہ رہا تھا، ایک دن رات کے وقت ہم لوگ کوچے میں بیٹھے ہوئے تھے اور وہ مجھے "فتح المبین" نامی آپریشن میں شامل تیرہ چودہ سال کے جوانوں کے بارے میں بتا رہا تھا، وہ اسی طرح اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھا کہ ایک جملے کے ذریعہ اپنی آخری بات کہہ ڈالی:

اگرچہ ان کی عمر اور جسامت تجھ سے کہیں کم ہے لیکن خدا پر توکل کر کے انہوں نے کیسے کیسے معرکے خلق کئے اور عظیم کارنامے انجام دئے اور تم ہو جو یہاں بیٹھے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ کر اپنے کبوتروں کا نظارہ کر رہے ہو!!

اس واقعہ کے دوسرے دن میں نے سارے کبوتروں کو آزاد کر دیا اور خود محاذ جنگ پر چلا گیا۔

اب برسوں گذرنے کے بعد ، میں تعلیمی مسائل کا ماہر (Specialist) ہونے کی وجہ سے اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں کہ ابراہیم کتنا دقیق اور صحیح طریقے سے اپنے تربیتی کام کو انجام دیتا تھا! کتنے حسین انداز میں وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا تھا؛ ابراہیم کا اندازِ عمل اس قدر حسین تھا کہ وہ تربیتی امور کے دعویداروں کے لئے ایک مثالی نمونہ بن چکا تھا، اور وہ بھی ایسے وقت میں کہ جب "روشِ تربیت" کا تصور بھی موجود نہیں تھا۔

شب برات تھی اور ہم ابراہیم کے ساتھ کوچے میں داخل ہوئے، پورے کوچے کو چراغاں کیا گیا تھا اور محلے کے نوجوان سب کوچے کے آخر میں اکٹھے ہو گئے تھے، جب ہم لوگ ان کے قریب پہونچے تو دیکھا یہ سب تاش شرط بندی اور کھیلنے میں مشغول ہیں۔

انہیں دیکھ کر ابراہیم بڑا غصہ ہوا لیکن کچھ نہیں کہا، میں نوجوانوں کے پاس گیا اور ابراہیم کا تعارف کرایا اور کہا:

یہ میرے دوست ہیں جو والیبال اور کشتی میں چمپئن ہیں، سبھی دوستوں نے ابراہیم کے ساتھ سلام اور احوال پرسی کی اور پھر ابراہیم نے چوری چھپے مجھے کچھ پیسے دئے اور کہا: فوراً جا کر دس عدد آئس کریم خرید کر لاؤ!

اس رات ابراہیم نے چند آئس کریموں اور گپ و گفتگو اور ہنسی مذاق کے ذریعہ ہمارے محلے کے نوجوانوں کے ساتھ دوستی کر لی اور آخر میں انہیں تاش کھیلنے کی حرمت کے بارے میں کہا۔

اب جب ہم لوگ کوچے سے واپس باہر جا رہے تھے تو دیکھا کہ ان نوجوانوں نے سارے تاش کے پتے کاٹ کر نالی میں پھینک دئے تھے۔

* * *

اچھا سلوک

(شہید کے بعض دوست)

ہم "۷ا شہریور" نامی سڑک سے گذر رہے تھے۔ میں اپنی بائیک پر ابراہیم کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا کہ اچانک ایک کوچے کے اندر سے ایک موٹر سائیکل والا بڑی تیزی سے سڑک پر آیا اور ہمارے سامنے ایک کٹ مارا، یہ دیکھ کر ابراہیم نے بڑی شدید بریک لگائی۔

موٹر سائیکل والا کہ جس کا ظاہری حُلیہ بھی کچھ ٹھیک نہیں تھا، چلانے لگا: ہُو ہو! کیا کر رہے ہو؟! اور پھر کھڑا ہو کر غصہ سے ہم لوگوں کو دیکھنے لگا، سب لوگ جانتے تھے کہ غلطی اسی کی ہے اور میرا خیال بھی یہی تھا کہ ابراہیم اپنے اس مضبوط جسم کو لے کر بائیک سے اُتر کر اس کا منہ توڑ جواب دے گا، لیکن ابراہیم نے اس نامناسب سلوک کے جواب میں اپنے مسکراہٹ بھرے ہونٹوں سے کہا:

سلامٌ علیکم! خدا آپ کو سلامت رکھے!

غصے میں چور موٹر سائیکل سوار ہکا بکا رہ گیا، جیسے کہ اسے اس طرح کے مہربان جواب کی توقع ہی نہیں تھی۔ تھوڑا ٹھہر کر اس نے کہا:

علیکم السلام، معاف کیجئے گا! میں آپ لوگوں سے شرمندہ ہوں!

پھر اس نے اپنی بائیک اسٹارٹ کی اور چلا گیا اور ہم لوگ بھی اپنی راہ چل دئے۔

راستے میں ابراہیم نے بات شروع کر دی اور میرے ذہن میں اٹھنے والے سوالوں کا جواب دیدیا اور کہا: تم نے دیکھا کیا ہوا؟ ایک ہی سلام کے ذریعہ اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، اس کے علاوہ معافی بھی مانگ لی۔ اب اگر میں بھی اس کے جواب میں چلانے لگتا اور جھگڑا

شروع کرتا تو سوائے اپنا اخلاق و کردار خراب کرنے اور خواہ مخواہ کا ٹینشن لینے کے سوا اور کچھ نہ کرتا!

***

ابراہیم کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کا انداز اپنی جگہ کافی دلچسپ تھا۔ اگر وہ کسی کام سے منع کرنا چاہتا تو براہ راست نہیں کہتا، بلکہ مثلاً اس کے جسمانی، سماجی وغیرہ جیسے نقصانات کی طرف اشارہ کرتا تاکہ انسان خود ہی لازمی نتیجہ پر پہونچ جائے! اس کے بعد اس کی ممنوعیت پر دینی دلیلیں پیش کرتا تھا۔

ابراہیم کا ایک دوست ایک بڑی برائی میں گرفتار تھا اور لڑکیوں کو بُری نظر سے دیکھتا اور مسلسل غیر اخلاقی حرکتوں کی تلاش میں رہتا تھا، اس کے کچھ دوستوں نے اس بنا پر اس کے ساتھ جھگڑا بھی کیا اور کچھ لوگ روٹھ کر اس سے الگ بھی ہوئے لیکن کوئی اسے بدل نہ سکا۔ ایسے حالات میں کوئی بھی انسان اسے اپنے ساتھ چلنے نہیں دیتا تھا، لیکن ابراہیم نے پھر بھی اس کے ساتھ اپنے تعلقات اور اپنی دوستی گرم رکھی، بلکہ اکثر اسے اپنے ساتھ پہلوان کلب میں لے کر آتا تھا اور دوسروں کے سامنے اس کا بڑا احترام کرتا تھا۔

ایک مدت گذر جانے کے بعد ابراہیم نے اس کے ساتھ گفتگو کی اور پہلے اس کی غیرت کو للکارا اور کہا:

اگر کوئی شخص تمہاری ماں یا بہن کو چھیڑنے کی کوشش کرے اور انہیں ستانا چاہے تو تم کیا کروگے؟

لڑکے نے جواب دیا: میں اسکی آنکھیں ہی پھوڑ ڈالوں گا۔

ابراہیم نے نہایت سکون سے اسے کہا:

اچھا، دوست! جب تمہیں اپنی ناموس کا اتنا خیال ہے اور اس پر تم اتنی غیرت دکھاتے ہو تو خود اسی غلط کام میں کیوں مبتلا ہو؟!

پھر کہا:

دیکھو! اگر ہر کوئی دوسرے کی ناموس کے پیچھے لگ جائے تو معاشرہ بکھر جائے گا، افراتفری پھیل جائے گی اور کسی کو چین وسکون حاصل نہیں ہوگا! پھر اسی سلسلے میں پیغمبر اکرمؐ کی یہ حدیث بیان کی کہ:

"اپنی آنکھوں کو نامحرموں کے مقابلے میں بند کردو تاکہ عجائب دیکھ سکو!"[1]

اسکے بعد اور بھی دوسری دلیلیں بھی ذکر کر دیں اور وہ لڑکا بھی ہاں میں اپنا سر ہلاتا رہا۔

پھر ابراہیم نے کہا:

آج ہی اپنا فیصلہ کرلو، اگر تمہیں ہمارے ساتھ دوستی برقرار رکھنی ہے تو یہ سب کام چھوڑنا پڑیں گے۔

ابراہیم کی مناسب باتوں اور صحیح سلوک کی وجہ سے اس کا کردار واخلاق مکمل طور پر بدل گیا اور وہ محلہ کا ایک بہترین انسان بن گیا، اس نے سارے گذشتہ کاموں کو چھوڑ دیا۔

یہ لڑکا ان افراد میں سے ایک ایسا نمونہ ہے جن کے ساتھ ابراہیم نے صحیح سلوک کیا اور منطقی گفتگو کی جس کی وجہ سے وہ سارے مکمل طور پر بدلتے رہے اور بہترین انسانوں کی صفوں میں جگہ بنانے میں کامیاب ہوگئے۔

اس خوش نصیب لڑکے کا نام آج بھی ہمارے محلے کے ایک کوچے پر نقش بستہ ہے!

* * *

یہ ۱۹۸۲ء کے موسم خزاں کی بات ہے، ہم لوگ بائیک پر "آزادی چوک" کی طرف جا رہے تھے، میں ابراہیم کو تہران کے مغربی بس اڈّے تک پہونچانے گیا تھا جو محاذ جنگ پر جا رہا تھا، ہمارے بغل سے ایک نئے ماڈل کی ہائی فائی گاڑی گذری، ڈرائیور کے بغل والی سیٹ پر بیٹھی ایک عورت نے کہ جس کا حجاب بھی کوئی ٹھیک نہیں تھا، ابراہیم کو دیکھ کر ایک نامناسب کلام کہا۔

---

1. میزان الحکمۃ، جلد ۱۰، صفحہ ۷۲

ابراہیم نے مجھ سے کہا:

فوراًاس کا پیچھا کرو، اور میں نے بھی اس گاڑی کا پیچھا کرنا شروع کر دیااور گاڑی والے کو سائیڈ میں رُکنے کااشارہ کیا۔

میں نے من ہی میں کہا: اس بار تو جھگڑا ہونا پکا ہے! گاڑی سڑک کے کنارے رکی اور ہم لوگ بھی بائیک پراس کے کنارے رکے، میں ابراہیم کے طرز عمل کا منتظر تھا۔

ابراہیم تھوڑی دیر خاموش رہااور پھر ایسے ہی بائیک پر بیٹھے ہوئے ڈرائیور کو سلام کیا اور اچھی خاصی احوال پرسی کی!

ڈرائیور کہ جس نے ہمارا ظاہری (بسیجی) حُلیہ اور اپنی بیوی کا غلط سلوک دیکھا تھا، اس طرح کے سلام علیک کا توقع ہی نہیں رکھتا تھا۔

جواب سلام کے بعد ابراہیم نے کہا:

معاف کیجئے گاآپ کی بیوی نے مجھے اور سارے داڑھی والوں کو ایک بُری گالی دی، میں یہ جاننا چاہ رہا ہوں کہ ۔۔۔ڈرائیور نے ابراہیم کی بات کاٹتے ہوئے کہا: میری بیوی نے بُرا کیا، بیجا کیا، غلطی کی!

ابراہیم نے کہا: نہیں جناب! آپ ایسی باتیں نہ کریں، میں صرف یہ جاننا چاہ رہا ہوں کہ کیاان کا میری گردن پر کوئی حق ہے؟! یا میں نے کوئی ایسا غلط کام کیا ہے جو یہ میرے ساتھ اس طرح کا سلوک کر رہی ہیں؟!

ڈرائیور کو ہمارے اس برتاؤ کی بالکل توقع نہ تھی، وہ گاڑی سے اترااور ابراہیم کے چہرے کو چومتا ہوا کہنے لگا:

نہیں میرے پیارے دوست،آپ نے کوئی خطا یا غلطی نہیں کی! غلطی ہماری ہے اور ہم اس بات پر بہت شرمندہ ہیں۔

اس کے بعد یہ لوگ کافی عذر خواہی کرتے ہوئے وہاں سے چل دئے۔

ابراہیم کا یہ اخلاق و کردار اور وہ بھی ایسے وقت میں ہمارے لئے کافی عجیب و غریب تھا۔ لیکن وہ در حقیقت اس طرح لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے کا طریقہ کار ہمیں سکھاتا تھا۔

وہ ہمیشہ کہتا:

زندگی میں صرف وہی شخص زیادہ کامیاب ہے جو دوسروں کے غصے کے مقابلے میں صبر کر سکے! اور بے منطقی کام انجام نہ دے۔

دوسروں کے ساتھ سلوک کرنے میں اس کی کامیابی کا یہی راز تھا۔ اس کا برتاؤ مجھے اس آیت شریفہ کی یاد دلاتا تھا کہ:

وَعِبَادُ الرَّحْمَـٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ﴿٦٣- الفرقان﴾

ترجمہ: اور اللہ کے بندے وہی ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان کو کچھ کہتے ہیں تو سلام کرتے ہیں۔

* * *

سانپ کا واقعہ

(مہدی عموزادہ)

رات کے دس بج رہے تھے اور ہم لوگ اپنے کوچے میں فٹبال کھیل رہے تھے۔ ابراہیم صاحب کا نام محلہ کے دوستوں سے میں نے سنا تو تھا لیکن ابھی تک کبھی اس سے ملا نہیں تھا۔

ہم لوگ کھیلنے میں مصروف تھے کہ اتنے میں بیساکھی پر کوچے سے ایک شخص کو آتے دیکھا، لمبی داڑھی اور زخمی پاؤں سے میں سمجھ گیا کہ یہی ہیں!

کوچے کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر ہمارے کھیل کا تماشا دیکھنے لگا۔ ایک دوست نے کہا: ابراہیم صاحب! کھیلیں گے؟

کہا: میں اس زخمی پاؤں کے ہوتے ہوئے کیسے کھیل سکتا ہوں! ہاں، اگر کہو تو گول کیپر رہ سکتا ہوں۔

میں بہت اچھا کھیلتا تھا لیکن میں نے جتنی بھی کوشش کی، اسے گول نہیں مار سکا، وہ ماہر کھلاڑیوں کی طرح کھیل رہا تھا۔

آدھے گھنٹے کے بعد اس نے فٹبال اپنے پیر کے نیچے دبا کر کہا:

دوستو! تمہیں نہیں لگتا کہ اب دیر ہو چکی ہے اور لوگ سونا چاہتے ہیں!

ہم لوگوں نے بھی فٹبال اور گول اٹھا لئے اور سب لوگ ابراہیم کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ دوستوں نے کہا:

اگر ممکن ہو تو محاذ جنگ کا ایک واقعہ سنا دیں!

اس رات میں نے ایک ایسا عجیب واقعہ سنا جو میں کبھی نہیں بھولوں گا۔

ابراہیم صاحب نے کہا:

میں اور جواد افراسیابی مغربی محاذ پر انٹلی جنس شناسائی کے لئے گئے ہوئے تھے۔آدھی رات کا وقت تھا اور ہم لوگ عراقی فوج کے مورچوں کے پاس چُھپ گئے۔

اب جب صبح ہوئی تو ہم لوگ دشمن کے ٹھکانوں کی شناسائی کی تکمیل میں مصروف ہو گئے۔ ہم لوگ کام میں مشغول تھے کہ اچانک میں نے ایک بہت بڑا سانپ دیکھا جو ہماری طرف آرہا تھا۔

اتنا بڑا سانپ آج تک میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

سانسیں ہمارے سینوں میں بند ہو چکی تھیں، ہم ایسے وقت میں کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اگر ہم اس پر گولی چلاتے تو عراقی فوج کو ہمارا پتہ چل جاتا اور اگر وہاں سے بھاگ جاتے تو وہ ہمیں باآسانی دیکھ لیتے، دوسری طرف سانپ بھی بڑی تیزی سے ہماری طرف آرہا تھا، سوچنے اور فیصلہ لینے کے لئے ہمارے پاس بالکل ہی وقت نہیں تھا۔

میں نے اپنا لعاب دہن نگلا اور خوف وہراس کے عالم میں اپنی آنکھیں بند کرلیں اور کہا: بسم اللہ!... پھر خدا کو حضرت زہرای مرضیہؑ کی قسم دی!

وقت بڑی تیزی سے نکلتا جارہا تھا، کچھ لمحوں کے بعد جواد نے میرے ہاتھ پر مارا اور میں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو نہایت حیرت میں، میں نے دیکھا کہ ہمارے بالکل قریب پہونچنے کے بعد سانپ نے اپنا راستہ ہی بدل دیا ہے۔

اس رات ابراہیم نے چند ایک ہنسی کے واقعات بھی ہم لوگوں کو سنائے اور ہم لوگ بہت ہنسے اور پھر آخر میں اس نے کہا:

دوستو! کوشش کرو کہ رات دیر گئے جب لوگ آرام کرنا چاہتے ہوں تو کھیلا مت کرو!

دوسرے دن سے میں ہر روز ابراہیم کی تلاش میں رہتا تھااور جب مجھے پتہ چلا کہ وہ صبح کی نماز پڑھنے مسجد جاتا ہے تو اس کی خاطر میں بھی مسجد جانے لگا۔

ابراہیم صاحب نے مجھے اور محلہ کے نوجوانوں کو اتنا متأثر کر دیا تھا کہ ہم لوگ بھی اس کی طرح اب آہستہ آہستہ اور وقت سے نماز پڑھنے لگے تھے۔

ایک مدّت بعد جب وہ محاذ جنگ پر گیا تو ہم لوگ بھی اس کی یہ دوری برداشت نہ کر سکے اور جنگ پر چلے گئے۔

* * *

خدا کی خوشنودی

(عباس ہادی)

ابراہیم کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس کے کاموں سے کوئی بھی شخص مطلع نہیں ہو پاتا تھا سوائے اس کے جو اس کے ساتھ ہوتا یا خود اپنی آنکھوں سے اسے کوئی کام کرتے دیکھے۔

لیکن خود وہ کبھی بھی سوائے ضرورت کے اپنے کاموں کے بارے میں نہیں بولتا تھا بلکہ ہمیشہ اس بات کی تاکید کرتا کہ جو کام خدا کی خوشنودی کے لئے ہو، اسے کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی؛

یا ہمارے کاموں کی سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ہم سب کی خوشنودی کے لئے کام کرتے ہیں سوائے خدا کے !

حضرت علیؑ بھی فرماتے ہیں:

جو شخص اپنے دل اور اپنے اعمال کو غیرِ خدا سے پاک کردے، خدا اسے اپنی نظرِ عافیت سے نوازتا ہے۔[1]

عظیم عارف حضرات بھی اکثر اپنی باتوں میں اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ:

اگر کوئی کام خدا کے لئے ہو تو وہ گرانقدر ہوتا ہے۔

1۔ غرر الحکم، صفحہ ۵۳۸

یا یہ بات کہ اس دنیا میں انسان اگر ایک سانس بھی غیرِ خدا کے لئے لے گا تو آخرت میں وہ اس کے نقصان میں ہو گی۔

ابراہیم کے زخمی دنوں کے دوران ہم لوگ ایک بار تہران کے ایک پہلوان کلب میں چلے گئے اور ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ ہر سابق اور پرانے ورزشکار کے داخل ہوتے ہی مرشد کی گھنٹی کی آواز آتی اور چند لمحوں کے لئے ورزش بند ہو جاتی تھی۔

داخل ہونے والا ورزشکار بھی دور ہی سے ورزشکاروں کے لئے اپنا ہاتھ ہلاتا اور ایک کونے میں بیٹھ جاتا تھا۔

ابراہیم بڑی دقت سے لوگوں کے حرکات کو زیر نظر رکھے ہوئے تھا، اس کے بعد وہ میری طرف پلٹا اور آہستہ سے کہا:

انہیں دیکھو! دیکھو کس طرح یہ لوگ گھنٹی بجنے سے خوش ہو جاتے ہیں۔

پھر مزید کہا:

بعض لوگ پہلوان کلب کی گھنٹی کے عاشق ہوتے ہیں، یہ لوگ جتنے اس گھنٹی کے عاشق ہیں، اگر اتنے ہی عاشق خدا کے ہوتے تو پھر یہ زمین پر نہ ہوتے بلکہ آسمانوں پر چلتے دکھائی دیتے!

پھر کہا:

دنیا یہی ہے، جب تک انسان اس دنیا کا عاشق ہے اور اسی سے لو لگائے ہے، اس کی یہی حالت ہوتی ہے، لیکن اگر انسان اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا دے اور اپنے سارے کام خدا کی خاطر انجام دے تو یقین رکھو کہ اس کی زندگی بدل جائے گی اور تب وہ سمجھ لے گا کہ زندگی جینے کا کیا مطلب ہے!

اس کے بعد مزید کہا:

پہلوان کلب میں بہت سے لوگ یہ دیکھنے آتے ہیں کہ کس کے اندر کتنی طاقت ہے اور کون شخص جلدی تھک جاتا ہے۔

اگر تم کبھی ورزش کے ماسٹر بن جاؤ تو جو نہی دیکھو کہ کوئی ایک تھک گیا ہے تو فوراً اپنی ٹیکنیک بدل دو اور یہ کام خدا کی خوشنودی کیلئے کرو۔ میں جب پہلوان کلب میں ماسٹر تھا تو میں نے ایسا نہیں کیا لیکن میرا کوئی خاص مقصد نہیں تھا، میں تو بلاوجہ دوستوں میں مشہور ہو گیا لیکن تم کبھی ایسا کام مت کرنا!

وہ کہتا تھا:

انسان کو ہر کام بلکہ اپنے ذاتی کام بھی خدا کی خوشنودی کے لئے انجام دینے چاہئیں۔

یہ کائنات ہے تیرے لئے سن لو خبردار!
غیر خدا کی خاطر کرو تو ہو گے ذلیل و خوار

* * *

جمعہ کی سحر کا وقت تھا، ابراہیم خون آلود کپڑوں کے ساتھ گھر آیا، آہستہ آہستہ اپنے کپڑے بدل دئے اور نماز پڑھنے کے بعد مجھ سے کہا:

عباس! میں اوپر سونے جا رہا ہوں۔

ظہر کے وقت زور زور سے کوئی ہمارا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا، ہماری امی دروازے پر گئی تو دیکھا پڑوسی عورت ہے اور سلام کے بعد غصے میں کہا:

یہ ابراہیم کیا میرے بیٹے کی عمر کا ہے جو کل رات کو اپنی موٹر سائیکل پر میرے بیٹے کو باہر لے گیا اور اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور بیچ میں میرے بیٹے کا پاؤں توڑ دیا!

پھر کہا: دیکھئے خاتون! میں نے اپنے بیٹے کا ایڈمیشن ایک بہترین ہائی اسکول میں کرایا ہے، میں نہیں چاہتی کہ یہ آپ کے بیٹے جیسے لوگوں کے ساتھ رفت و آمد رکھے!

ہماری امی جو ہر چیز سے بے خبر تھی، کافی رنجیدہ ہو گئیں اور اس عورت سے معافی مانگتے ہوئے تعجب سے کہنے لگی:

مجھے نہیں معلوم تم کیا کہہ رہی ہو! لیکن ٹھیک ہے میں ابراہیم سے کہہ دوں گی۔ آپ ہمیں معاف کیجئے وغیرہ وغیرہ۔

میں ان دونوں کی یہ باتیں سن رہا تھا، میں فوراً دوسری منزل پر دوڑتے دوڑتے گیا اور ابراہیم کو نیند سے جگا کر کہا:

بھائی تم نے یہ کیا کیا ہے؟!

ابراہیم نے پوچھا: کیوں کیا بات ہے؟!

میں نے پوچھا: کیا آپ لوگوں کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے؟

وہ اچانک کھڑا ہوا اور تعجب سے کہنے لگا:

کیا! ایکسیڈنٹ!؟!؟ تم کہہ کیا رہے ہو؟

میں نے کہا: کیا تم نے نہیں سنا کہ دروازے پر محمد کی ماں تھی اور بڑا شور و غل مچائے ہوئے تھی۔

ابراہیم نے تھوڑا سوچتے ہوئے کہا:

چلو اچھا، خدا کا شکر ہے، کوئی خاص بات نہیں ہے!

اسی دن سہ پہر کے وقت محمد کے ماں باپ ایک گلدستہ اور پیسٹری کا ڈبہ لے کر ابراہیم کی عیادت کے لئے آ گئے۔ پڑوسی عورت مسلسل عذر خواہی کر رہی تھی اور معافی مانگ رہی تھی۔

امی نے تعجب سے کہا:

خاتون! کہاں صبح کی تمہاری باتیں اور کہاں اب تمہارا یہ کام! وہ بھی مسلسل یہی بات دہرا رہی تھی کہ:

خدا کی قسم میں شرمندگی سے کچھ نہیں کہہ پا رہی ہوں۔ محمد نے ہمیں سارا ماجرا سنا دیا ہے۔ محمد نے ہم سے کہا:

اگر ابراہیم صاحب موقع پر نہ پہونچتے تو نہیں معلوم اسے کیسی مصیبت آن پڑتی! محلے کے جوانوں نے کہا تھا کہ ابراہیم اور محمد ایک ساتھ تھے اور ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے!

میری بہن! میں بلاوجہ غصہ ہو گئی تھی، آپ خدا کے لئے مجھے بخش دیں۔

میں نے محمد کے والد سے بھی کہا کہ ابراہیم کو زخمی ہوئے کئی مہینے گذر چکے ہیں اور ابھی تک اس کا پاؤں ٹھیک بھی نہیں ہوا جبکہ ہم لوگ آج تک اس کی عیادت کے لئے بھی نہیں گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس وقت آپ کو زحمت دیدی!

امی نے پوچھا: میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ تمہارے محمد کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے؟!

ہمسایہ عورت نے کہا:

شب جمعہ کو آدھی رات کے وقت مسجد کے بسیجی جوان ایک سڑک پر چیکنگ میں مصروف تھے اور محمد بھی سڑک پر دوسرے بسیجی جوانوں کے ہمراہ کھڑا تھا کہ اچانک اس کا ہاتھ بندوق کے ٹریگر پر لگ جاتا ہے اور بندوق سے گولی نکل کر خود اسی کے پاؤں میں لگ جاتی ہے۔ وہ سڑک پر گر پڑتا ہے اور اس کا کافی خون بہہ جاتا ہے اور اتنے میں ابراہیم اپنی بائیک پر وہاں پہونچتا ہے اور فوراً ایک دوسرے دوست کے ہمراہ وہ محمد کا پاؤں باندھ دیتا ہے اور پھر اسے اسپتال پہونچا دیتا ہے۔

پڑوسی عورت کی باتیں جب ختم ہوئیں تو میں نے پلٹ کر ابراہیم کو دیکھا جو بڑے اطمینان سے کمرے کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جو شخص خدا کی خوشنودی کے لئے کوئی کام انجام دیتا ہے، اسے لوگوں کی باتوں پر دھیان نہیں دینا چاہئے!

***

اخلاص

(عباس ہادی)

میں ابراہیم کے ساتھ ورزش کے بارے میں بات کر رہا تھا تو اس نے کہا:

جب بھی میں ورزش کرنے یا کُشتی کے مقابلوں میں جاتا تھا تو ہمیشہ وضو کر کے جاتا تھا اور کُشتی کے مقابلوں سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتا تھا۔

میں نے پوچھا: کون سی نماز؟!

کہا: دو رکعت مستحبی نماز! میں خدا سے یہ دعاء کرتا تھا کہ کہیں میں میچ میں کسی سے انتقام نہ لوں!

ابراہیم کبھی بھی گناہ کے نزدیک نہیں جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ سارے دوستوں کے لئے ایک نمونۂ عمل تھا، یہاں تک کہ اگر کہیں پر گناہ کی بات ہوتی تھی تو فوراً گفتگو کا موضوع بدل دیتا تھا۔ جب وہ دوستوں کو کسی کی غیبت کرتے دیکھتا تو مسلسل صلوات پڑھواتا اور یا کسی طرح سے گفتگو کا موضوع ہی بدل ڈالتا تھا۔

وہ کبھی بھی کسی کی برائی نہیں کرتا تھا مگر یہ کہ اس کی اصلاح کرنے کا مقصد ہوتا! کبھی بھی تنگ یا ہاف آستین والے کپڑے نہیں پہنتا تھا۔ اکثر وہ اپنے آپ کو سخت اور مشکل کاموں میں مصروف رکھتا تھا۔ جب ہم لوگ اس کی وجہ پوچھتے تو کہتا:

انسان کے نفس کے لئے یہ سب کام ضروری ہوتے ہیں۔

شہید جعفر جنگروی کا کہنا ہے کہ:

ایک بار ہم سب لوگ عزاداری ختم ہونے کے بعد اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے اور آپس میں گفتگو کر رہے تھے اور ابراہیم دوسرے کمرے میں اکیلا بیٹھا اپنے ہی ساتھ مگن تھا۔

جب سارے دوست اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو میں ابراہیم کے پاس آگیا لیکن اپنی ہی سوچ میں ڈوبے ابراہیم کو میرے آنے کا احساس بھی نہیں ہوا،

میں نے تعجب کے ساتھ دیکھا کہ وہ تھوڑی تھوڑی دیر میں اپنے چہرے اور اپنی آنکھ کی پلکوں پر سوئی چبھو رہا ہے۔ یکدفعہ میں نے حیرت سے پوچھا:

یہ کیا کر رہے ہو ابراہیم بھائی!؟

اب جا کر اسے میری موجودگی کا احساس ہوا اور وہ گھبرا سا گیا، اور اپنی اس مگن سے خارج ہوتے ہوئے اس نے ٹھہر کر کہا:

کچھ نہیں، کچھ نہیں، کوئی بات نہیں!

میں نے کہا: نہیں ابراہیم کی قسم، میں نہیں مانوں گا، تمہیں بتانا پڑے گا کہ تم اپنے چہرے پر کیوں سوئی چبھو رہے تھے۔

وہ تھوڑی دیر رُکا اور پھر ایک غمگیں انسان کی طرح بڑے سکون سے کہا:

نامحرم پر پڑنے والی آنکھوں کی یہی سزا ہے۔

اس وقت یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ابراہیم یہ کیا کر رہا ہے اور اس کی بات کے کیا معنی ہیں؛

لیکن بعد میں جب میں عظیم انسانوں کی زندگی کی تاریخ پڑھ رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ یہ لوگ گناہ سے آلودہ ہونے سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو سزائیں دیتے تھے۔

اس کی شخصیت کی ایک برجستہ صفات میں سے ایک یہ تھی کہ وہ نامحرم سے دور رہتا تھا۔ اگر وہ کسی نامحرم عورت، چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، کے ساتھ بات کرنا چاہتا تھا تو اپنا سر ہرگز اوپر نہیں کرتا تھا؛

اس کے دوستوں کے بقول:

ابراہیم کونامحرم عورتوں کے ساتھ الرجی تھی!

امام محمد باقر علیہ السلام کی یہ حدیث کتنی حسین ہے کہ:

"نامحرم عورتوں کے ساتھ بات کرنا شیطان کے تیروں میں سے ایک ہے۔"

***

ابراہیم بہت دعوتیں کرتا اور اس کو کافی زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ وہ دوستوں کو اپنے گھر بلاتا اور کھانا کھلاتا تھا۔ زخمی ہونے کے دوران جب وہ گھر میں بستر پر پڑا ہوا تھا تو ہر روز چند لوگوں کے لئے کھانا تیار رکھواتا اور جو لوگ اس کی عیادت کے لئے آجاتے انہیں دستر خوان پر بٹھاتا اور کھانا کھلاتا تھا۔

اس طرح اسے کافی سکون محسوس ہوتا تھا، کہتا تھا:

ہم صرف وسیلہ ہیں، یہ آپ لوگوں کا رزق ہے۔ مومنین کا رزق بابرکت ہے وغیرہ وغیرہ۔

مذہبی جلسوں اور انجمنوں میں بھی یہی حالت تھی، جب وہ دیکھتا کہ صاحب مجلس عزاداروں کو کھانا نہیں کھلا سکتا ہے تو بغیر کسی بات کے سارے عزاداروں کے لئے کھانا تیار کر لیتا تھا۔

کہتا تھا: مجلس امام حسینؑ ہر طرح مکمل ہونی چاہیئے۔

شب جمعہ کو بسیجی پروگرام کے بعد جوانوں کے لئے کھانا فراہم کرتا اور پھر کھانے کے بعد ہم لوگ ایک ساتھ حضرت عبدالعظیم حسنی یا بہشت زہراء کی زیارت کو چلے جاتے تھے۔ بسیجی جوان اور انجمن کے لوگ کبھی بھی اس دور کو نہیں بھول سکتے، اگرچہ یہ یادگار اور حسین دور زیادہ طولانی بھی نہ تھا۔

میں نے ایک بار ابراہیم سے کہا:

بھائی! تم اتنے سارے پیسے کہاں سے لاتے ہو؟ایجوکیشنل بورڈ سے تو تمہیں صرف دو ہزار تومان تنخواہ ملتی ہے لیکن تم دوسروں پر اس کا کئی گنا خرچ کرتے ہو؟!

اس نے میرے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا:

روزی دینے والا خدا ہے، میں تو صرف اس کے درمیان ایک وسیلہ ہوں!

میں نے خدا سے یہ دعاء کی ہے کہ میری جیب کبھی خالی نہ رہے۔

خدا بھی میرے لئے ایسی ایسی جگہوں سے اسبابِ خیر فراہم کرتا ہے کہ جہاں تک میرا طائر تصور بھی نہیں جا سکتا!

***

عوام کی حاجات اور خدا کی نعمت

(شہید کے بعض دوست)

میں اور ابراہیم بائیک پر سوار ہو کر کافی دور سے اپنے گھر کی طرف آرہے تھے، ایک جگہ سڑک کے کنارے ایک بوڑھا آدمی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کھڑا تھا، اس نے ہمیں ہاتھ سے اشارہ کیا اور میں رُک گیا۔ وہ ایک جگہ کا ایڈریس پوچھ رہا تھا، جواب سننے کے بعد اس نے اپنی مشکلات بیان کرنا شروع کردیں۔ ظاہری حُلیے سے وہ نشیلا یا بھکاری نہیں لگتا تھا، ابراہیم نیچے اُترا اور اپنے پینٹ کی جیب میں پیسے دیکھنے لگا لیکن اسے کچھ نہ ملا۔

مجھ سے کہا:

امیر! تمہارے پاس کوئی پیسہ ہے؟!

میں بھی اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا لیکن اتفاقاً مجھے بھی کچھ نہ ملا۔

ابراہیم نے کہا: خدا کے لئے دوبارہ دیکھو، میں نے دوبارہ دیکھا لیکن میرے پاس ایک بھی پیسہ نہ تھا۔

ہم لوگوں نے اس بوڑھے آدمی سے عذر خواہی کی اور اپنا راستہ ہو لئے۔ راستے میں، میں نے بائیک کے سائیڈ شیشے سے ابراہیم کو دیکھا جس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ موسم اس قدر سرد نہ تھا کہ جس کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے، لہٰذا میں نے سڑک کے کنارے بائیک کھڑی کرلی اور تعجب سے پوچھنے لگا:

ابراہیم صاحب! تم رو رہے ہو؟

اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے کہا:

ہم لوگ ایک محتاج اور نیاز مند انسان کی مدد نہ کر سکے !

میں نے کہا: تو اس میں ہمارا کیا گناہ ہے، ہمارے پاس تو پیسہ ہی نہیں تھا۔

اس نے کہا: جانتا ہوں لیکن مجھے اس بیچارے پر کافی رحم آیا۔ ہمیں اس کی مدد کرنے کی توفیق نہیں ملی۔

میں تھوڑی دیر اپنی جگہ پر خاموش کھڑا رہا اور پھر دوبارہ ہم لوگ اپنا راستہ چل دئے، لیکن مجھے ابراہیم کی نیک نیتی اور صاف دلی پر رشک آیا۔

اس کے دوسرے دن جب میں ابراہیم سے ملا تو اس نے کہا:

آج کے بعد سے میں کبھی اپنے گھر سے پیسوں کے بغیر نہیں نکلوں گا تاکہ کل جیسا واقعہ دوبارہ پیش نہ آئے !

ابراہیم کا لوگوں کی مشکلات کی رسیدگی کرنے سے مجھے حضرت سید الشہداءؑ کی یہ حدیث یاد آئی جس میں وہ فرماتے ہیں:

"لوگوں کی تم سے حاجت مندی تم پر خدا کی نعمتوں میں سے ہے، اسے پورا کرنے میں کوتاہی مت کرو کہ یہ نعمت زوال پذیر اور ختم ہونے والی ہوتی ہے۔" [1]

* * *

ابراہیم کے زخمی دَور کے آخری ایام تھے، اس نے مجھے فون کیا اور سلام واحوال پُرسی کے بعد کہا: آج تمہیں گاڑی پر کوئی کام ہے ؟!

میں نے کہا: نہیں، گاڑی گھر کے سامنے ایسے ہی کھڑی ہے۔

اس کے بعد وہ آیا، گاڑی لے گیا اور کہا: سہ پہر کو واپس لوٹ آؤں گا !

سہ پہر کو جب وہ گاڑی واپس لے کر آیا تو میں نے پوچھا:

کہاں جانا تھا؟

1۔ بحار الانوار، جلد ۷۸، ص ۱۲۱

کہا: کہیں نہیں، کرائے کی سواریاں لے جارہا تھا۔

میں نے ہنستے ہوئے کہا: مذاق کررہے ہو؟!

کہا: نہیں تو! اس وقت بھی تمہیں اگر کوئی خاص کام نہیں ہے تو چلو میرے ساتھ آجاؤ!

جب میں گھر کے اندر جانے لگا تو کہا:

اگر تمہارے گھر میں بھی تیل اور چاول جیسی چیزیں ہیں اور تم لوگ اس کا استعمال بھی نہیں کرتے تو وہ بھی اپنے ساتھ لے کر آؤ!

میں اندر گیا اور تیل اور چاول لے کر آیا، پھر ہم ایک بڑی دکان پر گئے اور ابراہیم نے وہاں سے گوشت اور مرغا وغیرہ خریدا اور آکر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس نے دکاندار کو ٹوٹے پیسے دئے جس سے میں سمجھ گیا کہ یہ سب وہی کرائے کے پیسے ہیں۔ پھر ہم لوگ شہر کے جنوبی علاقہ میں گئے اور چند افراد کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں تو انہیں نہیں جانتا تھا۔ ابراہیم کچھ سامان ان کو دے کر کہتا:

ہم لوگ محاذ جنگ سے آرہے ہیں اور یہ سب آپ کا حصہ ہے!

ابراہیم اس طرح ان کے ساتھ بات کرتا تھا کہ وہ بالکل شرمندگی کا احساس نہ کریں، اپنا نام بھی انہیں نہیں بتاتا تھا۔

کافی دنوں بعد میں سمجھا کہ جہاں جہاں ہم لوگ گئے تھے، وہ چند مجاہدین کے گھر تھے، جن گھروں کا سرپرست محاذ جنگ پر گیا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے ابراہیم ان گھروں کی رسیدگی کرتا تھا۔

اس کے یہ کام مجھے امام صادق علیہ السلام کی اس حدیث شریف کی یاد دلاتے تھے کہ:

''کسی مسلمان کی حاجت نکالنے کے لئے کوشش کرنا، خانۂ خدا کے ستر بار طواف

کرنے سے بہتر ہے اور یہ چیز قیامت میں اس کے امان میں رہنے کا موجب بنے گا۔" [1]

یہ نورانی حدیث ابراہیم کی زندگی کے لئے مشعل راہ تھی اور وہ ہمیشہ لوگوں کی مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

* * *

یہ ہائی اسکول کا دَور تھا اور ابراہیم سہ پہر کو بازار میں کام کرنے جاتا تھا، خود اپنے لئے وہ پیسہ کما لیتا تھا۔ ایک دن اسے پتہ چلا کہ ایک پڑوسی شدید مالی مشکلات سے دوچار ہے، ان کا سرپرست مر گیا تھا اور اب ان کے اخراجات پورا کرنے والا کوئی نہ تھا۔

ابراہیم نے کسی سے کچھ نہ کہا۔ جب بھی وہ مہینے کی تنخواہ لے لیتا تو اس میں کا زیادہ تر حصہ انہی گھر والوں پر خرچ کر لیتا تھا اور جب بھی گھر میں زیادہ کھانا پکتا تو ان کے لئے بھی ضرور کھانا بھجواتا تھا۔ یہ ماجرا برسوں ابراہیم کی شہادت تک جاری تھا اور تقریباً اس کی ماں کے علاوہ کسی اور کو اس بات کی اطلاع نہ تھی۔

* * *

ایک آدمی ابراہیم کے پاس آیا جو پہلے کسی جگہ چپراسی تھا اور اب وہ نوکری سے نکال دیا گیا تھا، وہ مالی امداد کا خواہاں تھا۔ ابراہیم نے مالی امداد کے بجائے اپنے کچھ دوستوں کی طرف رجوع کر کے اس کے لئے ایک مناسب کام ڈھونڈ لیا۔ وہ لوگوں کی مشکلات حل کرنے کے لئے ہر ممکنہ کام انجام دیتا تھا، اگر کبھی خود نہیں کر سکتا تو اپنے دوستوں سے مدد کرنے کو کہتا تھا، لیکن اس کام میں وہ ایک خاص چیز کی رعایت کرتا تھا، وہ یہ کہ لوگوں کی مدد کر کے وہ بھکاریوں کا بازار گرم نہ کرنے پائے۔

ابراہیم ہمیشہ اپنے دوستوں سے کہتا:

اس سے پہلے کہ محتاج انسان اپنی عزت خطرے میں ڈال کر تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے، اس کی مشکل دور کر دیا کرو!

---

[1]۔ بحار الانوار، جلد ۷۴، ص ۳۱۸

وہ اپنے ہر اس دوست کی مدد کرتا جسے کوئی مشکل درپیش ہوتی یا مالی امداد کی ضرورت ہوتی تھی۔ یہ سب وہ خفیہ طور پر انجام دیتا قبل اس کے کہ مذکورہ شخص اپنی زبان کھولے ! پھر کہتا:

فی الحال مجھے ان پیسوں کی ضرورت نہیں ہے، یہ میں آپ کو قرض کے طور پر دے رہا ہوں، جب آپ کے پاس ہوں، تب واپس پلٹا دینا۔ یہ قرض الحسنہ کا پیسہ ہے۔

ابراہیم ان پیسوں کے مقابلے میں کچھ نہیں چاہتا تھا، اس طرح کے امداد میں وہ لوگوں کی عزت و آبرو کا زبردست خیال رکھتا تھا۔ ہمیشہ اس طرح کا سلوک کرتا کہ مدمقابل ذرہ برابر شرمندگی کا احساس نہ کرنے پائے !

* * *

علمائے دین اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ خود اپنی مشکلات دور کرنے کے لئے جہاں تک ہو سکے لوگوں کی مشکلات کو دور کرو ! اسی طرح وہ اس بات کی بھی تاکید کرتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے لوگوں کو کھانا کھلاؤ، اس طرح تمہاری بہت ساری مشکلات حل ہو جائیں گی۔

ماہ رمضان کے غروب کا وقت تھا اور ابراہیم ہمارے دروازے پر آیا اور سلام اور احوال پرسی کے بعد مجھ سے ایک پتیلی لے لی اور سری پائے کی ایک دکان میں داخل ہوا۔ میں بھی اس کے پاس گیا اور کہا:

ابراہیم صاحب ! آج اس سری پائے کی افطاری میں کتنا مزہ آئے گا !

اس نے کہا:

سچ میں بہت مزہ آئے گا لیکن یہ میرے لئے نہیں ہے۔

اس نے سری پائے کا ایک پورا پتیلا خریدا اور کچھ عدد سنگک کی روٹیاں [1] بھی لے لیں۔ جب وہ باہر آیا تو ایرج بھی اپنی بائیک پر آ پہونچا، ابراہیم اس کی بائیک پر بیٹھ گیا اور خدا حافظی کر کے چلا گیا۔

میں نے من ہی میں کہا کہ ضرور یہ چند دوست مل کر ایک ساتھ افطاری کرنا چاہتے ہیں، اور چونکہ انہوں نے مجھے دعوت نہیں دی تو میں کافی ناراض ہوا۔

دوسرے دن جب میں نے ایرج کو دیکھتے ہی پوچھا: کل تم لوگ کہاں گئے تھے؟!

اس نے کہا:

"چھل تن" پارک کے پیچھے ایک کوچے کے بالکل آخر میں ایک چھوٹا سا گھر تھا، ہم لوگوں نے وہ سری پائے کی پتیلی ان ہی کو دیدی! وہ پتیلی لینے چند بچے اور ایک بوڑھا شخص آیا جنہوں نے بہت بہت شکریہ ادا کیا؛ ابراہیم انہیں اچھی طرح جانتا تھا یہ گھر والے بہت زیادہ مستحق تھے اور اس کے بعد میں نے ابراہیم کو اس کے گھر پر چھوڑ دیا۔

* * *

ابراہیم کی شہادت کو چھبیس سال گذر چکے تھے۔ میں نے ابراہیم کو خواب میں دیکھا جو ایک فوجی گاڑی پر سوار ہو کر تہران آیا ہوا تھا۔ خوشی کے مارے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں! ابراہیم کا چہرہ کافی نورانی تھا، میں آگے بڑھا اور اس کے ساتھ گلے ملا۔ خوشی کے مارے میں چلا رہا تھا:

یہ دیکھو دوستو! ابراہیم صاحب واپس پلٹ آئے ہیں!

ابراہیم نے کہا:

آؤ گاڑی پر بیٹھ جاؤ، ہمیں بہت کام ہیں، ہم دونوں مل کر چند منزلوں والی ایک اونچی عمارت کے پاس گئے۔

---

1. تقریباً تین فٹ لمبی اور ایک فٹ چوڑی سائز کی روٹی جو سنگریزوں سے بنے بڑے تنور میں بنائی جاتی ہے۔

بلڈنگ کے مالک اور انجینئروں سبھی نے ابراہیم کے ساتھ سلام اور احوال پرسی کی، یہ سارے لوگ اسے خوب اچھی طرح پہچانتے تھے۔

ابراہیم نے بلڈنگ کے مالک کی طرح رُخ کر کے کہا:

میں آپ کے پاس یہ سید صاحب کی سفارش کرنے آیا ہوں۔اس بلڈنگ کا ایک فلیٹ ان کے نام کرادیں۔اس کے بعد ایک ایسے آدمی (سید) کی طرف اشارہ کیا جو ہم لوگوں سے کچھ دوری پر کھڑا تھا۔

بلڈنگ کے مالک نے کہا: ابراہیم صاحب ! اس شخص کے پاس نہ کوئی پیسہ ہے اور نہ ہی یہ بینک سے لون لے سکتا ہے، میں کیسے ایک فلیٹ اس کے نام کرواسکتا ہوں۔

میں نے بھی اس آدمی کی تائید کرتے ہوئے کہا: ہاں ابراہیم صاحب ! ان سب کاموں کا دور اب ختم ہو چکا ہے، اب تو سبھی لوگ صرف نوٹ اور پیسہ پہچانتے ہیں اور بس !

ابراہیم نے مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا:

میں تو صرف اس لئے واپس پلٹا ہوں تاکہ چند لوگوں کی مشکل حل کر سکوں، ورنہ مجھے یہاں پر کوئی کام نہیں ہے !

اس کے بعد وہ گاڑی کی طرف چل دیا اور میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا کہ اچانک میرے موبائل کی بل بجی اور میں نیند سے جاگ گیا !

***

خمس

(مصطفیٰ ہرندی)

مرحوم مولانا ہرندی ان علماء میں سے ایک تھے جن کے ساتھ ابراہیم کو خاص عقیدت تھی۔ یہ بزرگ عالم دین اوقات نماز کے علاوہ باقی وقت میں کپڑے بیچتا تھا۔

ستمبر ۱۹۸۲ء کی بات ہے کہ میں اور ابراہیم مذکورہ عالم دین کے پاس ان کی دکان پر گئے اور ابراہیم نے دو شرٹوں کے لئے ان سے کپڑا خریدا۔ ایک ہفتے کے بعد میں نے ابراہیم کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا اور پھر نماز کے بعد وہ مولانا کے پاس گیا۔ میں بھی ان کے پاس گیا تو دیکھا ابراہیم اپنے خمس کا حساب کر رہا ہے!

مجھے ہنسی آئی کہ ابراہیم تو اپنے لئے کچھ بھی نہیں بچاتا یہ تو سارا پیسہ دوسروں پر خرچ کرتا ہے، یہ کس طرح اپنے خمس کا حساب کرنا چاہتا ہے!

بہرحال مولانا نے حساب کیا اور کہا:

چار سو تومان تمہارے خمس کے بنتے ہیں۔ اور پھر کہا: چونکہ مجھے مراجع تقلید کی طرف سے یہ اجازت حاصل ہے اور تم کو بھی میں اچھی طرح پہچانتا ہوں، تو یہ پیسہ میں تجھے بخش دیتا ہوں! لیکن ابراہیم اس بات کی تاکید کرتا رہا کہ میں یہ دینی واجب ادا کرنا چاہتا ہوں، اور آخر کار وہ پیسے ادا کر دئے۔

ابراہیم کے اس کام سے مجھے امام صادق علیہ السلام کی یہ حدیث یاد آئی کہ:

"جو شخص خدا کے حق (جیسے خمس) کو ادا نہ کرے تو وہ اس کا ڈگنا، باطل کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔"[1]

نماز کے بعد ہم لوگ مولانا کی دکان پر گئے اور ابراہیم نے مولانا سے کہا:

پہلے کی طرح مجھے مزید دو شرٹوں کے لئے کپڑا چاہئے !

مولانا نے تعجب کے ساتھ دیکھتے ہوئے کہا:

بیٹے! تم نے تو ابھی کچھ ہی دن پہلے کپڑا لیا تھا، یہ سرکاری خزانے کا کپڑا ہے اور ہمیں ضرورت سے زیادہ کسی کو یہ کپڑا دینے کی اجازت نہیں ہے !

ابراہیم کچھ نہیں بولا۔ لیکن مجھے سارا قضیہ معلوم تھا، لہٰذا میں نے کہا:

مولانا صاحب! ابراہیم صاحب نے پہلی دو قمیض دوسروں کو بخش دی ہیں! پہلوان خانے کے بعض جوان ہاف آستین والی قمیض پہنتے ہیں یا بعض کی مالی حالت کچھ ٹھیک نہیں ہے، اسی وجہ سے ابراہیم اپنی قمیض انہیں بخش دیتا ہے !

مولانا صاحب بڑے تعجب سے میری باتیں سن رہے تھے۔ انہوں نے ابراہیم کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا:

اس بار میں خود تمہارے لئے کپڑا کاٹ رہا ہوں اور تمہیں یہ کسی دوسرے کو بخش دینے کا کوئی حق نہیں بنتا۔ اگر کسی کو ضرورت ہو گی تو اسے یہاں میرے پاس بھیج دینا!

* * *

1۔ آثار الصادقین، جلد ۵، صفحہ ۴۶۶

ہم تجھے چاہتے ہیں!

(جواد مجلسی)

نومبر ۱۹۸۲ء میں ہم ابراہیم کے ساتھ دوبارہ محاذ جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس بار ساری مجلسوں میں حضرت زہراؑ سے ابراہیم کے توسل کی بات چل رہی تھی، ہم جہاں جاتے، وہاں ابراہیم کی ہی بات تھی۔

بہت سے مجاہدین مختلف آپریشنوں میں اس کی داستانوں اور معرکہ آرائیوں کی باتیں کر رہے تھے اور یہ سب کامیابیاں حضرت زہراؑ سے توسل کرنے کے نتیجہ میں حاصل ہوئی تھیں۔

ہم لوگ ''سومار'' نامی علاقے میں گئے اور جس جس مورچے پر ہم پہونچتے تھے اس کے مجاہدین ابراہیم سے حضرت زہراؑ کے مصائب پڑھنے اور نوحہ خوانی کرنے کی گذارش کرتے تھے۔

رات کے وقت ابراہیم نے ایک بٹالین کے فوجی اور مجاہدین کے درمیان مرثیہ پڑھنا شروع کر دیا۔ دن بھر کی تھکن اور مجالس کے طولانی ہونے کی وجہ سے ابراہیم کا گلا بیٹھ گیا تھا اور آواز دب سی گئی تھی۔ مجلس ختم ہونے کے بعد ابراہیم کے بعض دوستوں نے مذاق میں اس کی آواز کی نقل اتارنا شروع کر دی۔ انہوں نے مذاق میں اسے کچھ ایسی باتیں کہہ دیں کہ وہ بہت ناراض ہو گیا۔

ابراہیم نے غصہ ہوتے ہوئے کہا:

میری تو کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن انہوں نے مجلس حضرت زہراؑ کو مذاق بنالیا ہے!

لہٰذا اب میں کبھی مرثیہ یا نوحہ خوانی نہیں کروں گا!

میں نے جتنا بھی کہا کہ دوستوں کی باتوں پر دھیان مت دو، ابراہیم صاحب!

تم اپنا کام کرو! لیکن میری بات کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔

رات دیر گئے ہم لوگ واپس ہیڈ کواٹر پر پلٹ گئے، یہاں پر اس نے دوبارہ قسم کھائی کہ اب میں دوبارہ کبھی نوحہ خوانی نہیں کروں گا!

رات کے ایک بجے میں تھک ہار کر سو گیا۔ اذان صبح سے پہلے مجھے یہ محسوس ہوا کہ کوئی میرے ہاتھ کو ہلا رہا ہے، بڑی سختی سے میں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو ابراہیم کے نورانی چہرے پر نظر پڑی جو میرے سرہانے کھڑا تھا۔ مجھے آواز دیتے ہوئے بولا:

چلو اٹھو، اذان کا وقت ہے!

میں بھی اٹھا لیکن من ہی میں کہا: اس بندۂ خدا کو شاید یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ تھکن کس چیز کا نام ہے؟! البتہ یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم تھی کہ وہ جب بھی سوئے، اذان صبح کے وقت ضرور اٹھتا ہے اور نماز میں مشغول ہو جاتا ہے۔

دوسرے جوانوں کو بھی ابراہیم نے جگا دیا اور پھر اذان کہی اور نماز جماعت برپا کی۔ نماز اور تسبیحات کے بعد ابراہیم نے دعاء پڑھنا شروع کر دی اور پھر حضرت زہراؑ کے مصائب اور مرثیے پڑھے!

ابراہیم کے خوبصورت اشعار نے سارے جوانوں کو رُلایا اور سب کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔ میں نے چونکہ رات میں ابراہیم کو کبھی مرثیہ نہ پڑھنے کی قسم کھاتے دیکھا تھا لہٰذا سب سے زیادہ حیران اور متعجب تھا، لیکن میں نے کچھ کہا نہیں!

ناشتہ کرنے کے بعد دوستوں کے ساتھ ہم لوگ سومار کی طرف چل دئے، پورے راستے بھر میں اس کے عجیب و غریب کاموں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

ابراہیم نے مجھے معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا:

شاید تم مجھ سے یہ پوچھنا چاہ رہے ہوگے کہ میں نے قسم کھانے کے بعد بھی کیوں مرثیہ ونوحہ پڑھا؟!

میں نے کہا: اور نہیں تو کیا؟ کل رات کو تو آپ قسم کھا رہے تھے کہ ...

میری بات کاٹتے ہوئے کہنے لگا:

ابھی جو کچھ میں تم سے کہوں گا جب تک میں زندہ ہوں تب تک کسی کو یہ بات نہ بتانا!

پھر کچھ دیر ٹھہر کر کہنے لگا:

کل رات مجھے نیند نہیں آرہی تھی لیکن ایک بار جونہی میری آنکھ لگ گئی تو میں نے وجود مقدس حضرت صدیقۂ طاہرہؑ کو تشریف لاتے دیکھا جو کہہ رہی تھیں:

"یہ مت کہو کہ نہیں پڑھوں گا، ہمیں تم سے محبت ہے اور ہم تم کو چاہتے ہیں، جب کوئی کہے پڑھو تو تم پڑھ لو!"

اس کے بعد وہ اتنا رویا کہ اب بات بھی کرنا اس کے لئے مشکل تھا۔ اس کے بعد ابراہیم نے اپنی ذاکری جاری رکھی۔

* * *

زین العابدینؑ فوجی آپریشن

(جواد مجلسی)

دسمبر ۱۹۸۲ء کے اوائل کے دن تھے۔ معمولاً ابراہیم جہاں بھی جاتا، اس کا زبردست استقبال ہوتا تھا۔ بہت سارے کمانڈروں نے ابراہیم کی شجاعت اور بہادری کی داستانیں سنی تھیں۔

ایک دن وہ ہمارے بٹالین کے پاس بھی آیا اور میں اس کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گیا، ہماری یہ گفتگو کچھ زیادہ ہی طولانی ہو گئی، اتنے میں سارے فوجی جوان روانہ ہونے کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ جب میں واپس آیا تو کمانڈر نے مجھ سے پوچھا:

ابھی تک کہاں تھے؟!

میں نے کہا: ایک دوست مجھ سے ملنے آیا تھا، اس کو مجھ سے کچھ کام تھا، اب وہ اپنی گاڑی سے واپس جا رہا ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو کہا: اس کا نام کیا ہے؟

میں نے کہا: ابراہیم ہادی!

اس نے فوراً تعجب سے پوچھا: یہ جو "ابراہیم صاحب" مشہور ہیں یہی ہیں؟

میں نے کہا: ہاں، یہی ہیں، کیوں کیا بات ہے؟

وہ ابھی بھی اس کی گاڑی کی طرف دیکھ رہا تھا، کہنے لگا: یہ تو جنگ کے قدیمی افراد میں سے ایک ہے، تمہارا دوست کب سے اور کیسے بنا؟! میں نے ذرا تکبّر بھرے لہجے میں کہا: یہی تو بات ہے، یہ ہمارے ہی محلے کا رہنے والا ہے۔

کچھ لمحوں کے بعد اس نے میری طرف پلٹ کر کہا:

ایک دن تم اسے یہاں پر لے آؤ! ہم اسے جوانوں کے درمیان تقریر کروائیں گے۔
میں نے بھی اپنی بڑھائی دکھاتے ہوئے کہا:
ویسے تو یہ کافی مصروف ہیں لیکن دیکھتا ہوں کیا ہوتا ہے!
دوسرے دن میں ابراہیم سے ملنے کے لئے ہیڈ کوارٹر پر چلا گیا۔ سلام اور احوال پرسی اور تھوڑی سی گفتگو کے بعد اس نے کہا:
ٹھہرو، میں تمہیں پہونچا کے آتا ہوں، مجھے تمہارے کمانڈر کے ساتھ بات بھی کرنی ہے!
پھر ہم لوگ ایک ٹایوٹا گاڑی میں ہمارے بٹالین کیمپ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک بڑا سا نالہ پڑتا تھا اور ہم لوگ جب بھی گاڑی سے وہاں سے گذرتے تو گاڑی اس میں ضرور پھنس جاتی تھی، لہٰذا میں نے ابراہیم سے کہا:
ابراہیم صاحب! ادھر دوسرے راستے سے چلئے، ادھر گاڑی پھنس جائے گی!
اس نے کہا: میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے، یہیں سے گذرتے ہیں۔
میں نے کہا: آپ کے آنے کی ضرورت بھی کیا ہے، یہیں تک جو آپ نے مجھے پہونچانے کی زحمت کی ہے، بہت بہت شکریہ! یہاں سے میں پیدل ہی چلا جاؤں گا۔
اس نے کہا:
بیٹھ جاؤ اپنی جگہ پر! مجھے تمہارے کمانڈر سے ملنا ہے۔ اور پھر وہ آگے بڑھ گیا۔
میں نے من ہی میں کہا:
یہ کیسے اتنے پانی سے گاڑی پار کرالے گا! میں نے اپنے ہی دل میں ہنستے ہوئے کہا: کتنا مزہ آئے گا جب اس کی گاڑی پھنس جائے گی! اس طرح اسے ہٹ دھرمی کی سزا مل جائے گی!

لیکن ابراہیم نے بلند آواز سے اللہ اکبر اور ایک بسم اللہ کہا اور فسٹ گیر پر گاڑی آگے بڑھانا شروع کر دی۔

گاڑی پھنسے بغیر ہم لوگ نالے کے دوسری طرف پہونچ گئے، تو ابراہیم نے کہا:

ہمیں ابھی اللہ اکبر کی طاقت اور قدرت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے لیکن اگر جان جائیں گے تو ہماری بہت ساری مشکلیں حل ہو جائیں گی۔

* * *

ایک نئے فوجی آپریشن کے لئے ہمارا بٹالین پوری طرح تیار ہو چکا تھا اور اب سومار کی طرف ہم نکلنے کے لئے تیار تھے۔ میں سہ راہے پر کھڑا ابراہیم کا منتظر تھا کیونکہ اس نے غروب آفتاب سے پہلے پہلے میرے پاس ضرور آنے کو کہا تھا۔ اب ہمارا بٹالین آہستہ آہستہ نکل رہا تھا اور میں اس کچے روڈ کے آخر تک اپنی نظریں جمائے ہوئے تھا کہ اتنے میں ابراہیم کا خوبصورت چہرہ دور سے دکھائی دیا۔

عام طور پر وہ ہمیشہ کردی شلوار پہن کر اور بغیر اسلحے کے آتا تھا لیکن اس بار معمول کے برخلاف وہ ٹائیگر ڈیزائن فوجی لباس پہن کر، کلاشنکوف سمیت اور سر پر پٹی باندھے آرہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر کہا:

ابراہیم صاحب! آج تو آپ نے ہتھیار اٹھا لئے ہیں!

اس نے ہنستے ہوئے کہا:

کمانڈر کی اطاعت واجب ہے۔ چونکہ میرے کمانڈر نے مجھے حکم دیا لہٰذا مجھے اس طرح آنا پڑا۔

پھر میں نے کہا: ابراہیم صاحب! کیا آپ مجھے اپنے ساتھ آنے کی اجازت دیں گے؟

اس نے کہا: نہیں، تم اپنے دوستوں کے ساتھ چلے جاؤ! میں تم لوگوں کے پیچھے پیچھے ہوں، آگے جا کر ایک دوسرے سے ملیں گے!

چند ایک کلو میٹر کے بعد رات کے اندھیرے میں ہم لوگ دشمن کے ٹھکانے پر پہونچ گئے۔ میں آر، پی، جی (راکٹ لانچر) والا تھالہٰذا بٹالین کمانڈر کے ساتھ سب سے آگے چل رہا تھا۔ میری حالت خراب تھی، سکون واطمینان کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا، پورے علاقے پر عجب سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہم لوگ ایک نرم چڑھائی والے باریک نالے سے چوٹی کی طرف چڑھنے لگے۔ چوٹی پر سے عراقی مورچے اچھی طرح دِکھائی دے رہے تھے، مجھے چوٹی پر پہونچتے ہی ان پر حملہ کرنے کی ذمہ داری تھی۔

میں نے ایک لمحے کے لئے اپنے اطراف میں دیکھا تو پتہ چلا کہ اس چوٹی کے دامن میں دونوں طرف سے عراقی مورچے بنے ہوئے ہیں، عراقی فوج کو پتہ چل چکا تھا کہ ہم لوگ اس نالے سے گذریں گے۔ میں نے اپنا لعاب دہن نگلااور اس طرح چلنا شروع کیا کہ کوئی آواز نہ آنے پائے! باقی سارے لوگ بھی میری ہی طرح چل رہے تھے۔ ہماری سانسیں ہمارے سینوں میں بند ہو چکی تھیں۔

ابھی ہم لوگ چوٹی کے ٹاپ پر نہیں پہونچے تھے کہ روشنی کا گولہ داغا گیا جس سے چاروں طرف اجالا پھیل گیااور تینوں طرف سے ہم پر گولے باری ہونے لگی، ہم سبھی لوگ زمین کے ساتھ چپک گئے تھے، ہم دشمن کے ٹھیک نشانے پر تھے، جب جب کوئی ہینڈ گرینڈ یامارٹر گولہ ہماری طرف آتاتو زخمی جوانوں کی چیخیں بلند ہو جاتی تھیں۔

اس اندھیرے میں ہم لوگ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے، میں تو سوچتا تھا کاش زمین کھل جائے اور مجھے اپنے اندر چھپا دے! میں موت کو اپنی آنکھوں سے صاف دیکھ رہا تھا۔ ایسے میں سینے کے بل کوئی آگے کی طرف آرہا تھا جس نے میرا پیر پکڑا، میں نے سر کو تھوڑا اوپر کر کے پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھا تو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ ابراہیم کا نورانی چہرہ ہے!

اس نے مجھ سے کہا:

یہ تم ہو؟! اس کے بعد اس نے مجھ سے آر، پی، جی لے لی اور آگے کی طرف بڑھا۔ اس کے بعد اپنی جگہ پر کھڑا ہو کر زور سے چلایا:

امیر المومنینؑ کے شیعو! کھڑے ہو جاؤ! ہمارے سروں پر ہمارے مولاؑ کا ہاتھ ہے۔

اس کے بعد اس نے اللہ اکبر کی فریاد کے ساتھ راکٹ داغا۔ سب سے زیادہ فائر کرنے والا سامنے کا مورچہ تباہ ہو گیا۔

سارے جوانوں کی جان میں جان آگئی، میں بھی چلایا:

اللہ اکبر،

اور اسی کے ساتھ باقی سارے جوان بھی کھڑے ہو گئے اور فائرنگ شروع کر دی۔ یہ دیکھتے ہی تقریباً سارے عراقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ کچھ ہی لمحے بعد میں نے ابراہیم کو چوٹی کے ٹاپ پر کھڑے دیکھا!

عراقی فوج کی ایک اہم چوٹی پر قبضہ کرنے کا کام بہت جلد ختم ہو گیا، دشمن کے کچھ افراد اسیر بھی ہوئے۔ اس کے بعد باقی جوانوں نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ میں بھی اپنے کمانڈر کے ساتھ آگے بڑھا۔ راستے میں اس نے مجھ سے کہا:

اب میں سمجھا کہ فوجی کاروائیوں میں سبھی لوگ ابراہیم کے ساتھ کیوں رہنا چاہتے ہیں!! کتنا بہادر ہے یہ جوان!!!

* * *

آدھی رات کے وقت میں نے ایک بار پھر ابراہیم کو دیکھا، اس نے کہا:

مولاؑ کی عنایت کو دیکھا؟! صرف ایک اللہ اکبر کی ضرورت تھی تاکہ دشمن بھاگ کھڑا ہو!

ہمارے علاقے کا آپریشن ختم ہو گیا۔ سارے بٹالینوں کے جوان واپس پیچھے چلے گئے۔ لیکن بعض بٹالینوں نے اپنے زخمیوں اور شہیدوں کو وہیں پر چھوڑ دیا تھا۔ ابراہیم جب

ایک بٹالین کمانڈر کے ساتھ اس بارے میں بات کر رہا تھا تو زور زور سے چلا رہا تھا! وہ بہت زبردست غصہ تھا، آج تک میں نے اسے غصے کی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔

وہ کہہ رہا تھا:

جب تم لوگ واپس آرہے تھے تو تمہارے پاس افراد بھی تھے اور امکانات بھی! پھر بھی تم لوگوں نے اپنے زخمیوں اور شہیدوں کو وہیں پر کیوں چھوڑا؟ تم اپنے بٹالین کے جوانوں کا خیال کیوں نہیں رکھتے؟

اس نے پھر ایریا کمانڈر سے تائید حاصل کی جو اس کا دوست بھی تھا اور جواد افراسیابی اور چند دیگر دوستوں کے ساتھ مل کر دشمن کے علاقے کے اندر تک گُھسے اور چند راتوں میں متعدد شہیدوں کے جنازوں اور زخمیوں کو واپس لے کر آئے۔

خطے کی حساسیت کے پیش نظر، دشمن، پاکسازی (جنگ کے بعد کی صفائی) انجام نہیں دے پایا تھا۔

ابراہیم اور جواد ۱۱ دسمبر ۱۹۸۲ء تک اٹھارہ زخمیوں اور نو شہیدوں کو دشمن کے علاقے سے باہر لانے میں کامیاب ہوگئے! یہاں تک کہ ایک شہید کو یہ لوگ دشمن کے مورچے سے صرف دس میٹر کے فاصلے پر سے اپنی مخصوص ٹیکنیک سے واپس لا سکے تھے!!

اس آپریشن کے بعد ابراہیم تھوڑا بیمار ہو گیا اور ہم دونوں لوگ ایک ساتھ تہران واپس آ گئے۔ وہ چند ہفتے تک تہران ہی میں رہا اور اس دوران اس نے اپنی مذہبی اور ثقافتی سر گرمیاں جاری رکھیں۔

***

آخری ایام

(علی صادقی، علی مقدم)

دسمبر ۱۹۸۲ء کے آخری ایام میں ہم ابراہیم کے ساتھ تہران واپس آگئے۔ تھکاوٹ کے باوجود وہ بہت خوش تھا، کہتا تھا:

دشمن کے علاقے میں اب کوئی زخمی یا شہید نہیں رہ گیا ہے، جتنے تھے سب کو ہم واپس لے آئے۔ پھر کہا:

آج ہم نے انتظار میں بیٹھی کتنی آنکھوں کو خوش کر دیا ہے۔ ان شہیدوں کی قبروں پر جب ان کی ماں جائے گی تو اس کا ثواب ہمیں بھی مل جائے گا!

میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً کہا:

ابراہیم صاحب! پھر تم اپنی گمنامی کے لئے اتنی دعاء کیوں کرتے ہو؟!

اسے اس طرح کے سوال کی توقع نہ تھی، تھوڑی سی خاموشی کے بعد کہا:

میں نے اپنی ماں کو اس بات پر تیار کر دیا ہے، میں نے کہہ دیا کہ وہ میرا انتظار نہ کرے، یہاں تک کہ میں نے اسے کہا ہے کہ وہ میری گمنامی کے لئے دعاء بھی کرے!

لیکن میں جو چاہ رہا تھا، اس نے وہ جواب نہیں دیا۔

ابراہیم کے ساتھ ہم بھی چند ہفتے تک تہران ہی میں رہے۔ فوجی کاروائی اور ابراہیم کی بیماری کے بعد ہر شب، جوان لوگ اس کے پاس آتے تھے، جہاں ابراہیم ہوتا تھا وہ جگہ انجمن کے جوانوں اور مجاہدین سے بھری رہتی تھی۔

* * *

جنوری ۱۹۸۳ء کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ اب ابراہیم کا موڈ پہلے کے مقابلے میں کافی بدلا بدلا سا لگتا تھا۔ اب وہ اس طرح کی عام پسند باتیں اور ہنسی مذاق بہت کم کرتا تھا۔ اکثر دوست اسے اب "شیخ ابراہیم" کہتے تھے۔ ابراہیم نے اپنی داڑھی چھوٹی کر دی تھی لیکن پھر بھی اس کے چہرے کی نورانیت میں ذرہ برابر کمی نہیں آئی تھی۔

شہادت کی آرزو، جو سب مجاہدوں کی تمنا تھی، ابراہیم کیلئے ایک الگ حالت تھی۔

ہم لوگ رات کی تاریکی میں ٹہل رہے تھے تو میں نے پوچھا:

آپ کی آرزو شہادت ہے، صحیح کہہ رہا ہوں؟!

وہ ہنسا اور کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد کہنے لگا:

شہادت میری آرزو کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے! میں چاہتا ہوں کہ میری کوئی نشانی باقی نہ رہے، میں اپنے بے کفن مولا حسینؑ کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہونا چاہتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرا جنازہ واپس آجائے! میں گمنام رہنا چاہتا ہوں!

اس کی اس بات کی وجہ پہلے ہی میں اس سے سُن چکا تھا، اس نے کہا تھا:

کیونکہ مادر سادات حضرت زہراؑ کی قبر نہیں ہے لہٰذا میں بھی قبر نہیں چاہتا!

پھر ہم لوگ پہلوان خانے گئے اور اس نے سارے جوانوں کو دن کے کھانے کی دعوت دی! دوسرے دن ظہر کے وقت ہم لوگ ان کے گھر گئے اور نماز جماعت قائم ہوئی، پیش نمازی کے لئے ہم نے ابراہیم ہی کو آگے بھیجا، نماز میں اس کی عجیب حالت تھی، جیسے کہ وہ اس دنیا میں ہو ہی نا، وہ اپنے پورے وجود سے ملکوت کی سیر کر رہا تھا۔

نماز کے بعد اس نے اپنی خوبصورت آواز میں دعائے فرج پڑھی۔ ایک دوست نے پلٹ کر مجھ سے کہا:

بھائی، ابراہیم کی حالت کچھ عجیب سی لگ رہی ہے، آج تک میں نے اسے اس طرح نماز میں آنسو بہاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا!

انجمن میں ابراہیم ہمیشہ حضرت زہراؑ سے توسل کرتا اور پھر کہتا تھا:

ان تمام گمنام شہیدوں کی یاد میں کہ جن کی مادر سادات حضرت صدیقہ طاہرہؑ کی طرح نہ قبر ہے اور نہ کوئی نشانی!

وہ ہمیشہ انجمن میں محاذ جنگ اور مجاہدین کا ذکر ضرور کرتا تھا!

* * *

فروری ۱۹۸۳ء کے اوائل کے دن تھے، رات کے نو بجے کوچے میں کوئی آواز دے رہا تھا:

حاجی علی، کیا تم گھر پر ہو؟!

میں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو ابراہیم اور علی نصراللہ کوچے میں موٹر سائیکل پر کھڑے تھے۔

میں دروازے پر آیا اور پہلے ابراہیم اور پھر علی کے ساتھ گلے ملا۔ ہم گھر میں داخل ہوئے، باہر کافی ٹھنڈ تھی، میں گھر پر اکیلا تھا، میں نے کہا:

کھانا کھایا؟

ابراہیم نے کہا: نہیں، تم تکلیف مت کرو!

میں نے کہا: نہیں تکلیف کی کیا بات ہے۔

پھر میں نے انڈے بنائے اور اس طرح ہم نے مختصر سا کھانا کھایا۔ پھر میں نے کہا: آج میری بیوی بچے یہاں نہیں ہیں، اگر کوئی خاص کام نہ ہو تو یہیں پر رُک جاؤ! تخت بھی گرم ہے[1]!

اور ابراہیم بھی مان گیا۔

1۔ گرم تخت: تخت جیسی چوکی جس کو ہر طرف سے بڑے لحافوں اور کمبلوں سے دھانپ دیا جاتا ہے اور اس کے نیچے آگ کے انگارے رکھے جاتے ہیں تاکہ سردی کے موسم میں خود کو گرم رکھ سکیں۔ ایک طرح کی بخاری۔

میں نے ہنستے ہوئے کہا:

بھائی ابراہیم، اتنی شدید ٹھنڈک میں بھی تم کردی شلوار پہن کر چلتے ہو؟[1] تجھے سردی نہیں لگتی؟!

اس نے بھی ہنستے ہوئے کہا:

نہیں بھائی، میں نے بھی اس کے نیچے تین اور شلوار پہن رکھے ہیں! اس کے بعد اس نے تین شلوار اُتارے اور گرم تخت کے نیچے جا کر لیٹ گیا۔ میں بھی علی کے ساتھ بات کرنے لگا۔

مجھے نہیں معلوم کہ ابراہیم سو چکا تھا کہ نہیں لیکن اچانک وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا:

حاجی علی! تمہیں میری قسم، صاف صاف کہنا! تم میرے چہرے پر شہادت کے آثار دیکھتے ہو کہ نہیں؟

مجھے اس کے اس طرح کے سوال کی توقع نہیں تھی، کچھ دیر تک ابراہیم کے چہرے کو تکتے ہوئے بڑے اطمینان سے میں نے کہا: بعض دوستوں پر شہادت کے وقت عجیب حالت طاری ہوتی ہے، لیکن ابراہیم صاحب! تمہاری تو ہمیشہ یہی حالت رہتی ہے!

پورے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ ابراہیم نے کھڑے ہو کر علی سے کہا:

چلو اٹھو، ہمیں فوراً نکلنا ہے۔

میں نے تعجب کے ساتھ کہا: کہاں جانا ہے ابراہیم صاحب!

کہا: ہمیں فوراً مسجد جانا ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے شلوار پہن لئے اور چل دیا۔

* * *

1. کردی شلوار ایک لمبا چوڑا سا شلوار ہوتا ہے جس میں انسان بڑی راحت محسوس کرتا ہے۔

فکّہ، آخری وعدہ گاہ

علی نصر اللہ

آدھی رات کو ہم لوگ مسجد چلے آئے اور یہاں اس نے سارے دوستوں سے خدا حافظی کرلی اور پھر اپنے گھر چلا گیا اور اپنی ماں سے بھی خدا حافظی کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس کے لئے دعاء کرے۔

صبح ہوتے ہی ہم لوگ محاذ جنگ کی طرف روانہ ہوگئے، پورے راستے بھر وہ بہت کم بول رہا تھا اور زیادہ تر قرآن اور ذکر الٰہی میں مشغول تھا۔ اب ہم شمالی فکّہ کے فوجی کیمپ میں پہونچے جہاں مختلف بٹالین، فوجی مشقوں میں مشغول تھے۔ ابراہیم کی واپسی کی خبر سن کر سارے جوان خوش ہوگئے۔ سارے جوان ایک ایک کرکے اسے دیکھنے کے لئے آرہے تھے اور ایک لمحے کے لئے بھی ہمارا خیمہ بھیڑ سے خالی نہ تھا۔

حاجی حسین بھی آگئے اور ابراہیم کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ سلام اور احوال پرسی کے بعد ابراہیم نے پوچھا:

حاجی حسین! یہاں تو سارے مجاہدین مصروف ہیں، کیا کوئی تازہ خبر ہے؟

حاجی نے کہا:

کل ہم لوگ فوجی کاروائی کے لئے روانہ ہورہے ہیں، اگر آپ ہمارے ساتھ آئیں گے تو ہم بہت خوش ہوں گے۔ اس کے بعد حاجی نے مزید کہا:

نئے آپریشن کے لئے ہمیں انٹلی جنس کے جوانوں کو مختلف بٹالینوں میں بانٹنا ہوگا۔ ہر بٹالین کے پاس ایک دو انٹلی جنس اور آپریشن کمانڈر ضرور ہونے چاہئیں!

اس کے بعد پوری لیسٹ ابراہیم کے سامنے رکھ کر کہا: ان دوستوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ابراہیم نے پہلے لسٹ دیکھی اور پھر ایک ایک کر کے سبھی کے بارے میں اپنی تجاویز بیان کر دیں۔

پھر ابراہیم نے پوچھا:

اچھا حاجی! اس وقت فوج اور جوانوں کی پوزیشن اور کیفیت کیسی ہے؟

حاجی نے کہا: ہم نے اپنی فوجوں کو چند ایک کور (core) میں بانٹ دیا ہے اور ہر تین ڈیوژن ایک "کور" تشکیل دیتی ہیں۔

حاجی ہمت " کور 11 قدر" کے کمانڈر قرار پائے۔ "حضرت رسولؐ" ڈیوژن بھی اسی کور کے تحت کاروائی کرے گی۔ "11 قدر" کی انٹلی جنس کا کام بھی ہمارے سپرد کر دیا گیا ہے۔

اسی دن سہ پہر کو ابراہیم نے مہندی لگائی، اپنے سر کے بال چھوٹے کئے اور اپنی داڑھی بھی بنوائی۔ اس کا خوبصورت چہرہ اور بھی زیادہ ملکوتی بن گیا۔

غروب کے وقت ہم لوگ اس علاقے کی ایک نگہبانی پر گئے اور ابراہیم نے مخصوص فوجی دوربین کے ذریعہ فوجی آپریشن کے علاقہ کا معاینہ کیا اور کاغذ پر کچھ چیزیں بھی لکھیں۔

کچھ اور بھی جوان لوگ نگہبانی پر آئے ہوئے تھے اور مسلسل کہہ رہے تھے:

جناب جلدی کیجئے! ہمیں بھی دیکھنا ہے!

ابراہیم غصہ ہو کر چلایا: یہاں پر کیا سینما ہے؟! ہمیں کل کے لئے کوئی راہ حل نکالنا ہے، ہمیں فوج کے گذرنے کا راستہ دیکھنا ہے!

پھر غصہ میں وہاں سے نکل پڑا اور کہنے لگا:

میرا دل بہت گھبرا رہا ہے ! میں نے کہا: کوئی بات نہیں، پریشان مت ہو !

ہم کور 11 قدر کے ایک کمانڈر کے پاس گئے اور ابراہیم نے اس سے کہا:

حاجی ! اس علاقے کی حالت کچھ عجیب سی لگتی ہے ! اس پورے علاقے کی مٹی نرم اور ریتیلی ہے ! اس بیابان میں فوجوں کا آنا جانا بہت مشکل ہے، عراق نے بھی ادھر سے اتنی ساری رکاوٹیں کھڑی کر رکھی ہیں۔ آپ کی نظر میں کیا یہ آپریشن کامیاب ہو سکتا ہے ؟!

کمانڈر نے بھی کہا:

ابراہیم صاحب ! یہ ہائی کمان کا دستور ہے۔ حضرت امام خمینی کے بقول:

''ہمیں بس اپنی ذمہ داری نبھانی ہے پر نتیجہ کیا ہو، وہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔''

***

دوسرے دن سہ پہر کو سارے بٹالین تیار تھے۔ ''حضرت رسولؐ ۲۷ '' ڈیوژن کے گیارہ بٹالینوں نے اپنے آخری جنگی ہتھیار دریافت کر لئے اور سبھی لوگ فکہ کی طرف روانہ ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔

میں نے دور سے ابراہیم کو دیکھا تو اس کا چہرہ دیکھ کر میرا دل کانپ گیا، اس کا خوبصورت چہرہ اور بھی زیادہ ملکوتی بن چکا تھا، اس کا چہرہ عام دنوں کے مقابلے میں کافی زیادہ نورانی تھا، ایک عربی مفلر اپنے شانوں پر ڈالے ہوئے اور ایک خوبصورت سا اُوور کوٹ پہن کر ہماری طرف آرہا تھا۔ اس نے سبھی دوستوں سے ہاتھ ملایا اور پھر میں اسے ایک الگ جگہ پر لے گیا اور کہا:

بھائی ابراہیم ! آج تم کافی نورانی ہو گئے ہو !

اس نے ایک لمبی سانس لیتے ہوئے حسرت بھرے لہجے میں کہا:

جب ڈاکٹر بہشتی شہید ہوئے تو میں کافی غمگیں تھا لیکن من ہی میں کہا کہ کتنا خوش قسمت ہے یہ جو شہید ہو کر چلا گیا۔ افسوس کی بات تو تب تھی جب یہ طبیعی طور پر مرتے !

اصغر وصالی، علی قربانی، قاسم تشکری اور بہت سارے ہمارے دوست بھی چلے گئے، اب تو تہران سے زیادہ بہشت زہراء میں ہمارے دوست رہتے ہیں۔

پھر تھوڑا ٹھہر کر کہا:

جب خرّم شہر آزاد ہو جائے تو مجھے ڈر ہے کہ جنگ کہیں تمام نہ ہو اور میں شہادت سے ہاتھ دھو بیٹھوں! اگرچہ ہم خدا پر ہی توکل کرتے ہیں!

پھر ایک لمبی سانس لیتے ہوئے کہا:

شہید ہونے کا تو بہت شوق ہے لیکن میں نہایت خوبصورت شہادت کا خواہاں ہوں!

میں نے تعجب سے اس کو دیکھا تو اس کی آنکھ سے آنسوؤں کے قطرے جاری تھے۔

پھر مزید کہا:

اگر تم کسی ایسی جگہ رہو کہ کوئی تم تک نہ پہونچ سکے، کوئی تمہیں پہچانتا نہ ہو، صرف تم ہو اور تمہارے مولا ہوں! اور مولا بھی آکر تمہارا سر اپنے دامن میں رکھ لیں تو یہ سب سے بڑی خوبصورت شہادت ہو گی۔

میں نے کہا: بھائی ابراہیم! خدارا تم ایسی بات مت کرو۔

پھر ہم نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے کہا: چلو کمانڈر لوگوں کے ساتھ آگے آگے چلتے ہیں، یہ زیادہ بہتر رہے گا، اگر انہیں کسی جگہ ضرورت پڑی تو تم مدد بھی کر سکتے ہو!

اس نے کہا: نہیں، میں بسیجیوں کے ساتھ چلنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد ہم لوگ چل کر ہرَاوَل دستوں[1] کے پاس آگئے، یہ لوگ اپنی آخری جنگی تیاری میں مصروف تھے۔

میں نے کہا: ابراہیم بھائی، آپ کے لئے ہتھیار کیا کیا لے لوں!؟

---

[1]- ہراول دستے: فوج کے آگے آگے چلنے والے خودکش فوجی جوان جو دشمن پر حملہ کر کے اس کی صفوں کو توڑ کر افرا تفری پھیلا دیتے ہیں اور اپنے بعد والی فوج کے لئے راستہ ہموار کرتے ہیں، معمولاً ان دستوں کے اکثر افراد زندہ نہیں بچ پاتے۔

اس نے کہا: صرف دو ہینڈ گرینڈ! بندوق کی ضرورت پڑی تو عراقیوں سے لے لیں گے!

حاجی حسین دور سے ابراہیم پر نظریں جمائے ہوئے تھا، ہم لوگ اس کی طرف گئے تو حاجی ابھی بھی ابراہیم کے چہرے میں ہی گم تھا۔ اس نے بے اختیار ہو کر ابراہیم کو گلے لگایا اور کچھ دیر تک یہ لوگ اسی حالت میں تھے، جیسے انہیں معلوم تھا کہ یہ ان کی آخری ملاقات ہے۔ اس کے بعد ابراہیم نے اپنی گھڑی اُتار کر کہا:

حسین! یہ تمہارے لئے میری نشانی ہے!

حاجی حسین کی آنکھیں آنسوؤں سے پُر تھیں، اس نے کہا:

نہیں ابراہیم صاحب! خود ہی رکھ لو، شاید تمہیں اس کی ضرورت پڑ جائے!

ابراہیم نے بڑے اطمینان سے کہا: نہیں مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حاجی بھی کافی متأثر ہو چکے تھے، انہوں نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے کہا:

ابراہیم صاحب! ہمارے پاس گذرنے کے لئے دو راستے ہیں، سارے فوجی جوان پہلے راستے سے عبور کریں گے اور میں کچھ کمانڈروں اور انٹلی جنس کے افراد کے ساتھ دوسرے راستے سے نکلوں گا اور تم بھی ہمارے ساتھ آجاؤ!

ابراہیم نے کہا: اگر کوئی مشکل نہ ہو تو میں بسیجی جوانوں کے ساتھ پہلے راستے سے ہی نکلوں گا!؟

حاجی نے بھی کہا: نہیں جیسے آپ کی مرضی!

ابراہیم اپنے آخری مادّی تعلقات (گھڑی) سے بھی الگ ہو گیا اور پھر آپریشن کے ہراول دستوں کے جوانوں کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

* * *

" والفجر" تمہیدی آپریشن

(علی نصراللہ)

" کمیل "اور "حنظلہ "نامی بٹالین جنوبی فکہ کے ہراول دستے تھے۔ لشکر کا ایک کمانڈر آیا اور اس طرح اپنی تقریر شروع کردی:

" بھائیو! آج رات کو ہم لوگ "والفجر" نامی آپریشن کے لئے فکّہ کی طرف روانہ ہوں گے۔ دشمن نے سرحدی لائن کے پاس میں تین بڑے بڑے نالے کھود رکھے ہیں تاکہ تم لوگ وہاں سے گذر نہ سکو!

اسی طرح انہوں نے تمہاری پیش قدمی کو روکنے کے لئے اور بھی کئی طرح کی رکاوٹیں کھڑی کر رکھی ہیں، لیکن انشاء اللہ ان رکاوٹوں اور نالوں کو پار کرنے کے بعد آپریشن شروع ہو جائے گا!

تم لوگ طاووسیہ اور رُشیدیہ سرحدی چیک پوسٹوں پر مورچہ سنبھالوگے اور اس طرح اس آپریشن کا پہلا مرحلہ اپنے اختتام کو پہونچے گا۔

اس کے بعد لشکر سید الشہداء کے تازہ دم جوان تمہارے پاس سے گذریں گے اور آپریشن کے باقی مراحل کے لئے عراق کے شہر "العمارہ" کی طرف پیش قدمی کریں گے اور انشاءاللہ اس آپریشن میں تمہیں کامیابی ملے گی!

اس کے بعد اس نے طریق کار، رکاوٹوں اور عبوری راستوں کے بارے میں تفصیلات بتاتے ہوئے کہا:

تمہارا راستہ بارودی سرنگوں کے میدان سے گذرنے والا ایک باریک راستہ ہو گا۔ انشاء اللہ تم ہراول دستے کے سبھی چھ سو فوجی جوان جنوبی فکہ کے طے شدہ اہداف کو حاصل کر لو گے !''

اس کی تقریر ختم ہو گئی اور ابراہیم نے مرثیہ خوانی شروع کر دی، لیکن ہمیشہ کی طرح نہیں، بلکہ وہ کافی مظلومیت میں مصائب پڑھ رہا تھا اور خود زار زار رو رہا تھا۔

اس نے حضرت زینبؑ کے مصائب سے شروع کیا اور پھر سینہ زنی اور نوحہ خوانی شروع کر دی۔

یہ شعر میں نے زندگی میں پہلی بار سنا تھا۔

امان از دل زینب...، چہ خون شد دل زینب...

کیا حالت ہوئی ہے زینب کے دل کی، جو اس کا دل مصیبت کے مارے خون ہوا ہے،
سارے جوان سینہ زنی کر رہے تھے۔

اس کے بعد اس نے حضرت زینبؑ کی اسیری اور شہدائے کربلا کے مصائب پڑھے اور آخر میں کہا:

دوستو! آج رات یا تو اپنے یار کے دیدار کو جاؤ گے یا عمۂ سادات حضرت زینبؑ کی طرح اسیری کو برداشت کرو گے اور بہادروں کی طرح ڈٹے رہو گے۔[1]

ابراہیم کی حیرت انگیز مرثیہ خوانی کے بعد سارے جوان اپنے اشک آلود چہروں سے اٹھے اور پھر ہم نے نماز مغرب وعشاء پڑھی۔

جب سے ابراہیم واپس آیا تھا، میں سائے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا اور ایک لمحے کے لئے بھی اس سے الگ نہیں ہوتا تھا۔

1۔ کتنی عجیب بات تھی! کمیل اور حنظلہ بٹالین کے تقریباً سارے فوجی جوان جن کے لئے ابراہیم نے مرثیہ پڑھا تھا، یا شہید ہو گئے یا اسیر!

ابراہیم اور میں نے ایک بھاری عارضی متحرک پل اپنے ساتھ اٹھایا اور جوانوں کے ساتھ ساتھ چل دئے۔

فکہ کی ریتلی مٹی پر چلنا کافی دشوار تھا اور وہ بھی اس وقت جب ہر شخص بیس کلو سے زیادہ کا اضافی وزن اپنے ساتھ اٹھائے ہوئے تھا اور اس کے علاوہ ہم لوگ تابوت جیسا ایک بھاری پل بھی اپنے ساتھ اٹھائے ہوئے تھے۔

ہم سبھی لوگ ایک لائن بنا کر ایک دوسرے کے پیچھے بارودی سرنگوں کے میدان میں معین شدہ باریک راستے سے گذر رہے تھے۔

تقریباً بارہ کلو میٹر پیدل چلنے کے بعد ہم لوگ فکہ کے جنوب میں واقع پہلے نالے کے پاس پہونچ گئے۔

اب جوانوں میں مزید چلنے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔

۷ فروری ۱۹۸۳ء کو شام کے ساڑھے نو بج رہے تھے۔ نالے پر عارضی متحرک پل اور سیڑھیاں لگا کر ہم لوگ اس پر چلے گئے۔

پورے علاقے پر عجیب قسم کا سناٹا چھایا ہوا تھا، عراقی فوجی تو ایک بھی گولی نہیں چلا رہے تھے۔

پندرہ منٹ بعد ہم لوگ دوسری کھائی پر پہونچ گئے اور اسے بھی پار کر لیا۔

وائرلیس کے ذریعہ ہائی کمان کو اس بات کی اطلاع دے دی گئی اور کچھ ہی منٹ بعد ہم لوگ تیسری کھائی پر بھی پہونچ گئے؛

ابراہیم ابھی بھی دوسری کھائی پر ہی جوانوں کو پار ہونے میں مدد دے رہے تھے، وہ جوانوں کا خاص خیال رکھے ہوئے تھا کیونکہ ان نالوں کے اطراف میں بارودی سرنگوں کے علاوہ اور بھی مختلف رکاوٹیں تھیں۔

تیسرے نالے پر پہونچنے کا مطلب سرحدی چیک پوسٹوں پر پہونچنا اور آپریشن کا شروع ہونا تھا لیکن بٹالین کمانڈر نے فوجوں کو روک کر کہا:

نقشے کے مطابق ہمیں اس سے زیادہ راستہ چلنا تھا لیکن بہت عجیب بات ہے کہ ہم لوگ وقت سے پہلے بھی پہونچ گئے اور چیک پوسٹ بھی کہیں پر دکھائی نہیں دے رہے ہیں!

دوسری کھائی کو تقریباً سبھی جوان پار کر چکے تھے۔

اچانک فکّہ کا آسمان دن کی طرح چمک اٹھا، ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے دشمن اپنی پوری طاقت کے ساتھ ہمارا انتظار کر رہا ہو۔

اس کے بعد انہوں نے ہم پر فائر کھولا اور مارٹر گولوں سے لے کر توپ کے گولوں اور مشین گنوں تک کہ جو دور سے ہی ہم پر سیٹ کئے ہوئے تھے، کے ذریعہ ہم پر حملہ کر دیا، یہ ہر طرف سے ہم پر فائرنگ کر رہے تھے۔

ہمارے جوان کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے، بارودی سرنگوں اور شمسی رکاوٹوں (solar obstacle) کی وجہ سے ہمارے جوان ہل بھی نہیں سکتے تھے، بہت قلیل تعداد میں ہمارے فوجی تیسری کھائی میں اُتر سکے، اکثر جوان تو ریتلی مٹی میں ہی پھنس گئے تھے، افراتفری کی وجہ سے سب لوگ اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے، بعض فوجوں نے تو شمسی رکاوٹوں سے گذر کر بیابان میں مورچہ سنبھالنے کی کوشش کرنا چاہی لیکن بارودی سرنگیں پھٹ جانے کی وجہ سے وہ سب لوگ شہید ہو گئے،

اس باریک راستے کا ہر طرف بارودی سرنگوں سے بھرا ہوا تھا اور ابراہیم کو یہ سب اچھی طرح معلوم تھا اسی لئے وہ تیسری کھائی کی طرف دوڑ رہا تھا اور چلا چلا کر فوجوں کو بکھر جانے سے منع کر رہا تھا، سب لوگ اچھل کود کر رہے تھے، کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، عراق کے توپخانے کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ہم لوگ کہاں سے گذریں گے اور وہ دقیق اسی راستے پر گولے داغ رہے تھے۔

ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی تھی، ہر کوئی کسی نہ کسی طرف دوڑ رہا تھا، ہر چیز قابو سے باہر تھی، صرف ان کھائیوں کے اندر تھوڑا سا بچا جا سکتا تھا،

میں نے اس اندھیرے اور افراتفری میں ابراہیم کو کھو دیا، تیسری کھائی تک میں چلا گیا لیکن کسی کو ڈھونڈا نہیں جا سکتا تھا، میری نظر ایک دوست پر پڑی اور میں نے اس سے پوچھا کہ ابراہیم کہاں ہے؟

اس نے کہا کہ کچھ دیر پہلے وہ یہیں سے گذرا تھا، بے چینی کے عالم میں، میں اِدھر اُدھر دوڑ رہا تھا، مجھے ایک کمانڈر ملا جس نے مجھے پہچانا اور کہا:

جلدی تم پیچھے والی گذرگاہ پر چلے جاؤ اور جتنے لوگ راستے میں ہیں، ان سب کو واپس پیچھے بھیج دو، یہاں اس کھائی میں نہ اتنی جگہ ہے اور نہ ہی امن ہے، جاؤ اور جلدی واپس آجانا!

کمانڈر کے دستور کے مطابق جو جوان دوسری کھائی کے اطراف اور راستے میں تھے، ان سب کو میں پیچھے لے آیا یہاں تک کہ بہت سارے زخمیوں کو بھی ہم پیچھے لے کر آئے۔ اس کام میں تقریباً دو تین گھنٹے لگ گئے۔

اب میں دوبارہ واپس تیسری کھائی کی طرف پلٹنے والا تھا کہ بعض فوجوں نے مجھے روک کر کہا کہ تم واپس اُدھر نہیں جا سکتے!

میں نے حیرت سے پوچھا: کیوں؟!

کہا: پسپائی کا دستور آیا ہے اور آگے جانے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اُدھر باقی بچے جوان بھی صبح تک واپس آجائیں گے!

ایک گھنٹے بعد میں نے نماز پڑھی اور اب آہستہ آہستہ اُجالا ہونے لگا تھا، میں تھکا ہارا اور مایوس تھا۔ جتنے بھی لوگ وہاں سے واپس آرہے تھے، ان سے میں ابراہیم کے بارے میں پوچھتا لیکن کسی کو اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔

چند منٹ بعد میں نے مجتبیٰ کو دیکھا جو خاک آلود چہرے کے ساتھ اور تھکا ہارا محاذ جنگ پر سے آرہا تھا، میں نے اس سے بڑی ناامیدی سے پوچھا:

مجتبیٰ، تم نے ابراہیم کو تو نہیں دیکھا؟!

اس نے میری طرف آتے ہوئے کہا:

ایک گھنٹہ پہلے تو ہم لوگ ایک ساتھ تھے۔ میں خوشی کے مارے کود پڑا، اور تھوڑا آگے بڑھ کر کہا: اچھا تو اب وہ کہاں ہے؟

اس نے کہا: مجھے نہیں معلوم، میں نے اس سے کہا کہ پسپائی کا حکم صادر ہو چکا ہے، اور تاریکی میں واپس پیچھے چلتے ہیں، اُجالا ہو جائے تو پھر ہم لوگ کچھ بھی نہیں کر سکتے!

لیکن ابراہیم نے کہا: ہمارے کچھ فوجی جوان نالوں میں پھنسے ہوئے ہیں، میں ان کے پاس چلا جاتا ہوں اور پھر ہم سب ایک ساتھ واپس آئیں گے۔

مجتبیٰ نے کہا:

میں ابھی ابراہیم کے ساتھ گفتگو میں مشغول تھا کہ ادھر سے ''عاشورا'' ڈیوژن کا ایک بٹالین ہماری طرف آیا، ابراہیم نے فوراً اس کے کمانڈر کے ساتھ بات کی اور انہیں پسپائی کرنے کی خبر دیدی۔

چونکہ مجھے راستہ معلوم تھا، اس لئے اس نے مجھے ان کے ساتھ واپس پیچھے بھیج دیا اور خود اس نے ان سے ایک آر پی جی (راکٹ لانچر) اور گولے لئے اور دوبارہ اس نالے کی طرف واپس گیا۔ اس کے بعد مجھے ابراہیم کی کوئی خبر نہیں ہے!

***

گھنٹے بھر کے بعد میں نے میثم لطیفی کو دیکھا جو چند زخمیوں کے ساتھ واپس آرہا تھا، میں فوراً ان کی مدد کو دوڑا اور میثم سے پوچھا: کیا خبر ہے؟!

اس نے کہا: میں اور یہ چند زخمی فوجی، کمیل کھائی کے نزدیک ایک ٹیلے پر پڑے ہوئے تھے، ابراہیم ہادی ہماری مدد کو آن پہونچا۔

میں فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور تعجب سے پوچھا: ابراہیم بھائی!

میں نے کہا: پھر اس کے بعد کیا ہوا؟!

اس نے کہا:

اس نے بڑی مشکل سے ہم سب لوگوں کو جمع کیا اور صبح کی تاریک روشنی میں ہم سب کو پیچھے کی طرف لے آیا، راستے میں ہم لوگ ایک کھائی پر پہونچ گئے جو تار کول اور ڈیزل سے بھری ہوئی تھی، یہ کھائی تقریباً تین میٹر چوڑی تھی، ابراہیم گیا اور دو عدد اسٹریچر [1] لے کر آیا اور اس کھائی میں کود گیا، وہ گھٹنوں تک اس تار کول میں ڈوبا، پھر وہ اس کھائی کے بیچوں بیچ کھڑا ہو گیا اور خود کو پُل بنا کر ہمیں اس نالے سے پار کرایا اور ہمیں پیچھے کی طرف بھیج دیا اور خود دوبارہ آگے کی طرف گیا۔

صبح کے دس بجے فکّہ کا فوجی ہیڈ کواٹر کمانڈروں کی رفت و آمد کا مرکز بن چکا تھا اور بہت سارے لوگوں کا کہنا تھا کہ کئی ایک فوجی بٹالین دشمن کے محاصرے میں پھنسے ہوئے ہیں۔

* * *

1۔ جس پر زخمیوں کو لٹا کر اٹھایا جاتا ہے۔

کمیل نالہ

(علی نصر اللہ)

میں نے ایک انٹلی جنس کمانڈر سے پوچھا:

اس بات کا کیا مطلب کہ کئی بٹالین گھیرے میں ہیں، عراقی فوج تو آگے نہیں بڑھی اور ہمارے جوان بھی دوسرے اور تیسرے نالے میں ہیں!

کمانڈر نے کہا:

جو تیسری کھائی ہم لوگوں نے شناسائی میں دیکھی تھی، وہ اس کھائی سے مختلف ہے۔ یہ اور مزید چند چھوٹے نالے عراقیوں نے ان ہی دو تین دن کے اندر اندر بنا لئے ہیں۔ یہ نالے ٹھیک سرحدی لائن کے پاس میں بنائے گئے ہیں لیکن ان کے مقابلے میں تھوڑے چھوٹے اور رکاوٹوں سے بھرے ہوئے!

پھر اس نے مزید کہا:

ہراول دستے فائرنگ سے بچنے کے لئے ان نالوں میں کود پڑے، صبح ہوتے ہی عراقی ٹینکیں آگے بڑھ گئیں اور ان نالوں کے دونوں طرف بند کر دئے اور پھر ان پر فائرنگ شروع کر دی۔

پھر اس نے تھوڑا ٹھہر کر کہا:

عراق نے سولہ قسم کی رکاوٹیں ہمارے جوانوں کے مقابلے میں نصب کر رکھی تھیں جو چار کلو میٹر کی دوری تک پھیلی ہوئی تھیں اور منافقین نے بھی اس آپریشن کی ساری معلومات انہیں دے رکھی تھیں۔

میری حالت ہی خراب ہو گئی، میں نے تھرتھراتے ہوئے الفاظ میں کہا:

اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟!

اس نے کہا:

اگر ہمارے جوان ڈٹے رہیں تو ہم آپریشن کا دوسرا مرحلہ شروع کر دیں گے اور انہیں واپس پیچھے لائیں گے۔

اتنے میں ہیڈ کواٹر کے وائرلیس نے کہا:

محاصرے میں پھنسے بٹالینوں کی ایک خبر آئی ہے!

سب لوگ خاموش ہو گئے۔

وائرلیس مین نے کہا:

کہتا ہے کہ یاری بھائی نے افشردی بھائی کے ساتھ مصافحہ کیا۔

اس چھوٹی سی خبر کا مطلب یہ ہے کہ حنظلہ بٹالین کا کمانڈر شہید ہو گیا ہے۔

اسی دن سہ پہر کو ایک اور خبر ملی کہ حاجی حسینی اور ثابت نیا، کمیل بٹالین کے کمانڈر اور ڈپٹی کمانڈر بھی شہید ہو گئے ہیں۔ کیمپ میں موجود سارے افراد پریشان تھے، یہاں سب لوگوں پر ایک عجیب حالت طاری تھی!

* * *

۹ فروری کو فکّہ پر دوبارہ حملہ کرنے کے لئے ہمارے جوان تیار ہو گئے، میں نے کیمپ سے ایک دوست کو آتے دیکھا تو پوچھا:

کیا خبر ہے؟

اس نے کہا:

کمیل بٹالین کے وائرلیس آپریٹر نے ابھی ابھی حاجی ہمت سے بات کر کے کہا کہ وائرلیس کی بیٹری ختم ہو رہی ہے اور اکثر جوان شہید ہو چکے ہیں۔ ہمارے لئے دعاء کریں اور امام خمینی کو ہمارا اسلام کہہ دیں اور بتادیں کہ ہم لوگ آخری لمحے تک ڈٹے رہیں گے!

میں نے دل شکستہ اور دُکھی ہو کر کہا:

اب ہمارا ای کیا ذمہ داری ہے، ہمیں کیا کرنا چاہئے ؟

اس نے کہا:

خدا پر توکل کرو! جاؤ اور تیار ہو جاؤ! آج رات کو آپریشن کا دوسرا مرحلہ شروع ہو جائے گا۔

غروب آفتاب کے وقت ہماری آرمی کے توپخانے نے بڑی دقت سے دشمن کے محاذوں پر گولے باری کر دی اور ایک بار پھر ہمارے بٹالینوں نے اپنی پیش قدمی شروع کر دی۔ ہم لوگ کمیل اور حنظلہ کی کھائی تک آگے چلے گئے، محاصرے میں پھنسے بہت کم جوان رات کی تاریکی میں نالے سے باہر آنے میں کامیاب ہو کر ہمارے پاس پہونچ گئے۔

لیکن یہ حملہ بھی ناکام رہا، صبح سے پہلے پہلے ہم لوگ اپنے محاذ پر واپس پہونچ گئے۔

اس حملے میں مجاہدین کی زبردست فائرنگ سے دشمن کے بہت سارے بکتر بند سازوسامان منہدم کر دئے گئے۔

***

۱۰ فروری کو بھی نالے کے اندر سے اِکا دکا گولیوں کی آوازیں آتی رہیں اور اس بات سے صاف ظاہر تھا کہ نالے میں موجود مجاہدین ابھی بھی ڈٹے ہوئے ہیں، لیکن یہ بات سمجھ سے باہر تھی کہ چار دن کے بعد بھی یہ لوگ کس طرح کے امکانات کے ساتھ ڈٹے ہوئے ہیں!

آج مغرب کے وقت آپریشن کے اختتام کا اعلان ہو گیا اور باقی فوجیں واپس پیچھے کی طرف پلٹ گئیں۔

کل رات کے حملے کے دوران کھائی سے باہر آنے والے ایک جوان سے میں ملا جو کہہ رہا تھا:

"تمہیں نہیں معلوم کہ ہماری کیا حالت تھی، نہ پانی تھا، نہ کھانا! ہتھیار بھی بہت کم تھے، کھائی کے چاروں طرف مختلف قسم کی بارودی سرنگیں بچھائی گئی تھیں، ہم لوگ ہر چند منٹ کے بعد ایک آدھ گولیاں چلاتے تھے تاکہ انہیں پتہ چلے کہ ہم لوگ ابھی زندہ ہیں۔ عراقی بھی مسلسل لاؤڈا سپیکر کے ذریعہ یہ اعلان کرتے تھے کہ اپنے ہتھیار ڈال دو!"

غروب آفتاب کے لمحات کافی غمناک تھے، میں ایک اونچائی پر گیا اور دوربین سے دیکھنے لگا، ابھی بھی نالے کے اطراف میں وقفہ وقفہ سے دھماکے ہو رہے تھے۔ میرا صمیمی دوست ابراہیم وہاں پر پھنسا ہوا ہے اور میں اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا ہوں!

میں نے اس رات تھوڑا آرام کیا اور پھر صبح ہوتے ہی دوبارہ محاذ پر آگیا۔

***

عراقی فوج ۱۱ فروری کے سلسلہ میں کافی حساس تھے، اس دن ان کی فائرنگ کافی شدید ہو چکی تھی، ہمارا عراقی فوج سے سب سے نزدیکی والا محاذ بھی خالی تھا کیونکہ سارے جوان پیچھے واپس جا چکے تھے۔

میں نے من ہی میں کہا کہ شاید عراق پیش قدمی کا ارادہ رکھتا ہے! لیکن یہ بات بعید تھی کیونکہ اس نے جو مختلف طرح کی رکاوٹیں کھڑی کر رکھی ہیں، وہ خود بھی اس راستے سے پیش قدمی نہیں کر سکتے تھے۔

سہ پہر کے وقت فائرنگ کی شدّت میں تھوڑی کمی آگئی۔ میں دوربین لے کر ایک ایسی جگہ گیا جہاں سے یہ نالہ کچھ بہتر طور پر دیکھا جا سکے۔ جو کچھ میں دیکھ رہا تھا وہ نا قابل یقین تھا، نالہ کے پاس سے زبردست دھواں اٹھ رہا تھا اور مسلسل دھماکوں کی آواز آرہی تھی۔

میں نے فوراً انٹلی جنس افسران کے پاس جا کر کہا:

عراق، نالے کو مکمل طور سے ختم کر رہا ہے!

ان لوگوں نے بھی دوربین سے دیکھا، صرف آگ اور دھواں دکھائی دے رہا تھا!
لیکن ابھی بھی مجھے امید تھی، میں نے من ہی میں کہا:
ابراہیم نے اس سے بدترین حالات بھی جھیلے ہیں!
لیکن اس آپریشن سے پہلے کی باتیں جو مجھے یاد آئیں تو میرا دل ہی کانپ گیا۔
انٹلی جنس کے افسران اپنے مورچوں پر گئے اور میں نے دوبارہ دوربین سے دیکھنا شروع کیا۔

غروب آفتاب کا وقت تھا۔ میں نے دور سے کوئی چیز حرکت کرتے دیکھی، مزید دقّت کی تو بالکل صاف دکھائی دے رہا تھا کہ تین لوگ ہماری طرف دوڑ کر آرہے ہیں، راستے میں یہ لوگ مسلسل زمین پر گر پڑتے اور پھر دوبارہ اٹھ جاتے تھے۔ یہ لوگ زخمی بھی تھے اور تھکے ہارے بھی! یہ بات بھی طے تھی کہ یہ لوگ اسی کھائی سے آرہے ہیں۔

میں نے چلا کر دوسرے ساتھیوں کو بلایا اور ہم لوگ ایک بلندی پر گئے اور دور سے انہیں دیکھنے لگے، میں نے دوسرے جوانوں سے بھی کہا کہ گولی نہ چلائیں!
سورج کی سرخی میں ہی یہ لوگ ہمارے محاذ پر پہونچ گئے۔
ان کے پہونچتے ہی ہم لوگ دوڑے اور ان سے پوچھا:
تم لوگ کہاں سے آرہے ہو؟

ان کے اندر بات کرنے کی بھی سکت نہیں تھی، ان میں سے ایک نے پانی مانگا، میں نے فوراً اپنی پانی کی بوتل اسے دیدی۔ دوسرے شخص کا بدن بھی بھوک اور پیاس سے کانپ رہا تھا اور تیسرا شخص خون میں لہولہان تھا۔ تھوڑا بہت ہوش سنبھالنے کے بعد انہوں نے کہا کہ ہم کمیل بٹالین سے ہیں۔
میں نے پریشانی کے عالم میں پوچھا: باقی جوانوں کا کیا بنا؟!
اس نے اپنے سر کو بڑی مشکل سے اوپر کرتے ہوئے کہا:

مجھے نہیں لگتا کہ ہمارے علاوہ بھی اب کوئی اور زندہ بچ گیا ہو!

میری تو سانس ہی رک گئی، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا!

میں نے دوبارہ حیرت زدہ ہو کر پوچھا:

ان پانچ دنوں تک تم لوگ کیسے ڈٹے رہے؟!

اس کے اندر بات کرنے کی طاقت نہیں تھی، تھوڑا اٹھہر کر کہا:

ان آخری دو دنوں میں ہم لوگ شہداء کے جنازوں کے نیچے چھپے ہوئے تھے، لیکن اس درمیان وہاں ایک ایسا جوان تھا جس نے ان پانچ دنوں تک اس کھائی کو مضبوطی سے سنبھالے رکھا!

تھوڑی تازہ سانس لے کر اس نے پُرسکون انداز میں کہا:

کیا عجیب آدمی تھا وہ!

ایک طرف آر پی جی چلاتا تھا اور دوسری طرف مشین گن سے فائر کرتا تھا، کیا طاقت تھی اس میں...!

دوسرے نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا:

اس نے سارے شہداء کو کھائی کے ایک طرف ایک دوسرے کے بغل میں رکھ دیا تھا اور کھانا اور پانی بھی وہی بانٹتا تھا، زخمیوں کی رسیدگی بھی کرتا تھا۔ اس لڑکے کو تھکن کا ذرّہ برابر احساس نہیں تھا!

میں نے کہا:

کیا دونوں بٹالینوں کے کمانڈر اور ڈپٹی کمانڈر شہید نہیں ہو گئے تھے؟! پس تم لوگ کس کی بات کر رہے ہو؟!

کہا:

ایک جوان جسے میں پہچانتا نہیں تھا، اس کے سر کے بال چھوٹے اور وہ کردی شلوار پہنے ہوئے تھا۔

دوسرے نے کہا:

پہلے دن اس کے گلے میں ایک عربی مفلر بھی تھا، اس کی آواز کتنی پیاری تھی، وہ ہمارے لئے نوحہ وغیرہ پڑھتا تھا اور ہمارے حوصلے بڑھاتا تھا۔

میرے جسم سے میری روح نکلتی جارہی تھی، میرا سر پھٹا جارہا تھا، میں نے اپنا لعاب دہن نگلا۔

یہ سب ابراہیم کی نشانیاں تھیں۔

میں گھبرا کر بیٹھ گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

تعجب سے اپنی آنکھیں چھوٹی کرتے ہوئے میں نے اس سے پوچھا:

تم ابراہیم صاحب کی بات تو نہیں کر رہے ہو؟! اس وقت وہ کہاں ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں! شاید! کیونکہ چند ایک قدیمی فوجی اسے ابراہیم صاحب کہہ کر بلاتے تھے!

میں نے دوبارہ چلا کر کہا: اس وقت وہ کہاں ہے؟!

ان میں سے ایک دوسرے نے کہا:

عراقیوں کی گولے باری کے آخری لمحے تک تو وہ زندہ تھا، پھر اس نے ہم سے کہا: عراق نے اپنی افواج کو پیچھے ہٹایا ہے، وہ ضرور ہم لوگوں پر شدید گولے باری کرنا چاہتے ہیں، اگر تم لوگوں میں طاقت ہے تو جب تک یہاں پر تھوڑی سی خلوت ہے اور عراقی فوج آس پاس میں نہیں ہے تو فوراً پیچھے کی طرف واپس پلٹ جاؤ!

اس کے بعد وہ زخمیوں کی رسیدگی کے لئے آگے کی طرف بڑھا اور ہم لوگ پیچھے کی طرف آ گئے۔

تیسرے نے کہا:

میں نے اسے شہید ہوتے دیکھا، ہمارے وہاں سے نکلنے کے فوراً بعد پہلی ہی گولے باری میں ایک گولہ اس کے قریب پھٹا اور وہ زمین پر گر گیا۔

یہ سنتے ہی میرا بدن بے اختیار سُست ہو گیا، میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا، میرے شانے تھرتھرانے لگے، اب میں بے قابو ہو چکا تھا اور میں اپنا سر مٹی پر رکھ کر زار زار رونے لگا، ابراہیم کے ساتھ تمام یادگار لمحے میرے ذہن میں آنے لگے، پہلوان خانے سے لے کر گیلان غرب اور پھر...

بارود کی شدید بو اور دھماکوں کی زوردار آوازیں ملی جلی تھیں۔

میں مورچے کے اوپر گیا اور نالے کی طرف جانے کی کوشش کی، لیکن ایک جوان نے مجھے پکڑ کر کہا:

تم یہ کیا کر رہے ہو؟ تمہارے وہاں جانے سے ابراہیم واپس تو نہیں پلٹ سکتا!؟ یہ دیکھو کہ ان پر کتنی شدید گولے باری ہو رہی ہے!

اس رات ہم سبھی لوگوں کو فکّہ سے واپس پیچھے کی طرف منتقل کیا گیا، سارے جوانوں کی حالت میرے ہی جیسی تھی، اکثر جوانوں کے دوست ان ہی نالوں میں شہید ہو چکے تھے اور ان کے جنازے واپس لانے کا بھی کوئی امکان نہیں تھا۔

جب ہم لوگ ''دوکوہہ'' پہنچے تو اس وقت حاجی صادق آہنگران کا یہ نوحہ چل رہا تھا:

اے سفر سے پلٹنے والو! تمہارے شہید کہاں ہیں تمہارے شہید کہاں ہیں!

اس نوحے سے جوانوں کی گریہ وزاری اور بھی شدّت اختیار کر گئی۔

ابراہیم کے شہید اور مفقود ہونے کی خبر مجاہدین کے درمیان آگ کی طرح پھیلی۔ ایک مجاہد جو اپنے بیٹے کے ساتھ محاذ جنگ پر موجود تھا، میرے پاس آیا اور بڑے غمگین لہجے میں کہا:

ہم سبھی لوگ ابراہیم کے سوگوار ہیں، خدا کی قسم! اگر میرا بیٹا شہید ہو جاتا تو مجھے اتنا زیادہ دُکھ نہ ہوتا، کسی کو نہیں معلوم کہ وہ کتنا عظیم انسان تھا!

دوسرے دن ڈیوژن کے تمام فوجی جوانوں کو چھٹی پر بھیج دیا گیا۔

ہم لوگ بھی تہران آگئے لیکن کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ ابراہیم کی شہادت کی خبر دے سکے، البتہ اس کے مفقود ہونے کی خبر سب کو ہو چکی تھی۔

***

اسیری

(امیر منجر)

ابراہیم کے مفقود ہونے کی خبر کو ایک ہفتہ گذر چکا تھا، میں ظہر سے پہلے مسجد کے پاس آیا جہاں جعفر جنگروی پہلے سے موجود تھا اور حالیہ ناکام آپریشن کی وجہ سے اس کی ذہنی حالت کافی خراب تھی، اس خبر پر کسی کو یقین ہی نہیں آرہا تھا۔

پھر مصطفی[1] بھی آیا اور ابراہیم کے سلسلہ میں گفتگو شروع ہوئی، اتنے میں اچانک ''محمد آقا تراشکار'' نام کا ایک جوان آیا اور ہر چیز سے بے خبر کہنے لگا:

دوستو! تم لوگوں میں سے کوئی ابراہیم ہادی نام کے کسی شخص کو پہچانتے ہو؟!

ہم لوگ خاموش ہو کر حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

ہم نے آگے بڑھ کر کہا:

کیوں کیا ہوا؟! تم کہنا کیا چاہتے ہو؟!

وہ بیچارہ گھبرا کر کہنے لگا:

کچھ نہیں، میرا سالا کچھ مہینوں سے مفقود ہوا ہے اور میں ہر رات کو بارہ بجے ریڈیو بغداد سنتا ہوں کیونکہ عراقی ریڈیو رات دیر گئے اسیروں کے نام کا اعلان کرتا ہے!

میں کل بھی یہ ریڈیو سن رہا تھا جب عراقی ریڈیو کے فارسی زبان اینکر نے معمول کا پروگرام کاٹ کر موزیک چلانا شروع کر دیا اور اس کے بعد بہت ہی خوشی اور جذباتی انداز سے یہ اعلان کرنے لگا کہ:

حالیہ فوجی آپریشن میں مغربی کمان کا ایرانی فوجی کمانڈر "ابراہیم ہادی" ہماری فوج کے ہاتھوں اسیر کر لیا گیا ہے!

خوشی کے مارے ہمارے تو پَر نکلنے لگے، ابراہیم کے زندہ ہونے کی خبر سے ہم لوگوں کی خوشی کی حد نہ رہی! سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کریں، اب تو ہمارے ہاتھ پاؤں بھی نہیں دِکھ رہے تھے۔

ہم نے یہ بات فوراً سبھی دوستوں سے کہہ دی، حاجی علی صادقی نے ریڈ کراس کی طرف رجوع کیا اور رضا ہوریار نے ابراہیم کے گھر جا کر اس کے بھائی کو یہ بات بتادی۔

ابراہیم کے زندہ ہونے کی خبر سُن کر سبھی لوگ بہت خوش تھے!

* * *

کچھ عرصے بعد ریڈ کراس کی طرف سے خط کا جواب آیا جس میں لکھا تھا کہ:

"میں پندرہ سالہ ابراہیم ہادی، نجف آباد، اصفہان کا رہنے والا ہوں۔ آپ لوگوں نے بھی عراقیوں کی طرح مجھے مغربی محاذ کا ایک کمانڈر سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ حقیقت نہیں ہے!"

اگرچہ خط کا جواب آگیا لیکن بہت سارے دوست لوگ سارے اسیروں کی آزادی تک ابراہیم کی واپسی کے منتظر تھے۔

جب بھی انجمن عزاداری میں ابراہیم کی بات آتی تھی تو انجمن کے جوان حضرت زہراءؑ کے مصائب پڑھتے اور زور زور سے روتے تھے۔

* * *

فراق

(عباس ہادی)

ابراہیم کے مفقود ہونے کو ایک مہینہ گذر چکا تھا، ابراہیم کے کسی بھی دوست کی ذہنی حالت زیادہ ٹھیک نہیں تھی، ہم لوگ جہاں بھی اکٹھے ہوتے تو ابراہیم کے بارے میں بات کرتے اور آنسو بہاتے تھے۔

ایک دن ہم لوگ ایک دوست سے ملنے کے لئے اسپتال چلے گئے، رضا غودینی بھی وہیں پر تھے، رضا نے ہمیں دیکھتے ہی زور زور سے رونا شروع کر دیا گویا اس کا داغِ مصیبت تازہ ہو گیا تھا، پھر اس نے کہا:

دوستو! ابراہیم کے بغیر یہ دنیا میرے لئے جینے کی جگہ نہیں ہے، یقین رکھو کہ میں اب پہلے ہی فوجی آپریشن میں شہید ہو جاؤں گا!

ایک دوسرے دوست نے کہا:

ہم ابراہیم کو سمجھ نہ سکے، وہ خدا کا ایک خالص بندہ تھا، جو ہمارے درمیان آیا اور ہم نے کچھ عرصہ اس کے ساتھ زندگی گذاری تاکہ ہم بندۂ خدا کے معنی کو سمجھ سکیں۔

ایک اور نے کہا:

ابراہیم ہر اعتبار سے ایک پہلوان تھا، ایک عارف پہلوان!

***

ابراہیم کی شہادت کو پانچ مہینے گذر چکے تھے، ہماری امی جتنا بھی پوچھتی کہ ابراہیم چھٹّی پر کیوں نہیں آتا؟

تو ہم مختلف بہانے بنا کر بات ہی بدل دیتے اور کہتے:

اس وقت کاروائی ہو رہی ہے اور وہ ابھی نہیں آسکتا...

اور اس طرح ہر روز کوئی نہ کوئی بہانہ بتا دیتے!

یہاں تک کہ ایک دن امی، کمرے کے اندر آئی اور ابراہیم کے فوٹو کے سامنے بیٹھ کر آنسو بہا رہی تھیں، میں نے یہ منظر دیکھ کر کہا:

امی! کیا بات ہے؟!

کہا: مجھے ابراہیم کی خوشبو آرہی ہے، ابراہیم اس وقت اسی کمرے میں ہے! وہ یہیں پر ہے وغیرہ وغیرہ...

اور جب اس کا رونا تھوڑا کم ہوا تو کہنے لگیں: مجھے یقین ہے کہ ابراہیم شہید ہو چکا ہے۔

امی نے مزید کہا: ابراہیم آخری بار بالکل بدل چکا تھا۔ جتنا بھی میں نے اس سے کہا کہ چلو کسی کے ہاں رشتہ مانگنے جاتے ہیں، میں تجھے دلہا بنانا چاہتی ہوں، تو وہ کہتا:

نہیں امی! مجھے یقین ہے کہ میں واپس نہیں آؤں گا۔ میں اپنے گھر میں کسی روتی ہوئی آنکھ کو اپنا منتظر نہیں رکھنا چاہتا!

کچھ دن بعد امی، دوبارہ ابراہیم کے فوٹو کے سامنے کھڑی ہو کر رو رہی تھیں اور آخر کار ہم نے مجبور ہو کر ماموں کو بلایا تا کہ وہ امی کو ساری حقیقت بتا دے!

اس دن ماں کی حالت بہت خراب ہو گئی، اس کے دل کی بیماری اور بھی شدّت اختیار کر گئی اور اسپتال میں اسے سی سی یو میں بھرتی کر لیا گیا۔

بعد میں ہم جب بھی امی کو بہشت زہراء لے جاتے تو وہ زیادہ تر چوالیس نمبر حصّے کی قبروں پر جانا پسند کرتیں اور ابراہیم کی یاد میں گمنام شہیدوں کی قبروں پر بیٹھ جاتیں، اگرچہ رونا اس کی صحت کے لئے اچھا نہیں تھا لیکن وہ اپنا دردِ دل شہدائے گمنام کے ساتھ کرتیں اور وہیں پر اپنے دل کی گرہیں کھولتی تھیں۔

جستجو

(سعید قاسمی اور شہید کی بہن)

۱۹۹۰ء میں سارے اسیر اپنے وطن واپس لوٹے لیکن ابھی بھی بعض لوگ ابراہیم کی واپسی کے منتظر تھے،(اگرچہ ان اسیروں کے درمیان ابراہیم ہادی نام کے دو اور بھی جوان تھے) لیکن سارے دوستوں کی امید پر پانی پھر گیا۔

اس کے ایک سال بعد ابراہیم کے بعض دوست جنگی علاقوں کے دورے پر سرزمین فکّہ چلے گئے اور اس سفر میں انہیں شہیدوں کے بعض جنازے ملے، جنہیں ان لوگوں نے تہران منتقل کیا۔

ہم لوگ ایک شہید کے گھر والوں سے ملنے گئے تو شہید کی ماں نے مجھ سے کہا:

کیاآپ کو معلوم ہے میرا بیٹا کہاں پر شہید ہوا ہے؟!

میں نے کہا:

ہاں! ہم لوگ ایک ساتھ تھے۔

کہا: اب جو جنگ ختم ہو چکی ہے تو آپ اس کے جنازے کو ڈھونڈ کر واپس نہیں لا سکتے؟!

اس ماں کی باتوں نے مجھے سوچ میں ڈبو دیا۔

دوسرے دن میں نے جا کر جنگ کے بعض دلسوز کمانڈروں کے ساتھ بات کی اور یہ طے ہوا کہ ہم اپنے دوستوں کے جنازے ڈھونڈھنے جائیں گے!

اور کچھ دن بعد اپنے بعض دوستوں کے ساتھ سرزمین فکہ چلے گئے۔

جستجو کے بعد ہم تین سو شہیدوں کو ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہو گئے جس میں اس ماں کا بیٹا بھی شامل تھا اور اس کے بعد ہی "شہداء کی جستجو" نامی کمیٹی تشکیل پائی جو مختلف سرحدی علاقوں میں شہداء کی جستجو میں مصروف ہو گئے۔

فکّہ کے مظلوم شہیدوں کے عشق میں کافی ساری رکاوٹوں اور کام کی دشواری کے باوجود فکہ میں یہ کام وسیع پیمانے پر ہونے لگا۔

جستجو کمیٹی کے اکثر جوانوں کہ جو ابراہیم کو اچھی طرح جانتے تھے، نے کہا:

جستجو کمیٹی کے اصلی بانی ابراہیم ہی تھے، وہ کاروائی کے بعد شہداء کے جنازوں کی تلاش میں جاتے تھے!

جنگ کے اختتام کے پانچ سال بعد آخر کار کافی دشواریوں کے باوجود "کمیل" نامی معروف جنگی نالے میں کام شروع ہو گیا۔ شہداء کے جنازے یکے بعد دیگرے مل رہے تھے۔ نالے کے آخر میں کافی سارے شہداء ایک دوسرے کے کنارے رکھے ہوئے تھے، ان کے جنازے بڑی آسانی سے نالے سے باہر لائے گئے، لیکن ابراہیم کا کہیں بھی پتہ نہ چل سکا۔

"علی محمودوند" ڈیوژن کے جستجو کمیٹی کے انچارج تھے، وہ "والفجر مقدماتی" نامی آپریشن میں پانچ دن تک کمیل نالے میں دشمن کے گھیرے میں تھے۔

علی اپنے آپ کو ابراہیم کا مرہون منت سمجھتے اور کہتے تھے:

فکہ کی مظلومیت کو کوئی نہیں جانتا۔ اس نالے میں ہمارے کتنے مظلوم جوان ہیں! فکہ کی مٹی میں کربلا کی مظلومیت کی بو آتی ہے!

ایک دن جستجو کے دوران ایک شہید کا جنازہ ملا، جس کے سامان میں ایک چھوٹی سی ڈائری ملی جو برسوں گذر جانے کے بعد بھی ابھی پڑھی جا سکتی تھی، اس ڈائری کے آخری صفحہ پر اس طرح لکھا ہوا تھا:

"محاصرے میں آج ہمارا پانچواں دن ہے، ہم نے کھانے پینے کی راشن بندی کی ہوئی ہے۔ شہیدوں کے جنازے نالے کے آخر میں ایک دوسرے کے کنارے رکھے گئے ہیں۔ اب کوئی شہید پیاسا نہیں ہے۔ تیرے تشنہ لبوں پر قربان ہو جاؤں، اے فاطمہؑ کے لال!"

اس ڈائری کو پڑھنے سے دوستوں کی حالت ہی خراب ہو گئی اور ہم نے دوبارہ اپنی جستجو جاری رکھی، لیکن اکثر شہداء کے جنازے ملنے کے بعد بھی ابراہیم کا کوئی پتہ نہ مل سکا!

ابراہیم کا ایک دوست فکہ کے دورے پر آیا۔ اس نے اپنی یادیں بیان کرتے ہوئے کہا:

تم لوگ ابراہیم کو زیادہ ڈھونڈھنے کی کوشش مت کرو، کیونکہ وہ گمنام رہنا چاہتا تھا، بہت مشکل ہے کہ تم اسے ڈھونڈ سکو گے! ابراہیم فکہ ہی میں رہا تاکہ راہیانِ نور [1] کے لئے آفتاب بن کر رہے!

۱۹۹۹ء میں ایک بار پھر سرزمین فکہ پر جستجو کا آغاز کیا گیا اور پھر نالوں سے کئی شہیدوں کے جنازے ملے لیکن تقریباً وہ سبھی جنازے گمنام تھے۔

جستجو کے ان ہی مراحل کے دوران علی محمود وند اور پھر مجید پازوکی، قافلۂ شہداء سے جا ملے!

گمنام شہیدوں کے جنازے جستجو کمیٹی کے دفتر پر لے جائے گئے۔

طے یہ پایا کہ ایام فاطمیہؑ میں ملک میں ایک طولانی تشییع کے بعد پانچوں شہیدوں کو سرزمین ایران کی پانچ الگ الگ جگہوں پر دفنایا جائے گا۔

---

1. **راہیانِ نور** : نوروز کے ایام میں ایرانی لوگ تقریباً ۲ ماہ تک ایران کے سابق جنگی علاقوں کا دورہ کر کے شہیدوں کی یاد تازہ کرتے ہیں اور نزدیک سے ان حالات کا تصوّر کر کے ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

جب تہران میں شہدائے گمنام کے جنازوں کی تشییع ہونا تھی تو اس رات میں نے ابراہیم کو خواب میں دیکھا جو اپنی بائیک کے ساتھ گھر کے دروازے پر کھڑا ہے، اس نے ایک خاص جذبے اور عجیب انداز میں کہا:

اب ہم بھی لوٹ آئے۔ اور اپنا ہاتھ ہلانا شروع کر دیا۔

دوبارہ میں نے خواب میں شہداء کی تشییع جنازہ ہوتے دیکھا تو اس میں سے ٹرک پر رکھا ایک شہید کا جنازہ ہلا اور اس میں سے ابراہیم نکلا، جو اپنے اسی پُرکشش اور ہمیشگی کے چہرے کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔

اس کے دوسرے دن قدر شناس لوگ نہایت جوش و ولولہ سے شہداء کے استقبال میں گئے اور زبردست تشییع جنازہ ہوئی اور پھر ان شہیدوں کو سپرد خاک کرنے کے لئے مختلف شہروں میں بھیج دیا گیا۔

مجھے لگتا ہے کہ ابراہیم قافلۂ شہدائے گمنام کے ساتھ حضرت صدیقۂ طاہرہؑ کی شہادت کے دن واپس پلٹ کر آگیا تا کہ ہمارے چہروں سے غفلت کی دھول ہٹا دے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی میں کسی گمنام شہید کی قبر پر جاتا ہوں تو ابراہیم اور اس قوم کے ابراہیموں کی یاد میں ایک فاتحہ پڑھتا ہوں!

* * *

حضور

ہمارے محلے میں جو اہم ترین کام انجام پائے، ان میں سے ایک ۱۹۹۷ء میں شہید محلاتی ہائے وے کے پل پر ابراہیم کے چہرے کی پینٹنگ تھی۔

تصویر بنانے کے بعد میں سیّد کے پاس گیا اور کہا:

سید صاحب! میں نے سنا کہ شہید ہادی کی تصویر آپ ہی نے بنائی ہے، صحیح ہے نا؟

سید نے کہا: جی ہاں! کیوں کیا بات ہے؟!

میں نے کہا:

کچھ نہیں، صرف آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہ رہا تھا، کیونکہ اس فوٹو کے ذریعہ ابراہیم صاحب ابھی بھی اس محلے میں موجود ہیں۔

سید نے کہا:

میں ابراہیم کو نہیں جانتا تھا اور اس کی تصویر بنانے کے عوض میں نے کچھ مانگا بھی نہیں، لیکن اس کام کے بعد خدا نے میری زندگی میں اس قدر برکت دیدی کہ میں آپ کو بیان نہیں کر سکتا۔ اس تصویر سے میں نے بہت سی چیزیں بھی دیکھی ہیں!

میں نے تعجب کے ساتھ پوچھا:

مثلاً کیا کیا چیزیں!؟

کہا: جب میں نے یہ تصویر بنائی اور "جلوہ گاہِ شہداء" نامی نمائشگاہ برپا ہوئی تو شب جمعہ کو ایک عورت میرے پاس آئی اور کہا:

یہ تبرک اس شہید کے نام پر اسی جگہ تقسیم کریں!

میں نے سوچا شاید یہ شہید ابراہیم ہادی کی رشتہ دار ہے، لہٰذا پوچھا:

آپ شہید ہادی کو پہچانتی ہیں؟

کہا: نہیں! میری حیرت کو دیکھتے ہوئے اس نے مزید کہا:

ہمارا گھر یہیں پاس ہی میں ہے، ہماری زندگی میں ایک سخت مشکل در پیش تھی، کچھ دن پہلے جب آپ یہ تصویر بنا رہے تھے تو میں یہاں سے گذر رہی تھی اور میں نے من ہی میں کہا:

خدایا! اگر ان شہداء کا تیرے پاس کوئی مقام ہے تو اس شہید کے واسطے میری مشکل کو حل کر دے! میں بھی وعدہ کرتی ہوں کہ میں اپنی نمازیں اول وقت پڑھا کروں گی! اس کے بعد میں نے اس شہید کے نام پر فاتحہ پڑھا جبکہ مجھے اس کا نام بھی معلوم نہیں تھا۔

آپ یقین کریں کہ میری مشکل بہت جلد حل ہو گئی اور اب میں اس شہید کا شکریہ ادا کرنے آئی ہوں!

سیّد نے مزید کہا:

پچھلے سال میرا کام پھر گڑ بڑ چل رہا تھا اور کافی مشکلات در پیش تھیں، ایک بار میں ابراہیم صاحب کی تصویر کے پاس سے گذرا تو دیکھا کافی عرصہ گذر جانے کی وجہ سے تصویر پیلی پڑ گئی ہے اور خراب ہو گئی ہے۔ میں نے جا کر پاڑ کا انتظام کیا، رنگ اور برش اٹھایا اور شہید کی تصویر ٹھیک کرنے لگا۔

یہ بات عجیب اور ناقابل یقین ہے کہ جونہی میں نے یہ تصویر مکمل کی تو ایک بہت بڑا پروجیکٹ مجھے دیا گیا اور میری بہت ساری مالی پریشانیاں دور ہو گئیں۔

اس کے بعد مزید کہا:

جناب! خدا کے نزدیک ان کا بہت بڑا مقام ہے۔ ہم لوگوں نے انہیں بھی نہیں پہچانا ہے، اگر آپ ان لوگوں کے لئے بہت چھوٹا سا کام بھی انجام دیں گے تو خداوند عالم اس کا چند گنا آپ کو واپس پلٹا دیتا ہے!

***

میں مسجد آیا تو دیکھا ایک آدمی ابراہیم صاحب کے دوستوں کی تلاش میں تھا اور ان سے اس شہید کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا۔

میں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ شاید میں آپ کی مدد کر سکوں!

کہا: کچھ نہیں، میں صرف یہ جاننا چاہ رہا ہوں کہ یہ شہید ہادی کون تھے؟ اس کی قبر کہاں ہے؟!

میں رہ گیا کہ اسے کہوں تو کیا کہوں!؟

کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد میں نے کہا:

ابراہیم ہادی ایک گمنام شہید ہے اور سارے گمنام شہیدوں کی طرح اس کی کوئی قبر نہیں ہے۔ لیکن آپ اس شہید کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں؟

اس شخص کی حالت ہی کچھ بدل گئی۔

اس نے کہا: ہمارا گھر شہید ہادی کی تصویر کے پاس میں ہے، میری ایک چھوٹی سی بچی ہے جو ہر روز صبح کو مدرسہ جاتے وقت اس تصویر کے پاس سے گذرتی ہے۔ ایک دن اس نے مجھ سے پوچھا: بابا، یہ کون صاحب ہیں؟!

میں نے بھی کہا: یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے گئے اور دشمن کو ہم پر حملہ کرنے نہیں دیا اور پھر یہ شہید ہو گئے!

جب سے میری بیٹی نے یہ بات سنی تو جب بھی وہ ادھر سے گذرتی ہے تو شہید ہادی کی تصویر کو سلام کرتی ہے۔

چند روز پہلے میری بیٹی نے اس شہید کو خواب میں دیکھا۔ شہید ہادی نے میری بیٹی سے کہا:

پیاری بیٹی ! جب تم مجھے سلام کرتی ہو تو میں تمہیں جواب دیتا ہوں اور تمہارے لئے دعاء کرتا ہوں کہ اتنی کم سن ہونے کے باوجود بھی تم اپنے پردے کی اچھی طرح رعایت کرتی ہو !

اب میری بیٹی مجھ سے یہ پوچھتی ہے کہ یہ شہید ہادی کون ہیں؟ اور اس کی قبر کہاں ہے؟

دُکھ کے مارے اب میری آواز ہی بند ہو گئی تھی، صرف میں نے اتنا ہی کہا کہ :

آپ اپنی بیٹی سے کہیں کہ اگر آپ چاہتی ہیں کہ ابراہیم صاحب ہمیشہ آپ کے لئے دعاء کریں تو اپنی نماز اور پردے کی پابند رہیں !

اس کے بعد میں نے اسے ابراہیم کے کچھ واقعات سنائے !

* * *

مجھے ایک بورڈ پر لکھا یہ جملہ یاد آیا کہ :

"شہیدوں کے ساتھ دوستی اور تعلقات دو طرفہ ہے، اگر تم ان کے ساتھ رہو گے تو وہ بھی تمہارے ساتھ رہیں گے۔"

یہ جملہ بہت سارے معنی اپنے نادر سموئے ہوئے تھا۔

نوروز ۲۰۰۹ء کے موقع پر ہم کتاب کی تکمیل کے لئے گیلان غرب کی طرف روانہ ہو گئے۔ غروب آفتاب کے وقت ہم شہر ایوان پہونچ گئے، میں کافی تھک گیا تھا، صبح سے گاڑی چلا رہا تھا وغیرہ... اور ہمیں کوئی ہوٹل یا مسافر خانہ نہیں مل پایا، میں نے من ہی میں کہا:

ابراہیم صاحب ! ہم تو آپ کے کام پر آئے ہیں، تم خود ہی ہمارا انتظام کر لو !

اذان مغرب کی آواز آئی تو میں نے کہا:

اگر یہاں ابراہیم ہوتا تو ضرور نماز پڑھنے کے لئے مسجد چلا جاتا!

ہم لوگ بھی مسجد کی طرف گئے۔

نماز جماعت کے بعد تقریباً پچاس سال کا ایک شخص ہمارے پاس آیا اور بڑے ادب و احترام کے ساتھ سلام کیا اور کہا:

آپ لوگ تہران سے آئے ہیں؟!

میں نے تعجب سے پوچھا: جی ہاں! کیوں کیا بات ہے؟!

کہا: آپ کی گاڑی کے نمبر سے میں سمجھ گیا۔

اس کے بعد کہا: ہمارا گھر یہیں نزدیک ہے، ساری چیزیں تیار بھی ہیں، تشریف لائیں گے؟!

میں نے کہا: نہیں، بہت بہت شکریہ! ہمیں آگے جانا ہے۔

اس نے کہا: آج رات آپ لوگ یہیں آرام کر لیں اور کل صبح چلے جائیں!

میں نہیں مان رہا تھا لیکن مسجد کا خادم سامنے آکر کہنے لگا:

یہ جناب محمّدی ہیں جو یہاں کی میونسپلٹی کے ایک عہدیدار ہیں، ان کی بات قبول کریں!

بہر حال میں بھی تھکا ہارا تھا اور میں نے قبول کر لیا۔ کافی بہترین کھانا کھلایا اور اچھی خاطر داری کی وغیرہ...

پھر ہم صبح کو ناشتہ کرنے کے بعد ایک دوسرے سے خدا حافظی کرنے لگے۔

محمدی صاحب نے کہا: کیا میں آپ سے اس شہر میں آنے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟!

میں نے کہا:

ہم لوگ ایک شہید کے یادگار واقعات کی تکمیل کے لئے "گیلان غرب" جانا چاہتے ہیں۔

اس نے بڑے تعجب سے کہا:
میں بھی تو گیلان غرب کا رہنے والا ہوں! کس شہید کی آپ بات کر رہے ہیں؟!
میں نے کہا:
آپ اسے نہیں پہچانتے ہوں گے!
اس کے بعد میں اپنے بیگ سے ایک فوٹو نکال کر اسے دکھانے لگا۔
اس نے بڑی حیرت کے انداز میں فوٹو دیکھ کر کہا:
یہ تو ابراہیم صاحب ہیں!! میں اور میرے والد اسی کے فوجی تھے، جنگ کے پہلے سال ہم لوگ انٹلی جنس کاروائیوں اور فوجی آپریشنوں میں ایک ساتھ تھے!
میں ہکّا بکا ہو کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا، سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہوں! میری آواز ہی بند ہو چکی تھی۔ کل رات سے اب تک بہترین انداز میں ہماری خاطر داری ہوئی، ہمارا میزبان ابراہیم کا دوست ہی تھا!
ابراہیم صاحب، بہت بہت شکریہ! ہم لوگوں نے تمہاری یاد میں نماز کو اول وقت پڑھا اور تو نے...!
قرآن کہتا ہے: شہداء زندہ ہیں، وہ اس دنیا پر شاہد اور ناظر ہیں۔
اس بات کو ہم نے حالیہ حوادث اور انتخابات (۲۰۰۹ء) کے بعد پیش آنے والی مشکلات میں بہت زیادہ محسوس کیا۔
ابراہیم اکثر اپنے دوستوں کے خواب میں آتا اور انہیں صحیح راستہ انتخاب کرنے میں مدد دیتا تھا۔

***

سلام ہوا براہیم پر !

جب ہم نے ابراہیم کے سلسلہ میں یہ کام انجام دینے کی ٹھان لی تو خداوند عالم کی مدد سے اور اپنی تمام تر توانائیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک بہترین کام پایۂ تکمیل کو پہونچانے کی کوشش کی۔

جبکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ کتاب ابراہیم صاحب کے دریائے فضائل و کمالات کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے !

لیکن سب سے پہلے میں نے خدا کا شکریہ ادا کیا جس نے مجھے اپنے اس پاک اور خالص بندے سے آشنا کرایا۔ اور اسی طرح خدا کا شکر بجالایا کہ اس نے مجھے اس کام کے لئے انتخاب کیا۔ اس دوران میں نے اپنی زندگی میں عجیب و غریب تبدیلیوں کا احساس کیا۔

۲ سال کی جد وجہد، ساٹھ انٹرویو، متعدد سفر اور متعدد بار عبارتوں کی نظم و ترتیب اور !

میں اس کتاب کا ایک ایسا نام رکھنا چاہتا تھا جو ابراہیم کے جذبات سے ہم آہنگ ہو !

حاجی حسین کو دیکھتے ہی میں نے پوچھا:

آپ کی نظر میں اس کتاب کے لئے کون سا نام زیادہ بہتر رہے گا؟

انہوں نے کہا: اذان،

کیونکہ اکثر فوجی جوان ابراہیم کو اس کی اذانوں سے پہچانتے تھے، اس کی عجیب وغریب اذانوں سے !

ایک دوسرے دوست نے کتاب کا نام شہید ابراہیم حسامی کا جملہ رکھنے کو کہا، شہید ابراہیم حسامی، ابراہیم ہادی کو ''عارف پہلوان'' کہتا تھا۔

لیکن میں نے اپنی جگہ پر کتاب کا نام ''معجزۂ اذان'' رکھا۔

یہ رات کا وقت تھا جب میں اس مسئلہ کے بارے میں سوچ رہا تھا!

میز پر قرآن رکھا ہوا تھا اور اچانک اس پر میری نظر پڑی۔ میں نے من ہی میں کہا کہ:

خدایا! یہ سارا کام تیرے مخلص اور گمنام بندے کے لئے انجام پایا ہے اور میں چاہ رہا ہوں کہ اس کتاب کا نام قرآن ہی سے پوچھوں! اب تک تو تیرا ہی لطف و کرم شامل حال رہا! میں نے نہ ہی ابراہیم کو دیکھا تھا اور نہ ہی میری عمر اتنی ہے کہ اس زمانے کے جنگ میں شرکت کر پاتا لیکن تو نے اپنی ہر طرح کی محبت سے نوازا جس سے یہ کتاب مکمل ہو سکی!

خدایا! نہ ہی مجھے استخارہ کرنا آتا ہے اور نہ ہی میں قرآنی آیات کے مفہوم و معنی کو صحیح طرح سے سمجھ سکتا ہوں!

اسکے بعد بسم اللہ پڑھ کر سورۂ حمد کی تلاوت کی اور قرآن کو کھول کر میز پر رکھ دیا!

جو صفحہ کھلا، اس کی ابتدائی آیات کو غور سے دیکھنے کے بعد میری حیرت کی انتہا نہ رہی اور میرے چہرے کا رنگ ہی اڑ گیا!

مجھے بخار سا چڑھ گیا اور بے اختیار آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں!

صفحہ کے ابتداء میں سورہ صافات کی ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱ اویں آیات تھیں:

''سلام ہو ابراہیم پر! نیک لوگوں کو ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں، وہ ہمارے مومن بندوں میں سے ہے۔''

* * *

تمت بالخیر / شب ۲۸ صفر ۱۴۳۴، شب رحلت رسول اکرمؐ و امام حسن مجتبیٰؑ